تالیف

حضرت العلامہ عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر
شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز
بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔ الہند

ناشر

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ
حیدرآباد الہند

﴿ یاایّہا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما ﴾

رسالہ مشتمل بر ذکر میلاد و فضائل و آداب

حضرت سرور عالم سید العرب والعجم باعث ایجاد کونین رسول الثقلین

سیدنا ومولانا **محمد** صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

مسمی بہ

تالیف

حضرت العلامہ عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر
شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز
بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔الہند

سلسلہ مطبوعات نمبر (۱۱۳)

بار ششم

تاریخ طبع : اپریل ۲۰۱۳ء

تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

طباعت : ابوالوفاء افغانی آفسیٹ پریس، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

ناشر : مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

قیمت : (-/200) دوسو روپئے

پتہ

دفتر مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ

حیدرآباد ۶۴۔۵۰۰۰۶۴ اے پی (الہند)

فون: 24576772 / 24416847 فیاکس: 0091 40 24503267

ویب سائیٹ نمبر: www.jamianizamia.org

ای میل نمبر : fatwa@jamianizamia.org

fatwajamianizamia@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی اله الطیبین و اصحابه الاکرمین . امابعد

حضور پاک علیہ الصلواۃ والسلام کی سیرت طیبہ وفضائل میں ابتداء سے ہر زبان میں کتابیں لکھی گئیں تقریر وتحریر کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ عامتہ المسلمین کے دلوں میں حضور پاک علیہ الصلواۃ والسلام کی محبت پیدا کی جائے کیوں کہ یہی اصل ایمان ہے۔ائمہ اور علماء نے ہر دور میں اس پر محنت کی تا کہ عوام کو ہدایت ملے اسی سلسلہ کی کڑی کتاب ''انواراحمدی'' ہے۔اس کتاب کو حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے دل نشیں انداز میں تحریر کیا ہے۔دلائل سے درود شریف کے فضائل ثابت کیے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے عشق ومحبت کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔دلوں کو جلا ملتی ہے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مقبول خاص و عام ہے اور کئی بار اس کی اشاعت عمل میں آئی۔اور ہر وقت اس کی طلب ہوتی ہے۔اس کتاب کو حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمہ نے ابتداء تا انتہاء سنا اور اس کے مضامین کی خوبی وکمال پر اپنی تقریری وتحریری خوشنودی کا اظہار فرمایا۔مجلس اشاعت العلوم جو حضرت کی قائم کردہ مجلس ہے اس کا مقصد اسلامی کتب کی ترویج واشاعت ہے اب نئے انداز سے اس کی طباعت کا اہتمام کر رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالٰی سابق کی طرح اس مرتبہ بھی یہ کتاب فیض بخش عام وخاص ہوگی۔ فقط

(حضرت مولانا) مفتی خلیل احمد

شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ

یکم اپریل ۲۰۱۳ء

فہرست مضامین کتاب انوار احمدی

الحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد و اٰلہ و اصحابہ اجمعین . امابعد . بندہ بے بضاعت محمد انوار اللہ بن مولانا ومرشدنا مولوی حافظ ابی محمد شجاع الدین صاحب قندھاری دکنی محبان بارگاہ رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جس زمانہ میں کہ آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا میں منظور فرمائی تھی چند روز ایسے گذرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کا متعلق نہ رہا چونکہ نفس ناطقہ بیکارنہیں رہتا۔ یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلا د شریف و فضائل و معجزات سرور عالم ﷺ کے کتب احادیث وسیر سے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں ہر چند فن شاعری میں نہ کسی سے تلمذ ہے نہ مہارت نہ اہل ہند کے محاورات سے واقفیت مگر صرف اس لحاظ سے کہ یہ خدمت غالباً مناسب مقام ہے اور تعجب نہیں کہ اہل اسلام کو اُس سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہو چند اشعار لکھے اور ہنوز مقصود تک پہنچا نہ تھا کہ ان اشعار کی شرح کرنے کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جب تک ماخذ ان مضامین کا بیان نہ کیا جائے ، قابل اعتماد نہ سمجھے جائیں گے ۔ چنانچہ اُسی

مدت حضوری میں چند اشعار کی شرح لکھی گئی تھی کہ پھر یہ حرمان نصیب مہاجرت صوری میں مبتلا ہوا جب مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاً میں حاضر ہوا اور ان اجزا کی تالیف کا ذکر پیش گاہ اقدس قدوۃ المحققین ہادی منازل تحقیق مرشدنا و مولانا حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز میں آیا، ارشاد ہوا کہ ہم ان اجزا کو اول سے آخر تک سنیں گے۔ چنانچہ کمال شوق سے وہ تمام اجزا حضرت نے سماعت فرمائے۔ چونکہ بزرگان دین کو ذکر سید الکونین ﷺ کے ساتھ کامل دلچسپی اور نسبت عشقیہ ہوتی ہے، حضرت ممدوح اکثر مضامین پر نہایت محظوظ ہوتے۔ غرض پوری کتاب کو سماعت فرمانے کے بعد اُس کا نام **انوارِ احمدی** تجویز فرما کر اپنی خوشنودی کے اظہار سے اس کو مسجل فرمایا چنانچہ تبرکاً وہ تحریرات درج ذیل ہیں۔ وہ اجزا اب تک یوں رکھے ہوئے تھے اور مشاغل ضروریہ سے اس قدر فرصت نہ ملی کہ اُن کی تکمیل ہو سکے۔ ان دنوں بعض احباب خیر خواہ قوم و ملت نے اس بات پر زور دیا کہ جس قدر شرح لکھی جا چکی ہے وہ ہی طبع کرادی جائے، چونکہ حضرت ممدوح کا ارشاد بھی اُس کے چھپوانے کے لیے تھا اس لیے امتثالا للامر اس کتاب ناتمام کے طبع کا ارادہ کیا گیا۔ اور چند قصائد و غزلیات بھی اُس کے ساتھ ملحق کر دیئے گئے اگر چہ وہ اس قابل نہیں کہ اہل کمال کے روبرو پیش کیے جائیں مگر چونکہ اُسی زمانہ حضوری میں عرض کیے گئے تھے اس لیے خالی از مناسبت نہیں فقط۔

نقل تحریر شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى هدانا بمصاديق من اراد الله به خيرا يفقهه فى الدين و الصلوٰة و السلام على من بشرنا بمقبوليته اتفاق العالمين و على اٰله و اصحابه الطاهرين المطهرين والائمة المجتهدين المطاعين . اما بعد . فيقول الفقير امداد الله الحنفى مذهبا و الچشتى مشرباوالتهانوى ثم المكى موطنا جعله الله المدنى مدفنا انى سمعت هذا الكتاب من اوله الى آخر بحث الآداب ووجدته موافقاللسنة السنية فسميته **بالأنوار الأحمديه** و انما هذا مذهبى و عليه مدار مشربى . تقبله الله بقبول المقبولين و جعله ذخيرة ليوم الدين آمين و بارک الله فى علم المصنف القمقام و شرفه بنعمة حسن الختام آمين بجاه طهٰ و يٰس . نظم :

جاء بالنور فوقه نور ❁ المصنف كاسمه انوار

ارجوان تنفع دلائله ❁ تطمئن القلوب بالا ذكار

بعد الحمد و الصلوۃ ان دنوں میں ایک عجیب و غریب کتاب لاجواب مسمی **بانوار احمدی** مصنفہ حضرت علامہ زماں وفرید دوراں عالم باعمل و فاضل بے بدل جامع علوم ظاہری و باطنی عارف باللہ مولوی **محمد انوار اللہ** حنفی وچشتی سلمہ اللہ تعالی فقیر کی نظر سے گزری اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ کی اول سے آخر تک بغورسنی تو اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ کی تحقیق محققانہ حقانی میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اورفقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کررہا ہے اورحق کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالی اس کے مصنف کے علم اورعمل اور عمر میں برکت دے اورنعماء عرفانی اور دولت قربت ربانی سے مشرف فرما کرمراتب علیا کو پہنچاوے اوراس کتاب کومقبول کرے تا طالبان حق اس سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔۔

کاتب الحروف فقیر حقیر امداد اللہ حنفی چشتی عفی اللہ عنہ ۱۲۷۸ھ

شکر حق اس نظم میں ہیں وہ مضامیں دلپذیر　　　جن سے اُترے رحمت اور ہوویں دل اعدا پہ تیر

چونکہ منصوصات سے ہیں وہ تمامی مستنیر　　　اہل ایماں مان لیں گے ان کو دل سے ناگزیر

گرچہ ہیں اشعار یہ پر شاعری اس میں نہیں

ترجمہ منقول کا ہے خود سری اس میں نہیں

صالحین کے ذکر سے رحمت الٰہی کا نزول:

قولہ: جس سے اُترے رحمت: امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ **عندذکر الصالحین تنزل الرحمة** جب عموماً صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتو قیاس کرنا چاہئے کہ سید الصلحاء والانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے وقت کس قدر جوش رحمت ہوتا ہوگا۔۔

اشعار حسنہ کی تحسین واجازت:

قولہ: ہوویں دل اعدا پہ تیر: **کمافی روایة الترمذی فی شمائل النبوة و کذافی سننه و النسائی والبزار کلهم من حدیث عبدالرزاق عن جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انسؓ انه صلی الله علیه و سلم دخل مکة فی عمرة القضاء و ابن رواحة یمشی بین یدیه و هویقول :**

خلوا بنی الکفار عن سبیله

الیوم نضربکم علی تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقیله

ویذهل الخلیل عن خلیله

فقال عمر : یا ابن رواحة بین یدی رسولﷺ الله صلی الله علیه و سلم و فی حرم الله تقول شعرا ! فقال له صلی الله علیه و سلم : خل عنه یا عمر فلهی فیهم اسرع من نضح النبل . کذافی المواهب اللدنیة و شرحه للزرقانی .

یعنے مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں روایت ہے انسؓ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم عمرہ قضاء کرنے کے لئے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اس وقت کی یہ حالت تھی کہ حضرت کے آگے آگے ابن رواحہؓ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ جس کا یہ ترجمہ ہے: ہٹو اے اولاد کفار حضرت کے راستے سے آج ہم تم کو حضرت کی کتاب کے حکم پر وہ مار ماریں گے کہ سروں کو گردنوں سے جدا کردے اور دوست کو دوست سے بھلادے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن رواحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ ان کے اشعار کفار کے دلوں میں تیر سے جلد تر سرایت کرتے ہیں۔ انتھیٰ۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ اس قسم کے اشعار کہنا جہاد لسانی ہے **کمافی المشکوٰة عن کعب بن مالکؓ انه قال للنبی صلی اللّٰہ علیه و سلم ان اللّٰہ تعالیٰ قدانزل فی الشعرما انزل فقال النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم ان المومن یجاهد بسیفه ولسانه والذی نفسی بیده لکانما ترمونهم به نضح النبل . رواه فی شرح السنة ، و فی الاستیعاب لابن عبدالبر انه قال : یا رسول الله ماذاتری فی الشعر ؟ فقال : ان المومن یجاهد بسیفه و لسانه** ترجمہ کعبؓ بن مالک نے عرض کی یا رسول اللہ حق تعالیٰ نے شعر کی برائی میں آیۃ شریفہ نازل کی یعنی ﴿**الشعراء یتبعهم الغاون**﴾ مقصود یہ کہ اب شعر کہنا درست نہ ہوگا، فرمایا کہ ایمان والے تلوار سے اور زبان سے جہاد کرتے ہیں، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کفار کے مقابلہ میں تمہارا شعر پڑھنا مثل تیراندازی کے ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ شعر کے باب میں کیا حکم ہے؟ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلاشک

مومن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور ان مخالفین کے جوابات میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرتے ہوں اشعار کا لکھنا جہاد لسانی ہے جو تیر کا کام کرتا ہے۔

احادیث صحیحہ کا وجود صرف صحاح ستہ میں منحصر نہیں

قولہ: چونکہ منصوصات الخ: اس کتاب میں التزام اس امر کا کیا گیا ہے کہ حتی الامکان احادیث و آثار کا مضمون لکھا جائے مگر کہیں کہیں بطور نکات کے اور مضامین بھی جو منقول ہی سے مستفاد ہیں بڑھائے گئے، باقی رہی یہ بات کہ سوائے صحاح ستہ کے اور کتب حدیث سے بھی احادیث اس میں نقل کئے گئے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ کل احادیث صحاح ستہ میں موجود و منحصر نہیں ہیں چنانچہ شیخ ابوالفیض محمد بن علی الفارسی رحمتہ اللہ علیہ نے جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ صحیحین یعنے بخاری اور مسلم میں بلاتکرار کل چار ہزار حدیثیں ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ ابوداؤد میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ انتھی، اس میں اکثر مکررات بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جو صحیحین میں موجود ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس باقی کتب صحاح میں اکثر وہ حدیثیں ہیں جو ان تینوں کتابوں میں موجود ہیں، بہرحال اگر شمار کیا جاوے تو کل صحاح ستہ میں دس بارہ ہزار حدیثوں سے زائد نہ نکلیں گے حالانکہ قسطلانی نے شرح بخاری میں امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لاکھ حدیثیں صحیح مجھے یاد ہیں۔ امام سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے: **ذکر ابو محمد السرخسی راوی الصحیح ومن تبعه ان الذی لم یخرجه البخاری من الصحیح اکثر مما اخرجه** . اور جواہر الاصول میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ساڑھے سات لاکھ سے زیادہ حدیثیں صحیح ہیں۔ اب دیکھیئے کہ اگر صحاح ستہ ہی پر صحیح حدیثوں کا مدار رکھا جائے تو لاکھوں حدیثیں صحیح بیکار ہوئی جاتی ہیں اور تصنیف ان کتابوں کی لغو ٹھہر جاتی ہے، حالانکہ ایسے ایسے محدثین جن کا حال اظہر من الشمس ہے بے فائدہ کام کے مرتکب نہیں ہو سکتے اور اہل علم یہ تو بخوبی جانتے ہیں کہ بڑے بڑے

محدثین مثل ابن حجر عسقلانی وغیرہ ہزار ہا مواقع میں سوائے صحاح ستہ کے دوسرے کتب حدیث سے برابر استدلال کیا کرتے ہیں پھر ہر بات پر صحاح ستہ کی حدیث کا طلب کرنا تکلیف مالایطاق ہے، بلکہ یہ الزام درحقیقت امام بخاریؒ وغیرہ اکابر محدثین پر عائد ہوگا کیونکہ باوجود یہ کہ لاکھوں حدیثیں صحیح یاد رکھتے تھے کیوں جمع نہ کیں؟ اور ہم یہ گمان کبھی نہیں کر سکتے کہ ان حضرات نے بخل کیا ہے بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر محدث کو تالیف کے وقت ایک مقصود خاص پیش نظر رہا کیا ہے جس کی تکمیل کی انہوں نے فکر کی اور یہ مقصود کسی کے پیش نظر نہ رہا کہ انحصار جمیع احادیث صحیحہ کا کیا جاوے، ورنہ یہ دعویٰ کرتے کہ اپنی تصنیف کے سوا کل حدیثیں موضوع یا ضعیف ہیں حالانکہ امام بخاری و امام احمد بن حنبلؒ کی تقریر سے ابھی معلوم ہو چکا کہ لاکھوں صحیح حدیثوں کے وجود کا انہوں نے اعتراف کیا ہے۔

(۲)

لکھا اس کو نظم میں ہر چند میں شاعر نہیں ۔۔۔ کیونکہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہ دین
تھی یہی لم جو ممد حسان کے تھے روح الامین ۔۔۔ فیض رحمانی ہے نعت رحمتہ للعالمین
ذکر ختم المرسلین اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

اشعار نعتیہ سے آنحضرت ﷺ کا سرور:

قولہ: خوش ہوتے تھے الخ: چنانچہ اس خبر سے معلوم ہوتا ہے جو مواہب لدنیہ میں منقول ہے:

(فقام) أی کعب بن زهیر صاحب قصیدة بانت سعاد (حتی جلس الی رسول الله صلی الله علیه و سلم فوضع یده فی یده) وفی روایة ابن ابی عاصم فاسلم کعب و قدم المدینة (و کان صلی الله علیه و سلم لایعرفه ، فقال ، یا رسول الله ان کعب بن زهیر قد جاء ک لیستأمنک تائبا مسلمافهل انت قابل منه ان اناجئتک به ؟ فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم : نعم ، قال : انا یا رسول الله کعب بن

زهیر) قال ابن اسحق فحدثنی عاصم بن عمر بن قتادة انه وثب علیه رجل من الانصار فقال : یا رسول الله دعنی وعدو الله اضرب عنقه ، فقال صلی الله علیه و سلم : دعه عنک فقد جاء تائبا نازعاً ، قال : فغضب کعب علی هذا الحی من الانصار لماصنع به صاحبهم و ذلک انه لم یتکلم فیه ، رجل من المهاجرین الابخیرثم قال قصیدته اللامیة التی اولها : بانت سعاد فقلبی الیوم مبتول ❁ یتم اثر هالم یفد مکبول . وفیها : انبئت ان رسول الله اوعدنی ❁ والعفوعند رسول الله مامول . الخ (وفی روایة ابی بکر ابن الانباری) و ابن قانع (انه لماوصل الی قوله :

ان الرسولؐ لنور یستضاء به ❁ مهندمن سیوف الله مسلول .

رمی علیه الصلٰوة والسلام الیه بردة کانت علیه ، و ان معاویةؓ بذل فیها عشرة الآف فقال : ماکنت لاوثر بثوب رسول الله صلی الله علیه و سلم احداً ، فلمامات کعبؓ بعث معاویہؓ إلیٰ ورثته بعشرین الفاً فأخذها منهم قال : وهی البردة التی عندالسلاطین الیوم) انتهی . کذافی المواهب اللدنیة و شرحه للزر قانی . و قال الشیخ ابوالشیخ ابو محمد جمال الدین عبدالله بن هشام الانصاری فی شرح قصیدة بانت سعاد: وکان من خیرقول کعب رضی الله عنه هذهٖ القصیدة فیماروی محمد بن اسحاق و عبدالملک بن هشام و ابوبکر محمد بن القاسم بن بشار الانباری وابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی سعید الانباری دخل حدیث بعضهم فی حدیث بعض ان کعباً . الحدیث . و ذکر الزرقانی انه روی الحاکم ان کعباً انشده من سیوف الهند فقال صلی الله علیه و سلم من سیوف الله .

ترجمہ: مواہب لدنیہ میں قصہ کعبؓ بن زہیر کے آنے کا پورا پورا ذکر کیا ہے مگر یہاں مختصر لکھا جاتا ہے کہ کعب بن زہیر جو بھاگے ہوئے تھے مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و

سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہوکر اس غرض سے آیا ہے کہ امن پائے اگر میں اس کو حاضر خدمت کروں تو کیا آپ اس کی عرض قبول فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا ہاں، عرض کی کہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں یا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی ایک شخص انصاری کھڑے ہوگئے اور عرض کی یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن ماروں، حضرت ﷺ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو توبہ کر کے اشتیاق میں آیا ہے چونکہ مہاجرین سے کسی نے سوائے خیر کے ان کے باب میں کچھ نہ کہا تھا انصاری کی اس حرکت سے وہ برہم ہوئے (اسی سبب سے قصیدہ میں انصار پر کسی قسم کی تعریض بھی کی ہے) پھر قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا اول بانت سعاد ہے یعنی معشوقہ کی جدائی سے دل میرا بیمار ہے اور ذلیل اور غلام بنا ہوا اس کے ساتھ ساتھ ہے جو فدیہ دے کر چھوٹ نہ سکا بلکہ پابہ زنجیر ہے کہ اس کے قید خیال سے نہیں نکل سکتا۔

اور اس میں یہ بھی شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: خبر پائی میں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں وعید و تخویف کی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عفو کی امید ہے۔ روایت ہے کہ جب وہ اس شعر پر پہونچے ''ان الرسول لنور''۔ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس سے روشنی لی جاتی ہے اور شمشیر ہند برہنہ ہیں اللہ کے شمشیروں سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طرف اپنی چادر مبارک پھینکی جو جسم شریف پر تھی۔ پھر معاویہؓ نے اس چادر پر دس ہزار درہم لگائے مگر کعبؓ راضی نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت کی چادر مبارک میں کسی کو نہ دونگا۔ پھر جب کعبؓ کا انتقال ہوا تو معاویہؓ نے بیس ہزار درھم ان کے ورثہ کے پاس بھیجے اور ان سے وہ چادر لی۔ عاصم کہتے ہیں کہ یہ وہی چادر ہے جو سلاطین کے پاس آج تک چلی آتی ہے۔ اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ کعبؓ نے (من سیوف الھند) پڑھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح دی اور فرمایا (من سیوف اللہ) کہو انتہی۔

الحاصل اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اشعار نعتیہ سن کر خوش ہوتے تھے چنانچہ چادر

مبارک عطا کرنا اس پر دلیل ہے۔

اشعار نعتیہ میں معشوقہ کا ذکر:

فائدہ: ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس روایت سے کئی استدلال ہو سکتے ہیں (۱) اشعار نعتیہ بطور قصاید کے لکھنا جس میں تمہید و گریز وغیرہ ہو (۲) معشوقہ جمیلہ اجنبیہ کا ذکر اور اپنی شیفتگی کا حال بیان کرنا جس کا اتباع ابن فارض اور حافظ و جامی وغیرہ شعرائے کرامؒ نے کیا ہے (۳) شعر کہنے والے کو از قسم لباس عطا کرنا جس کی تبعیت مشائخ کرام نے کی ہے (۴) لباس کو متبرک سمجھنا باوجود یہ کہ جزو بدن بھی نہیں (۵) حاصل کرنے میں تبرکات کے رغبت کرنا، جس قدر روپیہ اس کے لئے صرف ہو اسراف نہ سمجھنا وغیر ذلک۔ اور اسی طرح جب جعدی نے اشعار نعتیہ پڑھے حضرتؐ نے ان کو دعا دی جس کا اثر ان کی عمر بھر رہا چنانچہ مواہب لدنیہ اور اس کی شرح میں زرقانی نے لکھا ہے:

(وقال صلی الله علیه و سلم للنا بغة الجعدی لماقال) أی انشده من قصیدته المطولة نحومائتی بیت : ولا إخیر فی حلم اذالِم یکن له + بـو ادرتحمی صفوه ان یکدرا + ولا إخیر فی علم اذا لم یکن له + حلیم اذا ما اورد اِلأمر اصدرا +

لایفضض الله فاک ، اُی لایسقط الله أسنانک ، و تقدیره لایسقط الله اسنان فیک فحذف المضاف ، قال الراوی لهذاالحدیث عن النابغة : فاتی علیه اکثر من مائة سنة و کان من احسن الناس ثغراً . رواه البیقهی ، و فی روایة ابن ابی اسامة : و کان من احسن الناس ثغراو اذاسقط له سن نبت له آخری ، و کذار واه السلفی فی الاربعین البلدانیة . و عندابن السکن فی الصحابة والدار قطنی فی الموتلف و المختلف عن کرزبن اسامة (فرأیت اسنان النابغة ابیض من البرد لدعوتهٖ صلی الله علیه و سلم) و عندالخطابی فی غریب الحدیث و المرهبی فی کتاب العلم وغیرهما من عبدالله بن جراد فرأیت اسنان النابغة کالبردالمنهل ماانقضمت له سن ولا انفلت

. و حکی فی الإصابة الخلاف فی سنه ، فروی الحاکم عن النضر بن شمیل عن المنتجع الاعرابی قال : اکبر من لقیت النابغة الجعدی قلت له : کم عشت فی الجاهلیة ؟ قال : دارین ، قال النصر یعنی مائتی سنة ، و قال الاصمعی . عاش مائتین و ثلاثین سنة ، و قال ابن قتیبة : مات باصبهان و له مائتان و عشرون سنة . انتھیٰ .

ترجمہ: نابغہ جعدیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا جس کے شعر قریب دوسو کے تھے جب وہ ان شعروں پر پہونچے جن کا ترجمہ یہ ہے (نہیں ہے حلم میں کچھ خیر جب نہ ہو اس کے ساتھ حدت غضب ، جو بچائے اس کے صافی کو مکدر ہونے سے ۔ اور نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب علم والا ایسا حلیم نہ ہو کہ کوئی امر پیش آئے تو اپنے کو مہلکوں سے روکے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر کو نہ توڑے یعنے تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق نہ بگڑے ۔ راوی کہتے ہیں کہ باوجود یہ کہ سو برس سے زیادہ ان کی عمر ہوئی مگر دانت ان کے سب اچھے تھے اور جب کوئی دانت ان کا گرتا تو اس کی جگہ ایک دوسرا دانت نکل آتا ۔ کرز بن اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے نابغہ کے دانت دیکھے اولوں سے زیادہ سفید تھے ، یہ اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تھا ۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ نابغہ کی عمر میں اختلاف ہے ، حاکم نضر بن شمیل سے اور وہ منتجع اعرابی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے ملاقاتیوں میں سب سے بڑی عمر والے نابغہ جعدی تھے میں نے ان سے پوچھا تھا کہ ایام جاہلیت میں تمہاری عمر کتنی گذری تھی ؟ کہا دو دار ، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ مراد اس سے دوسو برس ہیں ۔ اور اصمعی کہتے ہیں نابغہ دوسوتیس برس زندہ رہے ۔ اور ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ انتقال ان کا اصبہان میں ہوا اور اس وقت عمر ان کی دوسوبیس برس کی تھی ۔ انتہیٰ ۔

ف : اگرچہ جس مضمون پر حضرتؐ نے خوش ہو کر دعا دی وہ ایک عام بات ہے کہ حلم کو غضب اور علم کو حلم ہونا چاہئے لیکن چونکہ صحابہ پر یہ بات ظاہر تھی کہ جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

علٰی وجه الکمال یہ صفتیں ظہور میں آتی ہیں دوسروں سے ظہور میں آ ہی نہیں سکتی ہیں اس لئے شاعر نے گو صراحۃً مصداق معین نہ کیا لیکن مقصود اس سے توصیف آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی جس کو حسب قول مشہور ''**الکنایة افصح من الصراحة**'' پیرایہ حکمت میں بیان کیا۔ پس الحاصل ان دونوں شعروں میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ایسے طور پر ہوئی کہ گویا ان صفات میں کوئی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں۔ اور اسی طرح دعا دی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب انہوں نے اشعار نعتیہ پڑھنے کی اجازت چاہی، چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے: **ولما دخل قال العباس . بن عبدالمطلب کمار واه الطبرانی وغیره : أتأذن لی امتدحک ؟ قال : قل لا یفضض الله فاک ، فقال :**

من قبلها طبت فی الظلال و فی

مستودع حیث یخصف الورق

ثم هبطت البلاد لا بشر

أنت ولا مضغة ولا علق

بل نطفة ترکب السفین و قد

الجم نسراً و اهله الغرق

وردت نار الخلیل مکتتما

فی صلبه انت کیف یحترق

و انت لما ولدت اشرقت الُ

ارض و ضاءت بنورک الافق

فنحن فی ذلک الضیاء و فی النُّو

ر وسبل الرشاد نخترق

واضاء منک الوجود نورسنا
وفاح مسکا و نشرک العبق

وفی الخصائص الکبری اخرج الحاکم و الطبرانی عن حزیم بن اوس رضی قال هاجرت الی رسول الله صلی الله علیه و سلم منصرفه من تبوک فسمعت العباس یقول : یا رسول الله أرید أن امتدحک ، قال : قل لایفضض الله فاک ! فقال الخ .

ترجمہ: روایت کی ہے طبرانی وغیرہ نے کہ جب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے عرض کی کیا مجھے اجازت ہے کہ مدح میں کچھ عرض کروں؟ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ، کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے۔ یعنے منہ کی رونق نہ بگڑے ، پس انہوں نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس کے چند اشعار مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے: پہلے اس کے خوش تھے آپ سایوں میں اوراس ودیعت گاہ میں جہاں ملائے جاتے تھے پتے یعنے آدم وحوا علیہما السلام کے جسم پر، اس آیۂ شریفہ کے طرف اشارہ ہے ﴿**وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة**﴾ پھر اترے آپ شہروں میں کہ نہ بشر تھے آپ اور نہ مضغہ بلکہ نطفہ تھے کہ سوار تھے کشتی میں اس حالت میں کہ لگام دی تھی غرق نے نسر کو (جو ایک بت تھا) اوراس کے پوجنے والوں کو (یعنے جب طوفان کا پانی ان کے منہ میں داخل ہوا تھا) آپ خلیل علیہ السلام کی پشت میں مخفی ہوکر آگ میں گئے پھر کیونکر وہ جل سکتے تھے۔ اور آپ جب پیدا ہوئے روشن ہوگئی زمیں اور روشن ہوگیا آپ کے نور سے افق۔ ہم اسی روشنی اورنور میں ہیں اور راستے ہدایت کے طے کیا کرتے ہیں۔ اورکل وجود آپ سے روشن ہوگیا اورمہک گیا جیسے مشک مہکتا ہے اور آپ کی خوشبو پائیدار ہے۔ انتھی۔

الحاصل ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سے خوش ہوتے تھے۔

قولہ: تھی یہی لم جو ممد حسان کے تھے روح الامیں: یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظم سے خوش ہوتے تھے، اسی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید کیا کرتے

تھے، چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے: **عن عائشة رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول لحسان ان روح القدس لایزال یؤیدک ما نافِحت عن الله ورسوله ٥ وقالت سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول هجاهم حسان فشفی واشتفی . رواه مسلم .**

ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حسان رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ جبرئیل ہمیشہ تمہاری تائید کیا کرتے ہیں جب تک تم اللہ اور رسول کے طرف سے مقابلہ کرتے ہو اور فرمایا حسان نے کفار کی ہجو کی جس سے شفا دی مسلمانوں کو اور خود بھی شفاء پائی یعنے سب کی تشفی ہوئی ۔ انتھیٰ ۔

الحاصل یہ مدد دینا روح الامین کا حسان بن ثابت کو اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار پسند تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسانؓ کے لئے مسجد شریف میں منبر رکھواتے تا کہ اس پر اشعار نعتیہ پڑھیں، چنانچہ اس باب میں جو احادیث ہیں قریب نقل کی جائیں گی ۔ کعب اور ابن رواحہ کو اگر یقین نہ ہوتا کہ اشعار نعتیہ کے پڑھنے کو حضرت پسند فرماتے ہیں، حضرت کے روبرو اور حرم کعبہ میں اشعار پڑھنے پر کبھی مبادرت نہ کرتے ۔ اور علی ہٰذا القیاس کعب بن مالکؓ نے جو اول حضوری میں قصیدہ پڑھا اس سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار نعتیہ کو پسند فرمانا مشہور عام تھا ورنہ ایسی حالت خطرناک میں کہ صحابہؓ اُن کے قتل کے درپے تھے جس کا حال ابھی معلوم ہوا کعبؓ کبھی جرأت نہ کر سکتے، چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ حضرت نے پسند فرمایا کہ صلہ عنایت ہوا ۔

آنحضرت ﷺ ازلاً وابداً ممدوح ومحمود ہیں :

قولہ: جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے: جاننا چاہئے کہ جملہ عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیدا ہوا چنانچہ زرقانی نے نقل کی ہے: **روی ابو الشیخ فی طبقات الاصفهانیین و الحاکم عن ابن عباسؓ : اوحی الله الی عیسیٰ آمن بمحمد و مر أمتک ان**

یؤمنوابه فلولا محمد ماخلقت آدم ولا الجنة و لاالنار ، و لقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیه لااله الاالله محمد رسول الله فسکن . صححه الحاکم و اقره السبکی فی شفاء السقام و البلقینی فی فتاواه و مثله لایقال رأیاً فحکمه الرفع و عندالدیلمی عن ابن عباسؓ رفعة أتانی جبرئیل فقال ان الله یقول لولاک ماخلقت الجنة و لولاک ماخلقت النار ، و ذکر ابن السبع والغرفی عن علیؓ ان الله قال لنبیه : من أجلک اسطح البطحا و اموج الموج و ارفع السماء واجعل الثواب والعقاب ..

ترجمہ: وحی کی خدائے تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام پر کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم کرو کہ وہ بھی ایمان لاویں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو، جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا جس سے وہ ساکن ہوگیا اور ابن سبع اور غرفی روایت کرتے ہیں علیؓ سے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ بسبب آپ کے میں نے زمین کو بچھایا اور موج کو متحرک کیا اور آسمان کو بلند کیا اور ثواب وعقاب مقرر کیا۔ انتھیٰ

اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ عالم اس لئے پیدا کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور مرتبہ دکھلایا جائے۔ **کما فی المواهب اللدنیة و فی حدیث سلمان عند ابن عساکر قال : هبط جبریل علی النبی صلی الله علیه و سلم فقال : ان ربک یقول ان کنت اتخذت ابراهیم خلیلافقد اتخذتک حبیباً ، و ما خلقت خلقاً اکرم علی منک ، ولقد خلقت الدنیا واهلها لأُعرفهم کرامتک و منزلتک عندی ولولاک ماخلقت الدنیا .**

ترجمہ سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

حاضر ہوکر عرض کی کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا اور کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو اور یقین جانئے کہ میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا کہ ان کو بزرگی اور مرتبہ آپ کا معلوم کراؤں جو میرے نزدیک ہے اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا کو میں پیدا نہ کرتا انتہیٰ ۔

ف حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق سے مقصود یہ ہے کہ حضرت ﷺ کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خدائے تعالیٰ نے صرف اظہار فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضرور ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بہ دل و جان مصروف ہوگا کیونکہ پادشاہ مثلاً اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس کی تعریف نہ کرے تو حمیت پادشاہی اسی کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں وہ سزائے سخت کا مستحق سمجھا جائے اور ایسا شخص سوائے متمرد و سرکش کے دوسرا نہ ہوگا۔

حضرت ﷺ کی شہرت آسمان و زمین میں :

اسی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب اہل آسمان و زمین جانتے ہیں سوائے نافرمان جن وانس کے۔ کمافی الشفا و شرحہ لعلی القاری (عن ثعلبة بن مالک) کمارواہ ابونعیم (وجابر بن عبداللہ) کمارواہ احمد والدارمی و البزاروالبیہقی عنہ (ویعلی بن مرة) کمارواہ احمد و الحاکم و البیہقی بسند صحیح عنہ (و عبداللہ بن جعفر) کمارواہ مسلم و ابوداود عنہ (کان لایدخل احدالحائط إلا شد علیہ الجمل فلمادخل علیہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم دعاہ فوضع مشفرہ علی الارض و برک بین یدیہ فخطمہ و قال مابین السماء والارض شئ الایعلم انی رسول اللہ الاعاصی الجن و الانس . و مثلہ عن عبید اللہ بن ابی اوفی) .

ترجمہ کسی باغ میں ایک سرکش اونٹ تھا جس کی وجہ سے اس میں کوئی نہیں جا سکتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے اور اس کو بلایا فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو وہ بیٹھ گیا اور ہونٹ زمین پر رکھ دیا، حضرت ﷺ نے اس کو مہار لگا دی اور فرمایا کہ سوائے نافرمان جن وانس کے زمین وآسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔انتھیٰ۔

ہر چند کفار بظاہر مخالف تھے لیکن دل میں ضرور سمجھتے تھے کہ حضرتؐ رسول خدا ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**یعرفونه کمایعرفون ابناء هم**﴾ یعنی پہچانتے ہیں کفار آنحضرت ﷺ کو جیسے اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں، یعنے بغیر شبہ کے اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرتؐ رسول اللہ اور متصف باوصاف کمالیہ ہیں۔ دوسری جائے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔﴿ **قد نعلم انه لیحزنک الذی یقولون فانهم لا یکذبونک ولکن الظٰلمین بآیٰت الله یجحدون**﴾ یعنے ہم جانتے ہیں کہ غمگین کرتا ہے آپ کو وہ جو کفار کہتے ہیں، وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن وہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

روایت ہے (**قال علی کرم الله وجهه**) **کمار واه الترمذی و صححه الحاکم (قال ابوجهل للنبی صلی الله علیه و سلم انالا نکذبک ولکن نکذب بما جئت به) کذافی الشفا و شرحه لعلی القاری .**

ترجمہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور کتب سیر وغیرہ سے ثابت ہے کہ نبوت کے پہلے سے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہا کرتے اور سمجھتے تھے۔

پس آیہ شریفہ اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کفار گو ایمان نہ لائے اور تکذیب قرآن شریف کی کرتے رہے مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے معترف ہی رہے۔اور سوائے کفار کے تمام موجودات کا پہچاننا بھی حدیث شریف سے ابھی ثابت ہوا اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ مراد

اس معرفت سے معرفت صفات ہے نہ معرفت ذات اور یہ بات معلوم ہے کہ معرفت صفات حمیدہ مستلزم مدح ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ازل سے تا ابد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ممدوح عالم ہیں۔اور ابن عباسؓ کی روایت مذکور سے اور دوسرے احادیث سے جو انشاء اللہ تعالیٰ قریب آتی ہیں یہ بات ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے نام مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنے (محمد رسول اللہ) عرش پر لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولاً و ابداً ممدوح اور محمود ہیں کیونکہ ہر چند وضعِ عَلَم ذات مخصوص پر دلالت کرنے کے لئے ہوتی ہے اور معنے وصفی مراد نہیں ہوتے مگر یہ بھی نہیں ہے کہ بالکل معنی وصفی متروک ہی ہوجائیں، کیونکہ لفظ اپنے معنے موضوع لہ اول پر ہمیشہ دلالت کرتا رہے گا جب تک وہ لفظ یا اس کا مبدا اس معنے میں مستعمل رہے اسی وجہ سے کسی کا نام اللہ رکھنا درست نہیں۔یا اگر کسی کا نام شیطان رکھا جائے بیشک جب سنے گا رنجیدہ ہوگا۔

نام کی وضع میں وصفی معنی کا لحاظ:

پس اس سے معلوم ہوا کہ معنی وصفی متروک نہیں ہوتے بلکہ اکثر وضع بہ لحاظ معنی وصفی کے ہوا کرتی ہے۔پس جب حق تعالیٰ نے حضرت ﷺ کا نام وضع فرمایا وقتِ وضع معنی وصفی مقصود تھے، یعنے (حمد کیا گیا) پھر جب تک نام مبارک عرش پر اور حق تعالیٰ کے پاس مسطور و مذکور ہے یعنے ازلاً و ابداً حضرت کا ممدوح اور محمود ہونا مستمر ہے، **فثبت المقصود** ۔اگر کوئی اس مقام میں شبہ کرے کہ حدیث ابن عباسؓ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ نے حضرت کا مرتبہ بتلانے کے لئے عالم کو پیدا کیا، اس سے لازم آتا ہے کہ افعال حق تعالیٰ کے معلل بالاغراض ہوں ! حالانکہ یہ بات خلاف عقیدہ ہے۔سو جواب اس کا یہ ہے کہ معلل بالاغراض نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کام فوائد و منافع سے خالی ہوں ورنہ بڑی قباحت لازم آئے گی کہ نعوذ باللہ ہر ایک کام عبث ہوجائے حالانکہ حق تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے ﴿**افحسبتم انما خلقنکم عبثا**﴾ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی کام میں حق تعالیٰ کو غرض ایسی نہیں جو باعث استکمال ہو جیسے مخلوقات کو ہوا کرتی ہے کیونکہ

استکمال بالغیر حق تعالیٰ کے حق میں محال ہے ۔ پس اس حدیث شریف کو ایسی سمجھنا چاہئے جیسے آیۃ شریفہ ﴿ وماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون ﴾ یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر تا کہ میری عبادت کریں اور ایک تفسیر پر (تا کہ پہچانیں مجھ کو) ۔

اب یہاں ایک دوسرا شبہ پیدا ہوا کہ اس آیۃ شریفہ سے معلوم ہوا کہ جن وانس کی تخلیق عبادت یا معرفت کے لئے ہے اور حدیث ابن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر واقف کرانے کے لئے ؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر کام میں ایک ہی مقصود ہوا کرے ۔ ادنیٰ عقلمند کے ایک ایک کام میں کتنے اغراض ہوا کرتے ہیں ، چہ جائے کہ خدائے تعالیٰ کا کام اور وہ بھی اتنا بڑا جو آفرینش عالم ہے اس میں صرف ایک ہی مقصود رہنا کیا ضرور ، دیکھ لیجئے عناصر اربعہ سے کتنے کام لئے جاتے ہیں کہ اگر غور کیا جائے تو عقل حیران ہوجائے ۔ کیا تخلیق کے وقت یہ سب اغراض و منافع پیش نظر نہ ہوں گے ۔ پھر اگر آفرینش ثقلین سے دونوں مقصود ہوں تو کیا قباحت لازم آئے گی ۔ بلکہ ثقلین اگر باحسن وجوہ عبادت کریں اور تقرب الٰہی انہیں حاصل ہوجائے تو حضرت ﷺ کا مرتبہ باحسن وجوہ سمجھ لیں گے ۔ ہاں جن وانس کی نسبت اتنا لازم آ سکتا ہے کہ ایک قصد اولی ہو اور ایک قصد ثانوی اور ممکن ہے دونوں اولی ہوں ۔

اگر کہا جائے کہ جب مقصود یہ تھا تو کفار نے پھر تصدیق کیوں نہ کی ؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہی اعتراض بعض لوگ آیۃ شریفہ پر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ تخلیق عبادت کے لئے ہے پھر کفار عبادت کیوں نہیں کرتے ؟ جو جواب اس کا دیا جاتا ہے وہی جواب یہاں بھی ہوگا ۔ حالانکہ کفار کا حضرت ﷺ کو جاننا خود قرآن شریف سے ابھی ثابت ہوچکا ۔ اگرچہ مناسب اس موقع کے اور احادیث و مباحث ہیں مگر بخوف تطویل اختصار کیا گیا ۔ ۔

(۳)

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا   اور از قسم عبادت ہے جو ذکر انبیاء

پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبہ جس کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا
رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دِل ذکر شہ لولاہ سے

حضرت ﷺ کا اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے:

قولہ: ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیاء الخ: حدیث شریف میں وارد ہے **عن معاذ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ذكر الانبياء من العبادة و ذكر الصالحين كفارة و ذكر الموت صدقة و ذكر القبر يقربكم من الجنة . فهو حديث حسن لغيره كذافي الجامع الصغير و شرحه سراج المنير .**

ترجمہ: روایت ہے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ذکر نبیوں کا ایک قسم کی عبادت ہے اور ذکر صالحین کا (یعنے اولیاء اللہ کا) کفارہ ہے گناہوں کا، اور ذکر موت کا صدقہ ہے، اور یاد کرنا قبر کا نزدیک کرتا ہے تم کو جنت سے۔

الحاصل جب اولیاء اور سائر انبیاء علیہم السلام کا ذکر عبادت اور کفارۂ گناہ ہو تو سلطان الانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور کفارہ گناہوں کا ہوگا، یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں بحسب خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسی خصوصیت ہوگی کہ دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔

حضرت ﷺ کا ذکر حق تعالیٰ کا ذکر ہے:

قولہ: جس کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا: **كمافي الشفا (وروى ابو سعيد الخدرى رضى الله عنه) كمافي صحيح ابن حبان و مسند ابى يعلى : ان النبى صلى الله عليه و سلم قال أتانى جبريل فقال لى : ان ربى و ربك يقول " تدرى كيف رفعت**

ذکرک " قلت : الله و رسوله اعلم ، قال : اذا ذُکرتُ ذکرتَ معی ، قال ابن عطاء "جعلت تمام الایمان بذکری معک " و قال ایضاً : "جعلتک ذکراً من ذکری فمن ذکرک ذکرنی" .

ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبریل علیہ السلام نے میرے پاس آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جانتے ہو کہ آپ کا ذکر میں نے کیسا بلند کیا ہے، میں نے کہا اللہ اور رسول اس کا جانتا ہے، کہا جس وقت ذکر کیا جاتا ہوں میں ذکر کئے جاتے ہو آپ میرے ساتھ۔ ابن عطا کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا تمام و کمال اس بات پر مقرر کیا کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور آپ کا ذکر میرا ذکر ہے۔

اور امام سیوطیؒ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے **واخرج ابویعلی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن جران و ابن مردویه و ابونعیم فی الدلائل عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه و سلم قال : اتانی جبریل فقال ان ربک یقول " تدری کیف رفعت ذکرک " قلت : الله و رسوله اعلم ، قال : اذاذُکرتُ ذکرت معی ۔**

ترجمہ: یعنے تفسیر درمنثور میں ہے کہ حدیث موصوف اتنی کتابوں میں موجود ہے۔

اور قسطلانی نے اس حدیث کو مقصد سادس مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے مگر اس میں بجائے اللہ و رسولہ اعلم کے "اللہ اعلم" ہے اور کہا کہ روایت کیا اس کو طبرانی نے اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے اور شارح زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ حدیث کی ضیائے مقدسیؒ نے بھی تصحیح کی ہے۔

نکتہ: عجب نہیں کہ **(اذاذکرت ذکرت معی)** سے اشارہ ہو طرف حقیقت محمدی علے صاحبہا الف الف صلوۃ کے جس کی تصریح حضرات صوفیہ واکابر اولیا فرماتے ہیں۔ **والعاقل تکفیه الاشارة** ۔ اور اتنا تو صراحۃً بھی اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب

ذکر کیا گیا میں ساتھ ہی آپ بھی ذکر کئے گئے یعنی بلا تعین وقت، والغیب عنداللہ۔

قولہ: رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے: حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ یعنے بلند کیا ہم نے ذکر آپ کا۔ انتھےٰ، اس سے کیا بڑھ کر ہو کہ حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مقرر فرمایا، چنانچہ ابی سعیدؓ خدری کی حدیث سے ابھی معلوم ہوا اور رفعت ذکر ہی کی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں میں ہر جگہ اور عرش پر اور در و دیوار پر جنت کے بلکہ اس کے ہر ایک پتے پر اور سینوں پر حوروں کے اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں اور ہر پتے پر شجرہ طوبی اور سدرۃ المنتہیٰ کے اور خاتم پر سلیمان علیہ السلام کے اور تختی پر اس خزانہ کے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے، لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ قریب انشاء اللہ تعالیٰ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں نقل کی جائیں گی۔

حضرت ﷺ کے ذکر سے اطمینان قلب:

قولہ: مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاہ سے: امام سیوطیؒ نے درمنثور میں آیۃ شریفہ ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے: **اخرج ابن ابی شیبۃ و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ عن مجاھد ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ قال بمحمد ﷺ و اصحابہ .**

ترجمہ: یعنے مجاہد کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ (آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں) مراد اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کا ذکر ہے۔

فائدہ: مجاہدؒ نے **بذکر اللہ** کی تفسیر میں بمحمد ﷺ واصحابہ جو کہا ہے ہر چند ظاہر آیۃ شریفہ کے مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایسے محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے، اس کو بحسن ظن مان لینا چاہئے کیونکہ ان حضرات کو جب تک کسی معنی کا یقین نہیں ہوتا تفسیر بالرائے نہیں کرتے۔

چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع کے ابواب تفسیر قرآن میں اس کی تصریح کی ہے، **کما قال :**

واما الذی روی عن مجاھد وقتادۃ وغیرھمامن اھل العلم انھم فسروا القرآن فلیس الظن بھم انھم قالوا فی القرآن بغیر علم اومن قبل انفسھم و قدروی عنھم مایدل علی ماقلنا انھم لم یقولوامن قبل انفسھم بغیر علم .

اہل انصاف ضرور یہاں غور فرمائیں گے کہ امام ترمذیؒ باوجود تجربہ علم وعلوشان کے متقدمین کی نسبت کس درجہ کا حسن ظن رکھتے تھے کہ باوجودیکہ تفسیر قرآن کے لئے کمال درجہ کی احتیاط چاہئے تاہم ان کی تفسیر مجرد کو یہ نہ کہا کہ ایسے اقوال بلا استدلال حدیث قابل اعتبار نہیں بلکہ حسن ظن ظاہر کیا کہ ان حضرات کو ضرور احادیث پہونچی ہوں گی گو ہمیں معلوم نہ ہوں ، جب اس درجہ کے علماء ایسے مواقع احتیاط میں اقوال متقدمین کو صرف بحسن ظن مان لیں تو ہم لوگوں کو متقدمین کی نسبت کس قدر حسن ظن چاہئے کہ نہ ہمیں ویسا علم ہے نہ ویسا فہم ۔ افسوس ہے ان لوگوں سے کہ جن کو عبارت پڑھنے کا بھی حوصلہ نہیں ، ائمہ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہیں !! اور اگر بالفرض چند کتب حدیث پڑھ بھی لیں تو کیا کہیں امام ترمذی ہو سکتے ہیں؟ **حاشا و کلا** ۔ ترمذیؒ وہ شخص ہیں کہ جن کی جلالت شان وتبحر علم و کمال قوت حافظہ پر ایک عالم گواہی دے رہا ہے ۔ سچ ہے عالی ظرفوں کی بات ہی کچھ اور ہوا کرتی ہے، مثل مشہور ہے: ’’جیسا آدمی ویسی بات‘‘ حضرت علیؓ فرماتے ہیں **دولۃالارذال آفۃ الرجال**۔

(۴)

ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو — اور سمی حضرتؐ کا دوزخ میں نہ جائے مومنو

بوالبشرؑ نے کی وصیت وقت آخر شیثؑ کو — کہ قرین ذکر حق ذکر محمد کیجئیو

وحشت آدم کی گئی نام شہ لولاکؐ سے

مردے زندہ ہوگئے تاثیر نام پاک سے

نام مبارک کی فضیلت :

قولہ: <u>ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو</u>: مواہب لدنیہ میں ہے **روی ان قوما من**

حملة القرآن يدخلونها فينسهم الله ذكر محمد صلى الله عليه و سلم حتىٰ يذكرهم جبرئيل عليه السلام فيذكرونه فتخمد النار و تنزوى عنهم

ترجمہ: روایت ہے کہ ایک قوم حافظ قرآن دوزخ میں داخل ہوگی جس سے بھلا دے گا اللہ تعالیٰ ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، پھر یاد دلائیں گے ان کو جبرئیل علیہ السلام، جب یاد کریں گے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آگ بجھ جائے گی اور ہٹ جائے گی۔ انتھےٰ۔

حضرت ﷺ کے ہمنام کی نجات:

قولہ: اور سمی حضرت ؐ کا دوزخ میں نہ جائے مومنو: مواہب لدنیہ اور شرح زرقانی میں روایت ہے **رويـنـا مـمـا اخرجه الحافظ ابو طاهر السلفى و ابن بكير فى جزئه من طريق حميد الطويل (عن انس بن مالک ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال يوقف عبدان بين يدى الله تعالىٰ فيأمر الله بهماالى الجنة ، فيقولان : ربنابما استاهلنا الجنة و لم نعمل عملاً يجازينا الجنة ؟ فيقول الله تعالىٰ ادخلاالجنة فانى آليت على نفسى ان لايدخل النارمن اسمه احمد ولامحمد ، وروى ابونعيم عن نبيط بن شريط قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم قال الله تعالىٰ و عزتى و جلالى لاعذبت احداً تسمى باسمک فى النار)**

ترجمہ: روایت ہے انس بن مالک ؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو بندے روبرو اللہ تعالیٰ کے کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا لے جاؤ ان کو جنت کے طرف، وہ عرض کریں گے اے رب کس سبب سے ہم قابل جنت ہوئے حالانکہ کوئی عمل ہم نے ایسا نہیں کیا جس کا بدلا جنت ہو، ارشاد ہوگا جاؤ جنت میں میں نے قسم کھائی ہے اپنی ذات کی کہ دوزخ میں داخل نہ ہو وہ شخص جس کا نام احمد یا محمد ہو۔ اور نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت وجلال کی قسم کھائی ہے کہ نہ عذاب کرے گا دوزخ میں اس شخص کو جو آپ کے نام کے ساتھ موسوم ہو۔

ہر چند ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ فضیلت تسمیہ کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب موضوع ہیں مگر علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ قول قابل اعتبار نہیں البتہ بعض حفاظ نے جو لکھا ہے کہ کوئی حدیث اس باب میں صحیح نہیں، یہ بات اور ہے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ کتب اصول حدیث میں مصرح ہے اور ایسی حدیث کیونکر موضوع ہوسکتی ہے جس کو اکابر محدثین مثل حاکم اور بزار، ابن عدی، ابومنصور، ابوسعید، ابویعلی، طرایطنی، ابن جوزی، سلفی، ابونعیم، خرائطی، ابن بکیر وغیرہ نے موقوفاً ومرفوعاً روایت کیا ہے۔ **ھکذا افاد الزرقانی فی شرح المواھب**۔ اور احادیث موقوفہ بھی یہاں حکم میں مرفوع کے ہیں اس لئے کہ صحابہ ایسے امور اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے جیسا کہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔

رہا یہ کہ بعض ملاحدہ وزنادقہ بھی نام مبارک کے ساتھ موسوم ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے فضائل بلکہ جمیع اعمال حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے، مقدم سب سے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور محبت ہے، جب یہیں معاملہ ٹھیک نہ ہوا تو سوائے جہنم کے پھر کہیں ٹھکانا نہیں۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر عظمت ملحوظ ہے کہ توہین حضرتؐ کے نام کی بھی حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر:

قولہ: بوالبشرؑ نے کی وصیت الخ: مواہب لدنیہ میں مروی ہے **وروی ابن عساکر عن کعبؓ الاحبار قال اقبل آدمؑ علی ابنه شیثؑ فقال: ای بنی انت خلیفتی من بعدی فخذھابعمارۃ التقوی والعروۃ الوثقی فکلماذکرت اللہ فاذکر الی جنبه اسم محمدؐ، فانی رأیت اسمه مکتوبا علی ساق العرش و انا بین الروح و الطین، ثم انی طفت السمٰوات فلم ار فی السمٰوات موضعا الا رأیت اسم محمدؐ مکتوباعلیه، وان ربی اسکننی الجنة فلم ارفی الجنة قصراً ولا غرفة الاوجدت**

اسم محمدؐ مکتوباً علیه ، ولقد رایت اسم محمدؐ مکتوباعلی نحور الحورالعین و علی ورق قصب آجام الجنة و علی ورق شجرة طوبی و علی ورق سدرة المنتھیٰ و علی اطراف الحجب و بین اُعین الملئٰکة ، فاکثر ذکره فان الملئٰکة من قبل تذکره فی کل ساعاتھا ۔

ترجمہ: روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اے فرزند تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو پس خلافت کو عمارت تقویٰ اور دستگاہ محکم کے ساتھ لو اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اس کے متصل نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے جب میں روح وطین میں تھا پھر تمام آسمانوں میں پھر کر دیکھا کہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا نہ ہو۔ اور میرے رب نے مجھ کو جنت میں رکھا وہاں کوئی محل اور کوئی بالاخانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو اور سینوں پر تمام حوروں کے ، ہر جنت کے تمام درختوں اور شجر طوبےٰ اور سدرة المنتہٰی کے پتوں پر ، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا ہے اس لئے اکثر اُن کا ذکر کیا کرو فرشتے قدیم سے ہر وقت اُن کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ انتہےٰ۔

فائدہ : حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو جو کثرت ذکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت فرمائی اس کا منشا ایک تو یہ ہے کہ جب فرشتے ہمیشہ حضرتؐ کا ذکر کیا کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ نہایت عمدہ عبادت ہوگی اور ایسی عبادت زیادہ کرنا بہتر ہوگا۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسی محبت ہے کسی کے ساتھ نہیں ، ہر چند حضرت ابراہیم بھی خلیل اللہ ہیں مگر حبیب اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ محبت کچھ اور ہی ہے ، چنانچہ خود حضرت خلیل اللہ علیہ السلام معترف ہیں کہ میری خلت اس درجہ کی نہیں۔ **کما فی المواھب و شرحه للزرقانی و لفظ مسلم عن ابی ھریرة و حذیفة قال قال صلی الله علیه و سلم :**

یجمع الله الناس فیقوم المؤمنون حتی تزلف لھم الجنة فیأتون آدم فیقولون یا أبانا استفتح لنا الجنة فیقول وھل اخرجکم من الجنة إلا خطئیة ابیکم آدم لست بصاحب ذلک اذھبوا الی ابنی ابراھیمؑ خلیل الله فیقول ابراھیم لست بصاحب ذلک انما کنت خلیلا من وراء وراء۔ الحدیث

ترجمہ: روایت کی مسلم نے ابوہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرے گا حق تعالیٰ لوگوں کو محشر میں، کھڑے ہوں گے ایمان والے یہاں تک کہ قریب ہوگی ان سے جنت تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آ کر کہیں گے اے پدر بزرگوار ہمارے! کھلوایئے ہمارے لئے جنت، وہ کہیں گے تمہیں جنت سے تمہارے باپ آدم ہی کی خطا نے تو نکالا ہے میں اس کام کا نہیں جاؤ میرے فرزند خلیل اللہ کے پاس۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میں بھی اس کام کا نہیں ہوں میں خلیل صرف دور ہی دور سے تھا۔ انتھی۔

الحاصل آدم علیہ السلام پر یہ امر بخوبی منکشف ہوگیا تھا کہ حق تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت محبت ہے کیونکہ ہر ایک مقام پر نام مبارک کو لکھنا اور فرشتوں سے ہمیشہ ذکر کروانا فرط محبت پر دلیل قطعی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے:

(من احب شیئاً اکثر من ذکرہ) و ھو حدیث مرفوع رواہ ابونعیم والدیلمی عن عائشة رضی الله عنھا، ذکرہ فی المواھب و شرحہ

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اس کو یاد کیا کرتا ہے۔ انتہیٰ۔

اس لئے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کیا کریں۔

اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں، ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ بدولت اس

کے حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے۔ دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مدنظر تھی کیونکہ جب سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ اپنے پیارے فرزند ولی عہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق ہیں ضرور اس کام پر رغبت کریں گے۔ اس پر بھی اگر کسی ناخلف نے پدر مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اپنا نقصان کیا۔ یہ تو ان کا ذکر تھا جو خود نبی مقرب تھے۔ اب اس موقع میں ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اُس کا اہتمام و التزام چاہیئے !! کیونکہ ہمارا تو دین و ایمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ دیکھو خود حضورؐ اقدس کیا فرماتے ہیں:

عن انسؓ قال قال النبی صلی الله علیه و سلم : لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والده وولده والناس أجمعین . رواه الشیخان و اللفظ للبخاری

ترجمہ: فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی تم میں ایماندار نہیں ہوتا ہے جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کے باپ اور بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو

یعنے تمام عالم سے زیادہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو ایمان ہی نہیں۔

حضرت ﷺ کا ذکر باعث محبت و ایمان:

غرض ایمان اگر حاصل کرنا ہو تو حضرتؐ کی محبت حاصل کرنا چاہیئے اور حصول محبت کی مفتاح ذکر ہے، چنانچہ ابن قیم نے **حادی الارواح الی بلاد الافراح** میں لکھا ہے **وقدجعل الله لکل مطلوب مفتاحاو مفتاح الولایة والمحبة الذکر** ۔

یعنے حق تعالیٰ نے ہر ایک مطلب کے لئے ایک کنجی مقرر کی ہے اور کنجی قرب و محبت کی ''ذکر'' ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اگر حاصل کرنا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کرنا چاہیئے تاکہ محبت حضرتؐ کی پیدا ہو اور بدولت اس کے ایمان حاصل ہو۔ اور اگر ایمان ہے یعنے حضرتؐ کی محبت ہے جب تو بمقتضائے ''**من أحب شیئاً اکثر من ذکره**'' خود ذکر ہونے لگے گا۔

حضرت ﷺ جملہ عالم کی پیدائش کے باعث ہیں:

قولہ: شہ لولاہ: اشارہ اس حدیث شریف کی طرف ہے جو مواہب لدنیہ میں ہے وروی انہ لما خرج آدم من الجنة رأی مکتوبا علی ساق العرش و علی کل موضع فی الجنة اسم محمد صلی اللہ علیہ و سلم مقرونا باسم اللہ تعالیٰ فقال: یارب ھذا محمد من ھو؟ فقال اللہ تعالیٰ ھذا ولدک الذی لولاہ ماخلقتک، فقال: یارب بحرمة ھذا الولد ارحم ھذا الوالد، فنودی: یا آدم لوتشفعت الینا بمحمد فی اھل السمٰوات والارض لشفعناک.

ترجمہ جب آدم علیہ السلام جنت سے نکلے دیکھا کہ ساق عرش پر اور جنت میں ہر جگہ نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے، عرض کیا: یارب یہ محمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا (ھذا ولدک لولاہ ماخلقتک) یعنے یہ تمہارے فرزند ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ عرض کیا: یارب بحرمت اس فرزند کے اس والد پر رحم کر! ندا آئی کہ اے آدم اگر تم محمد کے وسیلہ سے کل زمین آسمان والوں کے حق میں سفارش کرتے تو بھی ہم قبول کرتے۔

اوراسی طرح لفظ (لولاہ) اس حدیث شریف میں وارد ہے جس کو روایت کیا امام سیوطیؒ نے درمنثور میں تفسیر آیۂ شریفہ فتلقیٰ اٰدم من ربہ کلمٰت کے تحت میں کما قال: اخرج الطبرانی فی المعجم الصغیر و الحاکم و ابونعیم و البیھقی کلاھما فی الدلائل و ابن عساکر عن عمرؓ بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: لما اذنب اٰدم الذنب الذی اذنب رفع رأسہ الی العرش فقال: أسألک بحق محمد ألاغفرت لی! فأوحی اللہ الیہ و من محمد؟ فقال: لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشک فاذا فیہ مکتوب "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" فعلمت انہ لیس احد اعظم عندک قدرا ممن جعلت اسمہ مع اسمک، فاوحی اللہ الیہ: یا اٰدم انہ

اٰخرالنبیین من ذریتک ولولاہ ماخلقتک .

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدم علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تو عرش کی طرف سر اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بخش دے، ان پر وحی ہوئی کہ محمد کون؟ عرض کیا الٰہی جب پیدا کیا تو نے مجھ کو تو میں نے عرش کے طرف سر اٹھا کر دیکھا تو لکھا ہوا ہے ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ کسی شخص کا مرتبہ تیرے پاس نہ ہوگا۔ وحی آئی کہ اے آدم وہ نبیوں سے آخر ہوں گے تمہاری اولاد میں (**ولولاہ ماخلقتک**) یعنے اگر نہ ہوتے وہ تو نہ پیدا کرتا میں تم کو۔ انتہیٰ۔

ابن جوزیؒ نے بھی کتاب الوفا بفضائل المصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

فائدہ: اکثر احادیث میں بظاہر اختلاف ہوا کرتا ہے کہ جس کی توفیق ہر شخص سے ہو نہیں سکتی۔ ایسے مواقع میں یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ دونوں حدیثوں میں کچھ ضعف آجاتا ہو بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک حدیث کو دوسری حدیث سے تعداد کی وجہ سے قوت پیدا ہوجاتی ہے اس لئے کہ ہر ایک حدیث نفس واقعہ کی صداقت پر گویا دوسری حدیث کی گواہ ہوتی ہے، ہاں جن امور زائدہ میں تعارض ہے ان میں شک پیدا ہوگا نہ کہ نفس واقعہ میں۔ دیکھ لو احادیث معراج جو صحیحین وغیرہ میں وارد ہیں اس سے ترتیب مقامات انبیاء علیہم السلام میں کس قدر اختلاف ظاہر ہے پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس وجہ سے وہ سب احادیث ضعیف ہوگئے ہوں، بلکہ محدثین حتی الامکان اس قسم کی احادیث میں توفیق دیدیتے ہیں اور کبھی منشاء اختلاف کا یہ بھی ہوتا ہے کہ راوی کو ہر چند اصل واقعہ تو یاد ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ بسبب تمادی ایام کے تقدیم یا تاخیر اوقات وغیرہ پورے طور پر یاد نہ رہنے کی وجہ سے اپنے ظن غالب پر بیان کردیا ہو، چنانچہ ان دونوں حدیثوں میں یہی صورت معلوم ہوتی ہے۔

الحاصل ان دونوں حدیثوں سے مخاطبہ حق تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے باب میں ثابت ہے کیونکہ ابھی حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے

نام مبارک سے رفع وحشت:

قولہ : وحشت آدمؑ گئی نام شہ لولاک سے: كمافى المواهب روالزرقانى (واخرج ابونعيم فى الحلية عن ابى هريرةؓ رفعه لمانزل آدم عليه السلام بالهند استوحش فنزل جبريل عليه السلام فنادى بالأذان الله اكبر الله اكبر مرتين اشهد ان لااله الا الله مرتين اشهدان محمدا رسول الله مرتين ـ الحديث) ورواه ايضاً الحاكم و ابن عساكر و قد روى الديلمى عن على رانى رسول الله صلى الله عليه و سلم حزيناً فقال : يا ابن ابى طالب مالى اراك حزيناً ، فمر بعض اهلك يؤذن فى اذنك فانه دواء للهم فجربته فوجدته كذلك ، و قال كل من رواته : جربته فوجد ته كذلك ـ

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آدم علیہ السلام ہند میں اترے ان کو وحشت ہوئی اس وقت جبریل علیہ السلام اترے اور اذان کہی اس طور سے اللہ اکبر اللہ اکبر دو بار اشہدان لا الہ الا اللہ دو بار اشہدان محمدا رسول اللہ دو بار آخر حدیث تک (مقصود یہ کہ بدولت اس اذان کے وحشت جاتی رہی) اور علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حزین و غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب تم کو میں غمگین پاتا ہوں ، کسی سے کہو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے وہ غم کی دوا ہے ، علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو آزمایا فی الحقیقت اس سے حزن جاتا رہا اور اس حدیث کے جتنے راوی ہیں سبھوں نے ایسا ہی کہا کہ ہم نے بھی اس کو آزمایا ہے واقعی یہی تاثیر پائی ۔ انتھےٰ ۔

نکتہ : وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے تو جتنے خیالات وحشت انگیز

ہوں سب محو ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ جب انسان کو کسی کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہو اور اس کو یاد کرے تو دل اسی کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے جس سے خیال ان امور کا جو وحشت انگیز ہوں باقی نہیں رہتا یعنے کیفیت جدیدہ دل میں متمکن ہونے کی وجہ سے کیفیت سابقہ محو ہو جاتی ہے، جب یہ تاثیر ہر محبوب کے یاد کرنے میں عموماً ٹھہری تو محبوب رب العالمین کے یاد کرنے میں کس قدر تاثیر ہونا چاہیئے! جب بحسب عقیدۂ اہل اسلام کسی کیفیت قلبی وغیرہ کا وجود بے تخلیق خالق ممکن نہیں۔ سو جیسے حق تعالیٰ نے ہر محبوب کے یاد کرنے میں تاثیر رکھی ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اگر خاص طور پر وہ تاثیر رکھی ہو تو کیا عجب! البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ہوگا کہ وہاں تذکّر کے بعد ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے کیفیت سابقہ محو ہو جائے۔ اور یہاں توسط کیفیت جدیدہ کی ضرورت نہیں، مگر چونکہ تاثیرات اشیاء من جانب اللہ ہیں، اثر آخری دونوں کا ایک طور پر ہوا۔ جیسے طب یونانی ومصری یا ڈاکٹری کہ کسی میں علاج بالضد ہے اور کسی میں بالموافق۔ ہر چند کیفیات درمیانی متغایر ہوں مگر انجام دونوں کا جو ازالۂ مرض ہے ایک ہے۔

الحاصل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت واندوہ کو دفع کرے۔ میں یقین سمجھتا ہوں کہ یہاں باریک ونازک اسرار ہوں گے، جس کو اہل مذاق جانتے ہوں گے۔ اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ ادھر شان رحمتہ للعالمینی جلوہ گر ہے کہ نام سے آثار رحمت ہویدا ہیں۔ اور ادھر عظمت شان غیوری آمادہ قہر ہے کہ جب عموماً محبوبوں کے ذکر میں وہ تاثیر ہو، کیا معنی کہ محبوب رب العالمین کے ذکر میں وہ اثر نہ ہو! دلوں پر جبر ہے کہ بخرق عادت بلا توسط کیفیت جدیدہ وحشت واندوہ دفع ہوا کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھ لینا چاہیئے کہ اگر کسی بداعتقاد قسی القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو، تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں کچھ فرق ہے۔ بلکہ وہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ محل میں صلاحیت نہیں۔ جیسے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہ ہو، دوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی۔ علیٰ ہذا القیاس اورادِ اَدعیہ وسور قرانی

باوجود قطعیت تاثیر کے اسی وجہ سے کبھی اثر نہیں بھی کرتے ہیں ۔

فائدہ: اگر کوئی یہاں یہ سوال کرے کہ حدیث شریف سے تو مجموع اذان کی تاثیر ثابت ہوتی ہے اور اس میں کئی امور مذکور ہیں خاص حضرتؐ کے نام کی تاثیر کہاں سے ثابت ہوئی ؟اس کا جواب یہ ہے کہ اذان میں تین چیزوں کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور نماز کی دعوت ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس اذان سے دعوت نماز مقصود نہیں ورنہ علی کرم اللہ وجہہ کو کان میں اذان کہلوانے کا ارشاد کیوں ہوتا ۔ فرما دیتے کہ اذان وقتیہ سن لو ۔ اب رہا خدائے تعالیٰ کا ذکر سو اس میں کچھ شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نام پاک میں ہر قسم کی تاثیرات ہیں، اس کا انکار کون کر سکے ۔ مگر یہ بھی تو ہے کہ موثر حقیقی وہی ہے، اور وہ مختار ہے چاہے تاثیر کسی شئے کی کسی وقت ظاہر کرے چاہے نہ کرے ۔ چنانچہ آدم علیہ السلام جب سے کہ اپنے مقام سے جدا ہوئے، کیا ہوسکتا ہے کہ اس محل وحشت اندوہ میں سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کا ذکر انہوں نے کیا ہوگا، پھر باوجود اس کے نام پاک کی تاثیر ظاہر نہ فرمائی کیونکہ مقصود کچھ اور تھا، پھر جب وحشت کو ان کی دفع کرنا منظور ہوا جبریل علیہ السلام بھیجے گئے کہ اذان کہیں جس میں نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا، اب ذرا غور کیا جائے کہ ایسے موقع میں آدم علیہ السلام نے کیا خیال کیا ہوگا ۔ یہی وجہ تھی کہ جب نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یاد دلا دیا گیا تمامی خصوصیات حضرتؐ کے جو وہ دیکھ چکے تھے سب آنکھوں کے سامنے ہوگئے اور کہنے لگے الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بخشدے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمامی اذان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا ذکر مقصود تھا ۔ جس کی تاثیر ظاہر ہوئی اور اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے قیامت میں بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے صرف تصدیق رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقصود ہوگی **كمافي المواهب و شرحه (واخرجه) اى حديث ابى هريرة المذكور (الطبرانى و الحاكم بلفظ) قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (تحشر الانبياء على الدواب و أبعث على البراق و يبعث بلال على**

ناقة من نوق الجنة ینادی بالأذان محضاً و بالشھادة حقاً حتی اذا قال اشھد ان محمداًرسول الله شھد له المؤمنون من الاولین و الاٰخرین)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء کا حشر سواریوں پر ہوگا اور سوار ہوں گا میں براق پر اور بلال ناقۂ جنت پر ہوں گے اور اذان خالص کہیں گے اور سچی گواہی دیں گے جب اشہدان محمداًرسول اللہ کہیں گے تو سب اگلے پچھلے اہل ایمان اس کی گواہی دیں گے۔ انتھےٰ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ نہ محشر میں نماز کی دعوت مقصود ہے نہ شہادت توحید کیونکہ وہاں تو کفار بھی موحد ہوجائیں گے مقصود یہ کہ مجموع اذان سے دونوں صورتوں میں ایک ہی چیز مقصود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں جو رفع وحشت واندوہ کی تاثیر ہے بنظر نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور وحشت آدم علیہ السلام کی اسی سے زائل ہوئی، وھوالمطلوب۔

حدیث لولاک کے معنی اور حکم:

قولہ: شہ لولاک: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار** اور سلمان فارسیؓ سے **لولاک ماخلقت الدنیا** مروی ہے چنانچہ دوسری اور چوتھی تسدیس میں دونوں روایتیں مذکور ہوئیں۔

فائدہ یہاں معلوم کرنا چاہئے کہ آج کل جوغل مچ رہا ہے کہ **لولاک لماخلقت الافلاک** حدیث موضوع ہے یہ تسلیم بھی کیا جاوے تو اہل جرح کو اس سے فائدہ کیا! زمین، دریا، جنت دوزخ، ثواب عقاب، جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار، بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئی تو افلاک کیا چیز ہیں! دیکھ لو جنت دوزخ بدولت حضرتؐ کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم، دیلمی، سبکی، بلقینی نے روایت کیا ہے۔ اور زمین و دریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور غرفی نے اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے، اور ثواب وعقاب کی حدیث کو ابن سبع وغرفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی، حاکم بیہقی، ابن عساکر، ابونعیم،

ابوالشیخ، بلقینی، سبکی نے، چنانچہ دوسری اور چوتھی تسدیس میں ان احادیث کا ذکر ہو چکا۔ اور خصائص کبری میں امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے: **اخرج الحاکم والبیھقی و الطبرانی فی الصغیر وابونعیم وابن عساکر عن عمرؓ بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : لما اقترف آدمؑ الخطیئة قال : یارب أسالک بحق محمدؐ لما غفرت لی ، قال: کیف عرفت محمدًاؐ ؟ قال : لأنک لما خلقتنی بیدک و نفخت فیّ من روحک رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوب ”لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک ، قال : صدقت یا آدم ولولامحمدؐ ماخلقتک ۔**

ترجمہ: روایت کیا حاکم اور بیہقی اور طبرانی نے صغیر میں اور ابونعیم اور ابن عساکر نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدم علیہ السلام مرتکب خطا ہوئے عرض کی یارب بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، ارشاد ہوا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ عرض کیا جب تو نے مجھے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے سر اٹھایا جو دیکھا تو عرش کے ہر پایہ پر ”لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ“ لکھا ہوا ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام تو نے ملایا ہوگا جو محبوب ترین خلق تیرے پاس ہے، ارشاد ہوا: اے آدمؑ تم سچ کہتے ہو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو نہ پیدا کرتا۔ انتہیٰ۔

الحاصل ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ اب کہیئے افلاک اس سے کہاں نکل سکیں گے۔ بلکہ خود افلاک کا نام بھی صراحۃً علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں آچکا ہے جو دوسری تسدیس میں مذکور ہے۔ اب باقی رہی یہ بات کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موضوع ہے، سو یہ بحث علمی ہے۔ اعتراض کرنے والے سب ایسے نہیں ہیں کہ ابحاث علمیہ سے واقف ہوں بلکہ اکثر تو ایسے ہوں گے کہ لفظ حدیث کے معنی تک نہ جانتے ہوں

گے ، ایسے لوگوں کا ایسے موقع میں مقصود کچھ اور ہی ہوتا ہے ، خیر الغیب عنداللہ ۔ ابن جوزی نے تو اس حدیث کو موضوعات کی کتاب الفضائل میں ذکر نہیں کیا ، باوجود یکہ کمال تشدد ان کا ظاہر ہے کہ اکثر احادیث ضعیفہ کو بھی داخل موضوعات کر دیا ہے ۔ ہاں ملا علی قاری نے موضوعات الحدیث میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ صغانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ معنے اس کے صحیح ہیں کیونکہ دیلمی کی روایت میں **لو لاک ماخلقت الجنة ولو لاک ماخلقت النار** اور ابن عساکر کی روایت میں **لو لاک ماخلقت الدنیا** وارد ہے ۔ انتھٰے ۔ الحاصل حدیث لولاک صحیح ہے گو الفاظ میں کسی قدر فرق ہو پس اطلاق شہ لولاک میں کچھ کلام نہیں ۔ وھو المقصود ۔

حضرت ﷺ کے نام مبارک سے مردہ کا زندہ ہونا:

قولہ: مردے زندہ ہوگئے تاثیر نام پاک سے ☆ مواہب لدنیہ میں ہے: **وعن انسؓ ان شاباً من الانصار توفی وله ام عجوز عمیاء فسجّیناه وعزیناها ، فقالت : مات ابنی ؟ قلنا : نعم ، فقالت : اللهم ان کنت تعلم انی هاجرت الیک والی نبیکؐ رجاء ان تعیننی علی کل شدة فلاتحملنّ علیّ هذه المصیبة ! فمابرحنا ان کشف الثوب عن وجهه فطعم و طعمنا. رواه ابن عدی و ابن ابی الدنیا و البیهقی و ابونعیم ۔**

ترجمہ: روایت ہے انسؓ سے کہ کسی انصاری کا انتقال ہوا جو جوان تھے اور ان کی ماں بڑھیا نابینا تھی ، ہم نے ان پر کپڑا اڑھا دیا اور اس بڑھیا کی تعزیت کی ، اس نے پوچھا کیا میرا لڑکا مر گیا ؟ ہم نے کہا ہاں ، وہ یہ دعا کرنے لگی کہ یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے اور تیرے رسولؐ کے طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ مدد کرے گا تو میری ہر سختی میں ، تو یہ مصیبت مجھ پر مت ڈال ۔ انسؓ کہتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ سے ہٹے نہ تھے کہ اس جوان انصاری نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا اور ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھایا ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت تک وہ زندہ رہے کہ ان کی ماں کا انتقال ان کے روبرو ہوا ، روایت کیا اس کو ابن عدی و ابن ابی الدینا اور بیہقی اور ابونعیم نے ۔ انتھیٰ ۔

سبحان اللہ! کیا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا اُن بی بی کے دل میں متمکن تھا کہ بغیر سوچنے کے ویسی نازک حالت میں زبان پر آ گیا، اور کیسا اعتقاد کامل تھا کہ شک کو کچھ موقع ہی نہ ملا۔ خوب ذہن نشین تھا کہ جب سب گھربار چھوڑ کے حضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرتؐ کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو، جب اس ذریعہ سے دعا کی جائے گی اگر موت بھی ہو تو ٹل جائے گی۔ پھر جب ایسی عقیدت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں وہ دعا پہنچی جس میں نام مبارک حضرتؐ شریک تھا تو یہ اس کا قبول ہونا کیا عجب! کیونکہ ابتدائے نشاء عنصری انسانی میں یہ سنت اللہ جاری ہو چکی ہے کہ بہ برکت نام مبارک دعا قبول ہوا کرے۔

اب یہاں یہ بحث باقی رہی کہ تاثیر احیاء ہجرت میں تھی یا نیت میں یا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یا مجموع میں؟ اور اگر مجموع میں ہو تو جزو اعظم کون ہے؟ چونکہ یہ بحث مسئلہ تاثیر اذان کے مشابہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا، اس لئے بخوف تطویل ناظرین کی طبع رسا اور وجدان سلیم پر حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ الحاصل بعد غور کے معلوم ہو سکتا ہے کہ تاثیر نام پاک کی تھی کہ مردہ زندہ ہو گیا۔

(۵)

حضرت آدمؑ نے اس فرزند سے یہ بھی کہا میں تفرج کے لئے جب آسمانوں پر گیا
دیکھا ذکر احمدیؐ میں ہر ملک مصروف تھا اور ہر اک پتے پہ جنت کے ہے نام ان کا لکھا
سینے حوروں کے ملائک کی جبینیں تا بعرش
ہر جگہ اس نام کا ہے عالم علوی میں نقش

عالم علوی میں ہر جگہ نام مبارک کا نقش

قولہ: حضرت آدمؑ نے اس فرزند سے یہ بھی کہا الخ: تسدیس ثالث میں کعب احبار کی روایت مذکور ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں کہاں لکھا ہوا ہے، آسمانوں پر ہر جگہ، جنت کے در و دیوار پر، حوروں کے سینوں پر، سدرۃ المنتہٰی، طوبیٰ اور اشجار جنت کے پتے پتے پر، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں اور یہ بھی مذکور ہوا کہ فرشتے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں مصروف ہیں اور سوائے اس کے اور روایت مرفوعہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے خصائص کبری میں ذکر کیا ہے:

اخرج ابو نعیم فی الحلیة عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مافی الجنة شجرة علیها ورقة الامکتوب لااله الا الله محمد رسول الله

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی درخت جنت میں ایسا نہیں جس کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا ہو۔

اور امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں بسند متصل روایت کیا ہے: **عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لما عرج بی رأیتُ علی ساق العرش مکتوبا لااله الله محمد رسول الله، ابوبکر الصدیق، و عمر الفاروق۔**

ترجمہ: روایت ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج میں نے عرش کی ساق پر دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ ابوبکر صدیقؓ وعمرؓ فاروق لکھا ہے۔

اسی طرح خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے: **اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن انسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: لما عرج بی رأیت علی ساق العرش مکتوبا لااله الا الله محمدؐ رسول الله ایدته بعلی۔**

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج عرش کی ساق پر میں نے لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی یعنی تائید دی میں نے ان کو علیؓ سے۔ انتھےٰ۔

اور خصائص کبریٰ میں یہ روایت بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کعبؓ احبار سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن فضائل کی ہمیں خبر دو جو قبل ولادت شریف ظہور میں آئے۔ کہا میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ ابراہیم خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ایک پتھر پایا تھا جس پر چار سطریں لکھی تھیں پہلی سطر **انا الله لااله الا انافاعبدونی**۔ دوسری سطر **انی انا الله لااله الا انا ، محمد رسولی طوبی لمن آمن به واتبعه.** الحدیث۔

اور اس کے سوا خصائص کبریٰ اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں بہت روایتیں مذکور ہیں کہ اکثر بلاد میں اشجار واحجار پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا اکثر لوگوں نے دیکھا ہے اور جابرؓ سے روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی مہر کا نقش یہ تھا: **لااله الا الله محمدؐ رسول الله** ، اگرچہ ابن جوزیؒ نے اس روایت کو موضوع کہا ہے مگر امام سیوطیؒ نے تعقبات میں لکھا ہے کہ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت وارد ہے جس کی تخریج طبرانی نے کی ہے۔

الحاصل جو شخص یہ بات جان لے کہ حق تعالیٰ نے پہلے پہل جب کتابت کو ایجاد فرمایا سب سے پہلے نام پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے نام کے ساتھ لکھا۔ پھر اس کو اس قسم کی کسی بات میں شک نہ ہوگا بلکہ یہ سمجھ جائے گا کہ یہ چند مواقع کیا اگر سارا عالم نام آوری پر آنحضرت کے گواہی دے تو کوئی بڑی بات نہیں !،

فردوس دیلمی میں روایت ہے: **اول شی خط الله عزوجل فی الکتاب الاول انی انا الله لااله الاانا سبقت رحمتی غضبی فمن شهدان لااله الا الله وان محمداً عبده ورسوله فله الجنة (عبدالله بن عباس) .**

یعنے روایت ہے عبدؓاللہ بن عباسؓ سے کہ پہلی بات جو اللہ تعالیٰ نے پہلی کتاب میں لکھی یہ ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں میری رحمت میرے غصہ سے بڑھی ہوئی ہے پھر جو شخص گواہی دے کہ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول

ہیں اس کے واسطے جنت ہے۔۔

آنحضرتؐ کے اوصاف وفضائل کسبی نہیں

الحاصل ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو قدر ومنزلت اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ شمار وحساب نہیں۔اب یہ معلوم نہیں کہ منشا اورسبب اس کا کیا ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسولوں کے بعد ادا کرنے فرض منصبی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تحسین ہوتے۔اس کے کیا معنی کہ ہنوز عالم کا نام تک کسی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسان غیب سے آپ کی نام آوری کے ہر طرف چرچے ہورہے ہیں۔آدمؑ نے جب عدم سے آنکھ کھولی پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی آپؐ ہی کا نام گرامی تھا، جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتا نہیں اور ہر فرشتہ ذکر میں آپ کے رطب اللسان اور بزبان حال نغمہ سرا ہے کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''، ایک طرف انبیائےؑ اولوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں، کوئی آرزو امتی ہونے کی کررہا ہے اور کوئی ان کا توسل کر کے حق تعالیٰ سے مرادیں مانگ رہا ہے۔معلوم نہیں کونسی جانفشانی آپ کی قبل وجود حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی تھی کہ اس قدر، قدر افزائی ہوئی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائےؑ سابق زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔معاذ اللہ یہاں عبودیت وعبادت کو کیا دخل۔ یہ ایک خاص فضیلت ہے جس کا وجود قبل تخلیق عالم ہو چکا ہے۔﴿**ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم** o﴾

اب اگر بالفرض کوئی، تمام ملائک وجن وانس وغیرہ کی عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کرسکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟! نعوذ باللہ من ذلک یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا، خالق عالم جل شانہ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرچکا، ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔شمہ یہ ہے کہ جنت کی

کنجیاں حضرتؐ ہی کے ہاتھ میں ہوں گی اور سلطنت جنت کی حضرتؐ ہی کو مسلم ہے، پھر یہ خیال کہ ''کسی دوسرے کو بھی حضرتؐ کی سی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے'' اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں۔ کیونکہ یہاں تو انحصار ازل و ابد کا ہوگیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حکایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو درکنار، خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت وفضیلت ذاتی میں حضرتؐ کے ساتھ کسی قسم کی تساوی ڈھونڈے۔ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔

کوئی دوسرا شخص خاتم النبیین نہیں ہوسکتا

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرا شخص خاتم النبیین ہونا محال ہے۔ پھر بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرا خاتم النبیین ہونا محال وممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہوسکتی، کیونکہ امکان ذاتی اور امتناع لغیرہ میں کچھ منافات نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آسکتا۔ اور موضوع لہ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہوسکتا۔ پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ اور کلیت مفہومی جو وضع سے قطع نظر کرنے میں معلوم ہوتی ہے بسبب وضع کے جاتی رہی۔ جیسا کہ عبداللہ جب کسی شخص کے لئے وضع کیا جاتا ہے جزئی حقیقی ہوجاتا ہے۔ اور مفہوم کلی اس لفظ کا اس کی جزئیت میں کچھ فرق نہیں لاتا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ مثال بھی پورے طور پر یہاں تائید نہیں دیتی۔ اس لئے کہ عبداللہ عین وقت وضع میں برابر دوسروں پر کہا جاتا ہے۔ بخلاف لفظ خاتم النبیین کے جب سے واضع نے اس کو وضع کیا ہے کبھی دوسرے پر اس کا اطلاق کیا ہی نہیں اور نہ اطلاق اس کا سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صحیح ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ختم انتہا کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انتہاء متجزی نہیں ہوسکتی تاکہ دو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہوں۔ پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل ایک ذات کے اتصاف کو مان لیا اس کے نزدیک محال ہوگیا کہ دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف

ہو سکے۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق قولہ تعالیٰ **ما یبدل القول لدی** کے جب ابدالآ باد یہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ٹھہرا، تو جزئیت اس مفہوم کی ابدالآ باد کے لئے ہوگئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلا شک قدیم ہے الحاصل اس مفہوم کی جزئیت میں کوئی شک نہیں، اور یہ بات عبداللہ میں نہیں۔

اب اس دعویٰ کا قضیہ بنائے کہ (غیرہ علیہ السلام خاتم النبیین بالامکان) بادنیٰ تامل ثابت ہوجائے گا کہ یہ قضیہ بحمل صحیح منعقد ہی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ حمل جزئی حقیقی کا کلی پر صحیح نہیں۔ اور اگر بنظر اہمال موضوع کے جزئی سمجھا جائے پھر خواہ وہ معین ہو خواہ غیر معین غیر موضوع لہ محمول کا ہوگا۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ محمول جزئی حقیقی ہوتو اس کا حمل دوسری جزئی پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جیسا (زید عمرو) درست نہیں۔ اور حمل مذکور کے عدم جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر درست نہیں۔ جیسے (الحمار کاتب) یا (غیر آدم علیہ السلام ابوالبشر) یا (زید ابوزید) یعنے زید اپنا آپ باپ ہے مثال آخری ممثل لہ پر اس وجہ سے منطبق ہے کہ عمرو مثلاً زید کا باپ ہے تو یہ صفت اس کا خاصہ ہوگی۔ پھر یہ صفت اگر غیر عمرو پر اطلاق کی جائے تو اس امر میں کہ موضوع غیر ذی الخاصہ ہے زید اور بکر دونوں برابر ہوں گے پس اطلاق ابوزید خاصہ کا اگر بکر پر صحیح ہوتو چاہئے کہ اس کی جہت سے زید پر بھی صحیح ہو کیونکہ غیر ذی الخاصہ ہونے میں دونوں برابر ہیں **واللازم باطل فالملزوم مثلہ**۔ اور قطع نظر اس کے یہ تو ظاہر ہے کہ زید کا پدر حقیقی جب عمرو ہوتو یہ صفت دوسرے پر کیوں کر صادق آسکے۔

الحاصل خاصہ ایک شئے کا دوسرے پر صادق نہیں آسکتا۔ ورنہ وہ خاصہ خاصہ نہ ہوگا۔ **وھو خلف**۔ لم اس کا یہ ہے کہ محمول کو چاہئے کہ ذاتی موضوع کا ہو یا عرضی۔ اور حمل وہی صادق آتا ہے جہاں مبدا محمول کا ذاتی موضوع کا ہو۔ جیسے (الانسان ناطق) یا صفت منضمہ ہو جیسے (زید کاتب) یا منتزعہ ہو خواہ بالاضافت جیسے **السماء فوقنا** یا بلا اضافت جیسے **الاربعة زوج** پھر جب مبدأ محمول

کا خاصہ کسی دوسری چیز کا ہوتو غیر ذی الخاصہ کی نہ ذاتی ہو سکے گا نہ وصف منضمہ نہ منتزعہ۔ اس سبب سے خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر صحیح نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کا حمل غیر آنحضرت ﷺ پر صحیح نہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نسبت حکمیہ وقت حمل پیدا ہوتی ہے۔ پھر حمل ہی نہیں تو نسبت حکمیہ کہاں۔ اور جب نسبت ہی کا پتا نہ ہوتو جہت امکان کیوں کر ثابت ہو سکے۔ اس لئے کہ جہت تو نسبت کی کیفیت کا نام ہے تو ضرور ہوا کہ ثبوت کیفیت کے پہلے ثبوت نسبت ہو کیوں کہ **ثبوت الشیئ للشیئ فرع ثبوت مثبت لہ** ہے۔ یا یوں کہئے کہ **ثبت العرش ثم النقش** الحاصل اس سے معلوم ہوا کہ قضیہ مذکورہ غلط ہے۔ اور سنئے محمول قضیہ کا جو جزئی حقیقی ہے اگر دوسری چیز پر حمل کیا جائے تو سلب الشیئ عن نفسہ لازم آئے گا۔ دیکھو اس حمل کی نظیر بعینہ (زید عمرو) ہے سو جب تک زید سے زیدیت یا عمرو سے عمرویت مسلوب نہ ہو عمرویت زید میں قائم نہیں ہوسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ **سلب الشیئ عن نفسہ** محال ہے۔ پھر یہ محال جو لازم آرہا ہے وقت حمل ہے یعنی ہنوز نسبت ہی کا وجود نہیں ہوا کہ محال لازم آ گیا تا بہ امکان چہ رسد۔ اور علی سبیل التنز ل اگر مساوق بھی ہوتب بھی امکان کو محل نہ ملا۔ اس تقریر سے بھی یہی ثابت ہے کہ وہ قضیہ باطل ہے۔ کیونکہ مستلزم محال محال ہوا کرتا ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ یہ بھی منجملہ وجوہ امتناع لغیرہ ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے امکان ذاتی کا وجود باطل ہو گیا اگر اس بطلان کو بھی منجملہ وجوہ امتناع لغیرہ کے تصور کرلیں تو امتناع کا پلہ خوب ہی بھاری ہو جائے گا جس میں بطلان ذاتی یعنے امتناع ذاتی بھی شریک ہوگا۔ سو وہ دعویٰ امکان ذاتی کا کہاں رہا۔ اور اس دعویٰ کا ابطال اس تقریر سے بھی ہوسکتا ہے کہ مفہوم خاتم النبیین کا اگرچہ کلی ہے مگر کلیت اس کی ایسی نہیں جیسے انسان وغیرہ کی ہے اس لئے کہ انسان کے افراد کثیرہ ہونے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی بلکہ موجود ہیں، بخلاف خاتم النبیین کے کہ اس کے معنی میں کثرت صادق آ ہی نہیں سکتی جیسے مرکز یا اول یا آخر یا مبدا۔ حال مرکز کا سنئے کہ مرکز اس نقطہ کو کہتے ہیں کہ جتنے خطوط اس سے نکل کر محیط تک پہنچیں سب آپس میں برابر ہوں۔

وہ خطوط نصف قطر دائرہ ہوں گے جن کے ملتقی کا نام مرکز ہے۔ پھر اگر ان خطوط کی ابتداء محیط دائرہ سے لی جائے تو مرکز منتہیٰ ان خطوط کا ہوگا اور اگر مرکز سے لی جائے تو وہ مبدا ان کا ہوگا۔ بہرحال خواہ وہ مبدا ہو یا منتہیٰ مرکز ایک نقطہ معین ہوگا جس کا فرض کرنا ہر جگہ مثل اور نقطوں کے ممکن نہیں۔ اور اسی نقطہ میں یہ صفت قائم ہوگی کہ مبدا یا منتہیٰ ان تمام خطوط کا ہے جو نصف قطر دائرہ ہوسکیں۔ اب اگر سوائے اس نقطہ معینہ کے دوسرا نقطہ فرض کریں اور کہیں کہ ممکن ہے کہ وہ بھی مرکز اس دائرہ کا ہو تو یہ فرض محال ہوگا اس لئے کہ وہ صفت مختصہ (یعنے منتہیٰ ان خطوط کا ہونا) دوسرے میں قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ دوسرا نقطہ اس دائرہ میں جس جگہ فرض کیا جاوے اصلی مرکز سے ہٹ کر ایک نصف قطر پر ہوگا تو جملہ خطوط مذکورہ کا مبدا یا منتہیٰ ہونا تو درکنار خود اس خط کا مبدا یا منتہیٰ نہیں ہوسکتا جس پر وہ واقع ہے اس لئے کہ آخر وہ خط بھی نصف قطر ہے اور ہر نصف قطر کا مبدا مرکز حقیقی ہونا لازم ہے ورنہ خط نصف قطر نہ ہوگا الحاصل مصداق مرکز کا اگر دوسرا فرض کیا جائے تو انسلاخ الشئ عن لوازمہ بل عن ذاتہ لازم آ جائے گا اور یہ محال لذاتہ ہے۔ اب اس دائرہ کے کسی نقطہ میں صلاحیت اور امکان نہیں کہ مرکز اور منتہیٰ ان خطوط کا بن سکے۔ یہاں تک کہ اگر خود واضع اس دائرہ کا چاہے کہ کسی دوسرے نقطہ کو اس دائرہ کا مرکز قرار دے تو نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی میں صلاحیت ہی نہیں، ہاں وقت دائرہ کھینچنے کے ممکن تھا کہ جس نقطہ کو چاہتا مرکز بنا دیتا لیکن جب اس نقطہ کو معین کر چکا تو سب نقاط موجودہ وغیر موجودہ کو اس دائرہ کے مایوسی کلی حاصل ہوگئے کہ اب کوئی مرکز نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ مرکز کوئی شئے موجود فی الخارج نہیں وجود اس کا صرف علم میں ہے کیونکہ مرکز بھی ایک نقطہ ہے اور ماہیت نقطہ کی یہی ہے کہ طرف خط ہو اور ظاہر ہے کہ خود خط بالفعل موجود نہیں ورنہ ترکب سطح کا خطوط سے لازم آئے گا جو باطل ہے۔ پھر جب خط ہی کا وجود نہیں تو مرکز جو طرف اس کا ہے کہاں۔ مگر باوجود اس کے مرکز ایک معین شئے ہے اس لئے اس دائرہ یا کرہ پر اطلاق دائرہ کا جب ہی ہوگا کہ نسبت محیط کی مرکز کے ساتھ ہر جہت میں برابر ہو اور اگر مرکز ہی نہ ہو جو احد

المتشبین ہے تو نسبت کیسی ۔ پھر جب سے کہ مرکز معین ہوا وہ صفت مختصہ اس کی یعنے (منتہیٰ جمیع خطوط مذکورہ کا ہونا) بھی اس پر صادق آ رہی ہے ۔ ہر چند یہ صفت بھی کلی ہے، مگر کلیت اس کی بھی مثل کلیت مرکز کے ہے کہ قبل تعین مصداق کے علی سبیل البدلیت مصادیق اس کے بہت سے ہو سکتے ہیں اور جب مصداق معین ہو گیا اب احتمال کثرت کا جاتا رہا۔ پس یہ صفت اگر چہ کہ علم مرکز کا نہیں مگر اختصاص میں اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ عندالاطلاق سوائے اس مرکز کے جو جزئی حقیقی ہے دوسرے کے طرف ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح خاتم النبیین کا مفہوم کہ عندالاطلاق سوائے اس ایک ذات خاص کے دوسرا کوئی متبادر نہیں ہوتا ۔ پس معلوم ہوا کہ بعد تعین مصداق کے مرکز اور مبدا اور منتہیٰ میں کثرت نہیں آ سکتی ۔ اسی طرح اول و آخر سلسلہ کا مبدا اور منتہیٰ ہوگا وہاں بھی اس قسم کی تقریر جاری ہوگی ۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنی بھی منتہائے نبیین ہے اس سبب سے یہ بھی اس قسم کی کلی ہوگی کہ بعد تعین مصداق کے جزئی حقیقی ہو جائے اور سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صادق نہ آ سکے، ہاں کلیت اس کی قبل تعین مصداق متحقق ہے کہ علی سبیل البدلیت بہت افراد پر صادق آ سکتی تھی جیسے مرکز مثال مذکورہ میں ۔ اب یہ دیکھا جائے کہ مصداق اس کا کب سے معین ہوا سو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جس قسم کا وجود فرض کیا جائے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت مختصہ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔

اب کونسا ایسا زمانہ نکل سکے گا کہ صفت علم و کلام باری تعالیٰ پر مقدم ہو۔ پھر تعین ذات خاصہ اور اتصاف اس صفت مختصہ کے لئے وجود خارجی شرط نہیں جیسے مرکز میں ابھی معلوم ہوا ۔ اور قطع نظر اس کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے اور جس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے: کنت نبیا و آدم بین الماء والطین یعنی ہنوز آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے اور میں نبیؐ تھا ۔ اب ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے متصف اس صفت خاصہ

کے ساتھ ہیں۔ اور جو جو تقلبات آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عالم میں ہوئے ہیں اس کو ہم ایسے سمجھتے ہیں جیسے لڑکپن جوانی وغیرہ کہ ذات ہر وقت میں محفوظ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وتقلبک فی السٰجدین﴾ امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء میں نقل کیا ہے: وقدقال ابن عباسؓ فی تاویل قول اللہ ﴿و تقلبک فی السٰجدین﴾ ای تقلبک من اصلاب طاهرة من اب بعد اب الی ان جعلک نبیا۔ اسی مضمون کو حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے نظم میں لکھا ہے:

تنقل احمد نور عظیم تلألأ فی جبین الساجدینا

تقلب فیهم قرنا فقرنا الی ان جاء خیر المرسلینا

ذکره الامام السیوطیؒ فی مسالک الحنفاء اور حافظ العصر ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے:

نبی الهدی المختار من آل هاشم فعن فخرهم فلیقصر المتطاول

تنقل فی اصلاب قوم تشرفوا به مثل ما للبدر تلک المنازل

ذکره السیوطیؒ فی المقامة السندسیة۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم شہادت کے پہلے بھی ذات آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ تھی کیونکہ تقلب صفت ہے اور تمام اور قیام صفت کا بغیر ذات موصوف کے محال ہے اس عالم میں تشریف فرما ہونے کے پیشتر آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جو کنت نبیاً اور أوّل ما خلق اللہ نوری سے معلوم ہوا اور بعد آدم علیہ السلام کے بھی جو ﴿وتقلبک فی السٰجدین﴾ سے معلوم ہوا۔ الحاصل وجود جزئی حضرتؐ کا ثابت ہے اگرچہ اطوار وجود مختلف ہوں اور حالت جزئیت میں اتصاف اس صفت کے ساتھ بھی موجود رہا پھر خاتم النبیین کے جزئی حقیقی ہونے میں کیا کلام، اگر کہا جاوے کہ اس تقریر سے خاتم النبیین مثل دوسرے اعلام کے ایک علم ہوجائے گا تو اس میں فضیلت ہی کیا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے علم کی حقیقت معلوم کر لیجئے کہ ہر جماعت انسان اپنے مافی الضمیر

ظاہر کرنے میں محتاج اس امر کی ہے کہ ہر چیز کے مقابلہ میں ایک لفظ مقرر کرے تا کہ جو شخص اس وضع سے واقف ہو وہ لفظ سنتے ہی سمجھ جائے کہ مقصود متکلم کا یہ ہے اب اس وضع کے وقت یہ ضروری نہیں کہ اس لفظ میں کوئی معنے وصفی ہوں بلکہ حروف تہجی سے چند حروف لے کر جو لفظ ترکیب دیدیا جائے وہی علم ہو جائے گا اور اگر کوئی لفظ معنی دار علم ہو تو معنے سابق اس میں نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ تقرر علم کا صرف اسی واسطے ہے کہ اس کے کہنے سے ذات معینہ معلوم ہو جائے بخلاف صفت کے کہ سوائے ذات کے ایک دوسرے معنی پر بھی اس سے دلالت ہوتی ہے مثلاً عالم کہ اس سے ذات مع صفت علم سمجھی جاتی ہے اور صفت کا مبدا اس ذات میں موجود ہوگا۔ اور علم میں یہ بات نہیں اب دیکھئے کہ صفت ختم نبوت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں ازل سے قائم ہے جیسے ابھی مذکور ہوا مگر صفت مختصہ ہونے کی وجہ سے انحصار اس صفت کا ذات مبارک میں ہے اس انحصار سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ خاتم النبیین علم ہو جائے کیونکہ یہ لفظ ذات مع الصفت پر دلالت کرتا ہے نہ صرف ذات پر۔ الحاصل صفت خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازلاً وابداً مسلم ہوگئی اب کسی دوسرے کا اتصاف اس صفت مختصہ کے ساتھ محال ہے جیسے کہ سوائے نقطۂ مخصوصہ کے متصف بصفت مرکزیت ہونا کسی دوسرے نقطہ کا دائرہ خاص میں محال ہے۔ اب ہم ذرا اُن صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو **کل بدعة ضلالة** پڑھ پڑھ کے ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ یا قرون ثلاثہ میں کسی نے کی تھی پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر بحسب واقع کیا استحقاق پیدا کیا۔ اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اُس کا گناہ کس کی گردن پر۔ دیکھئے حدیث شریف میں وارد ہے:

فی المشکوۃ **و عن جرير ؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : من سن في الإسلام سنةً سيئةً كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من**

اوزارھم شئ ۔ الحدیث رواہ مسلم

یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ نکالے تو علاوہ اُس جرم ارتکاب کے جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کرتے رہیں سب کا گناہ اُس کے ذمہ ہوگا اور اُن کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی ۔ روایت کیا اس کو مسلم نے ۔ انتہیٰ ۔

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ، ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو شاخ شانے نکالے گئے ۔ یہ تو بتلایئے کہ ہمارے حضرتؐ نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اُس کا بدلہ ایسے طور پر کیا جارہا ہے کہ فضیلت خاصہ کا مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے ۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں ۔ کمال تشویش ہوئی کہ ہائے فضیلت مختصہ ثابت ہوئی جاتی ہے جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودُم اُن سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے ۔ افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سونچا کہ معتقدین سادہ کو انتظار اس خاتم فرضی کا کس قدر کنویں جھکائے گا ۔ مقلدین سادہ کے دلوں پر اس تقریر معقولی کا اتنا تو ضرور اثر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا گو دقائق معقولی کو نہ سمجھے ہوں ۔ چنانچہ بعض اتباع نے اسی بناء پر الف و لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرتؐ ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ جو انبیاء پیدا ہوں گے ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔ معاذ اللہ اس تقریر نے کہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔

ذرا سونچیئے تو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو خاتم النبیین ہونے میں یہ احتمالات نکالے جاتے تو کس قدر حضرتؐ پر شاق ہوتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف توراۃ کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثار غضب پیدا

تھے۔اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے صحابیؓ جلیل القدر پر کیسا عتاب فرمایا کہ جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ مذاق تقرب و اخلاص سے واقف ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود موسیٰؑ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ نہ بن پڑتی۔ دیکھ لیجئے وہ روایت مشکوۃ شریف میں ہے:

عن جابرؓ ان عمرؓ بن الخطاب اتی رسول الله صلی الله علیه و سلم بنسخة من التوراة فقال : یا رسولؐ الله هذه نسخة من التوارة ، فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول الله صلی الله علیه و سلم یتغیر ، فقال ابوبکرؓ : ثکلتک الثوا کل ماتری مابوجه رسول الله صلی الله علیه و سلم ؟ فنظر عمر الی وجه رسول الله علیه و سلم فقال: اعوذبالله من غضب الله و غضب رسوله ، رضینابالله رباً و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا ، فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم : والذی نفس محمدؐ بیده لوبدا لکم موسی فاتبعتموه و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ، ولوکان موسیٰؑ حیا و ادرک نبوتی لاتبعنی . رواه الدارمی

یعنے روایت ہے جابرؓ سے کہ ایک بار عمرؓ نے تورات کا نسخہ لاکر عرض کی یا رسولؐ اللہ یہ تورات کا نسخہ ہے حضرتؐ خاموش ہوگئے وہ لگے پڑھنے ادھر چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا، ابوبکرؓ نے یہ دیکھ کر کہا اے عمرؓ تم تباہ ہوگئے کیا چہرۂ مبارک کونہیں دیکھتے۔عمرؓ یہ دیکھتے ہی کہنے لگے میں پناہ مانگتا ہوں خدا اور رسولؐ کے غضب سے ہم راضی ہیں اپنے پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے،فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰؑ تم میں ظاہر ہوتے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو ضرور گمراہ ہوجاتے اگر موسیٰؑ اس وقت زندہ ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میری ہی اطاعت کرتے۔

اور روایت احمد وبیہقی میں وماوسعه الااتباعی ہے،یعنی سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ

بن نہ پڑتی۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کے سے صحابی بااخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوارِ طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت میں شک ڈال دیتی ہے، کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی، ہرگز نہیں، حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاٰخرۃ واعدلھم عذابا مھیناً﴾

ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اللہ کے رسول ﷺ کو لعنت کرے گا ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مہیا کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔ انتہیٰ۔ **نسأل اللہ تعالیٰ توفیق الأدب وھوولی التوفیق.**

(٦)

ہے درود پاک بھی ذکر شہ عالی مقام ہر طرح سے جس کا خالق کو ہے منظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخرِ عالم پر مدام اور فرشتے دائماً مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

فضائل درود شریف اجمالاً

قولہ: ہے درود پاک بھی ذکر شہ عالی مقام: تیسری تسدیس میں معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ایسی کچھ رفعت دی ہے کہ کسی کو وہ بات نصیب نہیں۔ اور اسی وجہ سے نام مبارک ہر جگہ آسمانوں وغیرہ میں لکھا ہوا ہے جس کا بیان تسدیس رابع میں گذرا۔ منشا اس کا یہ ہے کہ بحسب حدیث شریف **من احب شیئا اکثر ذکرہ.** حبیب کا ذکر جس قدر ہو اچھا معلوم ہوتا ہے، عام اس سے کہ خود کریں یا کوئی دوسرا۔ پھر جو سخن شناس اس نکتہ سے واقف ہیں ظاہر ہے کہ اپنے خالق کی رضا جوئی کے واسطے خود اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا

ذکر بکثرت کریں گے ان کے لئے کوئی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ باقی رہے وہ لوگ کہ جب تک کسی کام میں کوئی نفع خاص نہیں دیکھ لیتے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کے لئے اقسام کی ترغیبیں دی گئیں۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں، بعضوں کا میلان نفع دنیوی کے طرف زیادہ ہوتا ہے اور بعضوں کا نفع اخروی کے طرف، ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق وعدے دیئے گئے۔

چنانچہ صنف اول کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ بدولت اس ذکر خاص کے فقر دفع ہوتا ہے، رزق کشادہ ہوتا ہے، بلکہ کل امور کے لئے اس میں کفایت ہے، اور کوئی فکر باقی نہیں رہتی۔

جو لوگ کثرت ثواب کے طالب اور نفع اخروی پر راغب ہیں، ان کی رعایت سے ارشاد ہے کہ ثواب اس ذکر خاص کا پہاڑوں برابر صدقہ دینے کے اور کئی غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے، اور جہاد سے بڑھ کر بلکہ تمام روئے زمین کے لوگ جتنا عمل کریں سب کے برابر، اور حق تعالیٰ کے پاس سب عملوں سے زیادہ اس کی فضیلت ہے، اس کے سبب سے ہزارہا نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہزارہا گناہ مٹائے جاتے ہیں، درجے بلند کئے جاتے ہیں، ذاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرنے کے پیشتر اپنا مقام جنت میں دیکھ لے گا، روز قیامت عرش کے سایہ میں رہ کر ہول و دہشت سے وہاں کے نجات پائے گا۔ شفاعت اور قربت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کو نصیب ہوگی، سب کام آخرت کے اس پر آسان ہوں گے، حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔

اور برعایت ان لوگوں کے جو طالب رضائے حق ہیں ارشاد ہے کہ اس سے دل طاہر ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے، فرشتے اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کیا کرتے ہیں اور خود حق تعالیٰ آمین فرماتا ہے۔

پھر عموماً اہل ایمان کی ترغیب کے واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بذات خود مع تمامی ملائک کے ذکر خیر آنحصرت ﷺ کا کیا کرتا ہوں۔

علی ہذا القیاس اس کے سوائے اور بہت سی ترغیبیں دی گئیں۔ پھر اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے تو

سزا اس کی یہ ہوئی کہ نہ طہارت اس کی پوری ہو نہ نماز، اور نہ دعا قبول ہو اور وہ شقی جنت کی راہ سے بھٹک کر داخل دوزخ ہوگا۔

الحاصل جس طرح حق تعالیٰ نے ﴿ورفعنالک ذکرک﴾ فرمایا، رفع ذکر کے ذریعے بھی ویسے ہی قائم کئے تاقطع نظر ان طرق رفع ذکر کے جو مذکور ہوئے، ہر مسلمان بھی طوعاً وکرہاً ذکر خیر میں مصروف رہے۔ پھر وہ ذکر جس کے واسطے وعدے وعید ہیں ایسا نہیں ہے کہ صرف نام مبارک کی تکرار ہوا کرے کیونکہ اس میں بے ادبی ہے بلکہ خود حق تعالیٰ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی نام سے یاد نہ فرمایا بلکہ جب کبھی خطاب کیا یا یاد فرمایا کسی نہ کسی صفت کے ساتھ ذکر کیا جیسے ﴿یاَیھاالرسول﴾ اور ﴿یـاَیھاالنبی﴾، ﴿وما اٰتکم الرسول﴾ وغیرہ۔ مگر ایک دو جائے جہاں بالکل تعیین مقصود تھی صفت کے ساتھ نام کو ذکر فرمایا۔ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ہر جگہ ان کے نام کی تصریح فرمائی اور خطاب بھی اصلی نام کے ساتھ کیا جیسا ﴿قلنا یآدم اسکن﴾، ﴿وناديناه ان یاِبراھیم﴾ اور ﴿یٰموسیٰ اقبل﴾ وغیرہ۔

الغرض ذکر شریف مودبانہ ہونے کے لئے ایک خاص وضع مقرر کی گئی جو مقتضائے ادب ہے۔ پھر جو شخص اس وضع کی پابندی کے ساتھ ذکر موصوف کیا کرے وہی مستحق ان وعدوں کا ہوگا۔ اور وہ وضع بعینہ دعا کی سی ہے جس میں توجہ اللہ تعالیٰ کے طرف ہو اور معلوم ہے کہ دعا کو خضوع وخشوع ضرور چاہیئے۔ پھر اس کے چند صیغہ مقرر کئے گئے۔ اور ہر صیغہ میں جُدا تاثیر رکھی گئی۔ پھر ان صیغوں کو ایک خاص قسم کی شرافت عطا ہوئی اور وہ نام سرفراز ہوا جو خاص معبود حقیقی کی عبادت کا نام ہے، یعنے صلوٰۃ، پس معلوم ہوا کہ صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قسم کے ذکر کا نام ہے۔

نکتہ: تسدیس سابق میں یہ بات ثابت ہوئی کہ جب حق تعالیٰ کا ذکر ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ہوتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ اذا ذکرت ذکرت معی اور یہاں معلوم ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو حق تعالیٰ کا ذکر بھی لازم ہے۔ اس تلازم طرفین سے نکتہ سنجان رمز شناس

﴿ماودعک ربک و ما قلیٰ﴾ کے معنی بخوبی سمجھ سکتے ہیں، امر وجدانی بیان کے قابل نہیں۔

درودِ شریف کے اہتمام کی ضرورت

قولہ: ہر طرح سے جس کا ہے خالق کو منظور اہتمام: ابھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بکثرت ہوا کرے، اس لئے تمام مسلمانوں کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا اور کس خوبی کے ساتھ کہ میں خود اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائک بھی اے مسلمانو! تم کو بھی چاہئے کہ اس کام میں مصروف رہو۔ مطلب یہ کہ جب خود خدائے تعالیٰ اور تمام ملائک تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجا کریں تو تم کو چاہئے کہ بطریق اولیٰ اس میں دلدہی اور جانفشانی کرو نہ یہ کہ ایک دو بار پر اکتفا کرلو۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جو احسان امتیوں پر ہیں، اظہر من الشمس ہیں، اگر فکر ہے تو ہماری بخشایش کی ہے، اگر دعا ہے تو ہماری بخشایش کی ہے، ہمیشہ ہماری بھلائی کی ہی فکر میں گزاری۔ اگر امتیوں کو کچھ ارشاد ہوتا ہے تو یہی مقصود ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے دنیا و آخرت میں قہر الٰہی سے محفوظ رہ کر فوائد دارین حاصل کریں۔ اور اگر حق تعالیٰ کے ساتھ گفت وشنود ہے تو اسی بارے میں کہ کسی نہ کسی طرح سے راستہ ان کی نجات کا نکلے اور پروردگار ان سے راضی ہوجائے، باوجود یکہ ﴿ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ﴾ وغیرہ آیتوں سے تسکینیں دی گئیں، مگر خدا جانے فرط محبت امت نے کیا کیا خیالات پیش کردیئے تھے کہ ہر وقت خلوت وجلوت میں حالت نزع تک امت ہی کا خیال اور اسی کی بخشایش کا حق تعالیٰ سے سوال وجواب رہا۔

اب ایسا کون کمبخت ہو جو ایسے محسن کے احسانوں کو بھول جائے۔ مقتضائے انسانیت تو یہ ہے کہ بمقصداق **الانسان عبید الاحسان** کے ساری عمر شکر گزاری میں بسر کریں۔ اور یہ صرف مقتضائے انسانیت ہی نہیں شریعت بھی یہی کہہ رہی ہے کہ جس نے اپنے محسن کی شکر گزاری نہ کی خدا کا شکر بھی نہ کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

عن ابی ہریرہؓ ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال : من لایشکر الناس لایشکر اللہ . رواہ الترمذی کذافی تجرید الأصول۔

یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اپنے محسن کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کیا۔ انتہیٰ ۔

ان احسانوں کا شکر تو کسی سے کیا ہوسکتا ہے اتنا تو ہو کہ ذکر خیر میں حضرتؐ کے رطب اللسان رہیں ۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ خدائے تعالیٰ اور فرشتے تو ذکر خیر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رہیں اور باوجود احسانوں کے ہم سے یہ بھی نہ ہو سکے ۔ میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی شخص امتی ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر حضرتؐ کے ذکر خیر سے اس کو انکار ہو۔

الغرض جو شخص آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مدارج سے واقف ہو جس کا اہتمام ازل سے ہو رہا ہے ۔ اور یہ جان لے کہ باوجود اس رفعت شان کے ہمہ تن ہماری خیر خواہی کے طرف متوجہ ہیں تو پھر یہ نہ ہو سکے گا کہ ذکر خیر میں حضرتؐ کے کوتاہی کرے یا منتظر حکم جدید رہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے اہتمام اس امر کا فرما دیا کہ جب عشاق حضرتؐ پر درود پڑھیں ، (جو ایک قسم کا وہ بھی ذکر خیر ہے) تو چاہئے کہ شکر یہ اس کا بھی عالم غیب سے ہوا کرے ۔ چنانچہ جب سے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے خلق ہوئے ہیں ایک فرشتہ خاص اسی کام پر مقرر ہے کہ جب کوئی حضرتؐ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ گویا شکریہ میں اس کے کہتا ہے کہ تجھ پر بھی حق تعالیٰ رحمت کرے چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے :

عن ابی طلحۃ الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : اتانی جبرئیلؑ فقال یا محمدؐ من صلی علیک من امتک صلوٰۃ کتب اللہ لہ بھا عشر حسنات و محا عنہ عشر سیئات و رفع بھا عشر درجات ، وقال لہ الملک مثل ماقال لک قلت : یا جبرئیل و ماذاک الملک ؟ قال : ان اللہ تعالیٰ وکل لک

ملكا من لدن خلقک ۔ و فی رواية : منذخلقک ۔ الی ان يبعثک ، لايصلی عليک احد من امتک إلاقال " و انت صلی الله عليک " رواه الطبرانی و ابو الفرج ابن الجوزی فی كتاب الوفامع زيادة

یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیلؑ نے میرے پاس آ کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو امتی آپ کا آپ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے بدلے دس نیکیاں لکھتا ہے دس گناہ مٹاتا ہے دس درجہ بڑھاتا ہے اور فرشتہ اس کے حق میں وہی کہتا ہے جو وہ آپ کے لئے کہتا ہے، کہا میں نے اے جبرئیلؑ فرشتہ کیسا ؟ کہا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپؐ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک متعین ہے اس غرض سے کہ جو آپؐ کا امتی آپؐ پر درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: (**وانت صلی الله عليک**) یعنے تجھ پر بھی خدا رحمت کرے، روایت کیا اس کو طبرانی نے اور ابن جوزی نے کتاب الوفا میں مع زیادتی کے۔ انتہیٰ۔ ذکر کیا اس حدیث کو کنز العمال اور مسالک الحنفا اور وسیلۃ العظمیٰ میں۔

فتوحات ربانیہ شرح اذکار نوویہ میں شیخ محمد بن علی نے حافظ ابوذر ہروی کا قول نقل کیا ہے کہ درود شریف کا حکم ۲ھ میں نازل ہوا، بعض کہتے ہیں مہینہ شعبان کا تھا اسی واسطے شعبان کو شہر صلوٰۃ کہتے ہیں۔ انتہیٰ، اب دیکھئے کہ درود شریف پڑھنے کا حکم ۲ھ سے ہوا اور فرشتہ موصوف پہلے ہی سے مقرر کیا گیا ہے، کس قدر اہتمام درود شریف کا اس سے ظاہر ہے اور یہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہوں گے، سوائے اس کے اور دو فرشتے خاص اس کام پر مقرر ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی کے روبرو ہو اور وہ درود پڑھے تو وہ فرشتے اس کے واسطے مغفرت کی دعا کیا کریں، جیسا کہ وسیلۃ العظمیٰ میں ہے:

عن الحسن بن علی رضی الله عنهما ان النبی صلی الله عليه و سلم قال : ان الله وكل لی ملكين لااذكر عند عبدمسلم فيصلی علیّ إلاقال ذانک الملكان

"غفر الله لک" وقال الله و ملائکته جوابالذینک الملکین "آمین" ولااذکر عند عبد مسلم فلایصلی علیّ إلاقال ذانک الملکان "لاغفر الله لک" وقال الله وملائکته جواباً لذینک الملکین "آمین". رواه الطبرانی و ابن مردویه۔

ترجمہ: روایت ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقرر کئے حق تعالیٰ نے میرے لئے دو فرشتے کہ جب کسی بندہ مسلمان کے آگے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں "غفر الله لک" یعنی بخشدے اللہ تعالیٰ تجھ کو پھر خود حق تعالیٰ اور دوسرے فرشتے جواب میں اُن کے "آمین" کہتے ہیں اور جس نے میرا ذکر سن کر درود نہ پڑھا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں نہ بخشے تجھ کو اللہ تعالیٰ اور "آمین" فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اور دوسرے فرشتے اُن کے جواب میں۔ انتہیٰ۔

اور اسی مضمون کی یہ بھی روایت ہے: ویروی انه قیل له : یا رسولؐ الله ارأیت قول الله تعالیٰ ﴿ان الله و ملٰئکته یصلون علی النبی یایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما﴾ فقال علیه السلام : هذا من العلم المکنون ، ولولا انکم سألتمونی عنه مااُخبرتکم به ، ان الله سبحانه و تعالیٰ وکل لی ملکین فلا أذکر عند مسلم فیصلی علیّ الاقال ذانک الملکان "غفر الله لک" و قال الله وملائکته جوابا لذینک الملکین آمین" ولااذکر عند عبدمسلم فلم یصل علی الاقال ذانک الملکان لاغفر الله لک و قال الله عزوجل وملائکته جوابالذینک الملکین "آمین" کذافی تفسیر القرطبیؒ و قال ابن حجر فی الدر المنضود اخرجه الطبرانی و ابن مردویه والثعلبی وغیرهم بسند فیه متروک

ترجمہ: روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے ان الله و ملٰئکته یصلون علی النبی ۔الآیہ، کیا بات ہے؟ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک علم پوشیدہ ہے

۔اگر تم نہ پوچھتے تو نہ خبر دیتا میں تم کو اس سے، اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے میرے لئے مقرر فرمائے ہیں کہ جب کسی مسلمان کے آگے میرا ذکر ہوتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ کہتے ہیں ''**غفر الله لک**'' اور حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان کے جواب میں ''امین'' کہتے ہیں۔ اور جس نے میرا نام سنا اور درود نہ پڑھا تو وہ دونوں کہتے ہیں نہ بخشے خدائے تعالیٰ تجھ کو اور ویسا ہی جواب میں ''امین'' ارشاد ہوتا ہے۔ انتہیٰ۔

زہے طالع ان لوگوں کے کہ جس کی خاص دعا کے واسطے فرشتے مقرر ہیں اور خود حق تعالیٰ اور تمام فرشتے آمین کہتے ہیں۔ یہ صرف طفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا ہے، ورنہ شان کبریائی کہاں اور یہ لفظ کہاں۔ اگرچہ یقین ہے کہ معنے اس لفظ کے کچھ اور ہیں، مگر اس لفظ کو استعمال تو فرمایا۔

سبحان اللہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کو کیا کیا رتبے مل رہے ہیں کہ جس کا بیان ہو نہیں سکتا، مگر یہ بھی معلوم رہے کہ فقط امتی ہونا کافی نہیں، مدار اس کا صرف اسی بات پر ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ ٹھیک رہے، ورنہ رتبے کیسے، ایمان کا پتا لگنا دشوار ہے۔ حدیث: **لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من نفسک** کو دیکھ لیجئے کہ کیا کہہ رہی ہے۔

کلام اس میں تھا کہ حق تعالیٰ نے خاص اس کام کے لئے دو فرشتے معین کئے ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں اب ان فرشتوں کی عظمت کو سوچئے کہ کُل روئے زمین کے مسلمان جب کبھی درود پڑھیں وہ سن لیتے ہیں اور ہر ایک کا جواب فوراً ادا کرتے ہیں۔ اگر درود کی خبر ان کو پہنچنا دشوار سمجھا جائے تو چاہئے کہ جسم ان کا اتنا بڑا ہو کہ کل آبادیوں کو گھیر لے اور جسم بڑا بھی ہوا تو کیا صرف دو کان کفایت کریں گے ہر شخص کے پاس ایک کان لگا رہنا ضروری ہوگا۔ اول تو صرف دور کی آواز سننا ہی دشوار تھا علاوہ اس کے ہر ایک کو فوراً جواب دینا دوسری مشکل ہے۔ اب اگر حدیث کا بالکل انکار کرلیا جائے اس خیال سے کہ سمجھ میں نہیں آتی تو اکابر محدثین پر

الزام آجائے گا جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اگر کسی محدث نے اس کو حدیث متروک کہا جب بھی خلاصی نہیں ۔ کیونکہ متروک کے معنے موضوع اور بنائی ہوئی نہیں ۔ پھر جب موضوع نہ ہوئی تو بالکل اس کے مطلب کا انکار کر لینا جائز نہ ہوا بالفرض اگر اس ایک حدیث سے انکار کر کے جان چھڑائی بھی تو کیا عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھ سے کہاں جاسکیں گے وہ تو مشرقی کو چھوڑیں نہ مغربی کو سب کی خبر آن واحد میں برابر لیتے ہیں ۔ کیا ان کے وجود کا بھی انکار کیا جائے گا ۔ پھر جب عزرائیل علیہ السلام کا وجود اس صفت کے ساتھ مان لیا جائے تو ان دو فرشتوں کے انکار سے کیا فائدہ ہوا ۔ اس قسم کے امور کا استبعاد و انکار اکثر اسی وجہ سے ہوا کرتا ہے کہ جو صفت آدمی اپنی جنس یا محسوسات میں نہیں پاتا اس کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے ۔ اور جب سمجھ میں نہ آئے تو اس کا انکار کر بیٹھتا ہے، پھر بسا وقت اسی انکار کی وجہ سے نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے ۔ نعوذ باللہ من ذلک ۔

نجات کا یہی طریقہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لائیں اور یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ جب کسی کو قدرت دیتا ہے تو اس سے سب کچھ ہوسکتا ہے، پھر اس کے خلاف میں عقل لگانا گمراہی ہے، مولانائے روم قدس سرہ فرماتے ہیں :

زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است ‏ ‏ داند آنکو نیک بخت و محرم است

زیرکی ظنست و حیرانی نظر ‏ ‏ زیرکی بفروش و حیرانی بخر

عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ

حسبی اللہ گو و اللہ ہُم کفیٰ

کہ غرورش داد نفس زیرکش ‏ ‏ ہمچو کنعان سر زکشتی درمکش

رستگی زین ابلہے یابی و بس ‏ ‏ خویش ابلہ کن تبع میرو سپس

باچنیں نورے چو پیش آری کتاب

جان وحی آسای او آرد عتاب

اکثر اہل الجنہ بلہ اے پدر　　بہر این گفتست سلطانؐ البشر
اندرین رہ ترک کن طاق و طرمب　　تا قلا وزت نہ جنبد تو مجنب

ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود
جنبشش چون جنبش کژدم بود

درود شریف لکھنے کے لیے فرشتے مقرر ہیں

الحاصل دو فرشتے ایسے جلیل القدر حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں کہ ہر ایک کا درود برابر سنتے ہیں اور اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے ہیں اور بے انتہاء فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ جس قدر درود شریف پڑھا جائے لکھ لیا کریں، چنانچہ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں نقل کیا ہے:

وعن عقبةؓ بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : ان للمساجد أوتادا جلساؤهم الملائكة ان غابوا فقدوهم و ان مرضوا عادوهم وان رأوهم رحبوابهم و ان طلبوا حاجة اعانو هم فاذا جلسوا حفت لهم الملائكة من لدن اقدامهم الى عنان السماء بايديهم قراطيس الفضة و اقلام الذهب يكتبون الصلوٰة على النبى صلى الله عليه و سلم ۔ الحديث رواه ابو القاسم ابن بشكوال و ذكره صاحب الدر المنظوم .

ترجمہ: روایت ہے عقبہؓ بن عامر سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسجدوں میں اوتاد ہوا کرتے ہیں کہ جن کے ہمنشین فرشتے ہیں، جب وہ غائب ہوتے ہیں تو ڈھونڈ ھتے ہیں ان کو فرشتے اور جب بیمار ہوتے ہیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں ان کو تو مرحبا کہتے ہیں اور اگر کوئی حاجت طلب کرتے ہیں تو وہ مدد دیتے ہیں ۔ پھر جب بیٹھتے ہیں وہ لوگ تو گھیر لیتے ہیں ان کو فرشتے ان کے پاؤں سے آسمان تک ، ہاتھوں میں ان کے کاغذ چاندی کے ہوتے ہیں اور قلم سونے کے لکھتے ہیں وہ درود جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جاتا ہے ۔ روایت کیا

اُس کوابوالقاسم ابن بشکوال نے اور ذکر کیا اُس کو صاحب درمنظوم نے ۔انتہیٰ ۔

امام سخاویؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے اس حالت میں ان کو محسوس ہورہا تھا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اس کو کاغذ پر لکھ رہا ہے، جب آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہوگیا۔اور سوا ان کے کئی فرشتے اس کام کے لئے خاص کئے گئے ہیں کہ جمعہ کے دن اور رات آسمانوں سے اتریں اور جو لوگ درود پڑھیں لکھ لیا کریں جیسا حدیث شریف میں وارد ہے:

ان لله ملائكة خلقوا من النور لايهبطون إلاليلة الجمعة بأيديهم اقلام من ذهب ودوى من فضة و قراطيس من نور ، لايكتبون الاالصلوة على النبى صلى الله عليه و سلم ۔ رواه الديلمى عن علیؓ ذكره فى الوسيلة العظمى و كنزالعمال

ترجمہ: روایت ہے علی کرم اللہ وجہ سے کہ کئی فرشتے نورانی حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں جو صرف جمعہ کی رات اور دن میں آسمان سے اترتے ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم اور دواتیں چاندی کی اور کاغذ نور کے ہوتے ہیں کام ان کا صرف یہی ہے کہ جو درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جاتے ہیں لکھ لیتے ہیں ۔انتہیٰ ۔

اور درود شریف پڑھنے سے بسا وقت فرشتے بہ کثرت آسمان سے اتر آتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے:**عن زيد بن ثابتؓ قال : غدونايوما مع رسول الله صلى الله عليه و سلم حتى كنا مجمع طريق المدينة فاذا اعرابى أخذ بخطام بعيره ، حتى وصل الى النبى صلى الله عليه و سلم ونحن حوله فقال : السلام عليک ايهاالنبى و رحمة الله و بركاته ، فرد النبى صلى الله عليه و سلم سلامه ، وجاء رجل عقبه فقال : يا رسول الله هذا اعرابى سرق البعير لى ۔ فسمع النبى صلى الله عليه و سلم حنين البعير فاقبل عليه فقال انصرف عنه فان البعير يشهد عليک انک كاذب ،**

فانصرف ، ثم اقبل النبی صلی الله علیه و سلم علی الاعرابی فقال ای شئ ؟ قلت حین جئتنیِ ۔ قال قلت با بی وامی اللهم صل علی محمدؐ حتی لاتبقی صلوۃ) اللهم بارک علی محمد حتی لاتبقی برکۃ اللهم صل و سلم علی محمدؐ حتی لاتبقی سلام اللهم صل وارحم محمدؐ احتی لاتبقی رحمۃ ، فقال صلی الله علیه و سلم ان الله ابداهالی و البعیر ینطق بعذره و ان الملائکۃ قدسدوا افق السماء ۔ رواه الطبرانی کذافی الوسیلۃ العظمی

ترجمہ: روایت ہے زید بن ثابتؓ سے کہ ایک روز صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب ہم مدینہ منورہ کے چوراہے میں پہونچے دیکھا کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے چلا آرہا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر اس طرح سلام کیا **السلام علیک ایھاالنبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ** حضرتؐ نے اس کا جواب دیا ساتھ ہی ایک دوسرے شخص نے پہنچ کر کہا یا رسولؐ اللہ یہ اعرابی میرا اونٹ چُرا لایا ہے، اونٹ نے اس وقت کچھ آواز کی جس کے سنتے ہی حضرتؐ نے اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ دور ہوخود اونٹ گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے، چنانچہ وہ چلا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے طرف متوجہ ہوکر فرمایا جس وقت تو یہاں پہنچا کیا کہا تھا ،عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر سے فدا ہوں یہ درود پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے یا اللہ درود بھیج محمدؐ پر اتنا کہ نہ باقی رہے کوئی درود ۔ یااللہ برکت نازل کر محمدؐ پر اتنی کہ نہ باقی رہے کوئی برکت ، یا اللہ درود اور سلام بھیج محمدؐ پر اس قدر کہ نہ باقی رہے کوئی سلام ، یااللہ درود اور رحمت نازل فرما محمدؐ پر اس قدر کہ نہ باقی رہے کوئی رحمت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر وہ ظاہر فرما دیا تھا جب کہ اونٹ اپنا عذر بیان کررہا تھا اور فرشتوں نے اس وقت افق کو بھر دیا تھا (یعنے اس درود کی برکت سے اونٹ نے اصل واقعہ بیان کردیا اور فرشتے اس قدر نازل ہوئے کہ تمام افق ان سے بھر گیا) ۔۔

درود پڑھنے والوں کے لیے ملائکہ کی دعا

الحاصل بعض درودوں کا اس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ بے انتہا فرشتے تعظیماً آسمان سے اتر آتے ہیں اور جب تک کوئی شخص درود پڑھتا ہے تمام فرشتے اس کے واسطے استغفار کیا کرتے ہیں، چنانچہ کنز العمال اور وسیلہ عظمی اور مسالک الحنفا میں منقول ہے:

عن عامر بن ربیعۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مامن عبدیصلی علیّ الاصلت علیہ ملائکۃ مادام یصلی علیّ فلیقلل العبد من ذلک اؤلیکثر . رواہ احمد و ابن ماجہ و الضیاء .

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس کے حق میں اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہتا ہے، اب چاہیں زیادہ درود پڑھیں یا کم ۔ انتھی ۔

لفظ ملائکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب فرشتے مراد ہیں، کیونکہ اس حدیث میں کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے الف و لام عہد کا سمجھا جائے بلکہ بقرینہ ترغیب معلوم ہوتا ہے کہ الف و لام استغراق کا ہے اور اس میں کچھ استبعاد بھی نہیں اس لئے کہ حدیث شریف سے یہ بات آئندہ ثابت ہوجائے گی کہ ایک ایک درود کے بدلے خود حق تعالیٰ ستر ستر صلوٰۃ اس پر بھیجتا ہے تو تمام فرشتے کیا اگر تمام عالم اس پر درود بھیجے جب بھی کم ہوگا، اس قرینہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الف و لام استغراق کا ہے ۔ جو بات یہاں تک ثابت ہوئی مؤید اس کی اور بہت سی حدیثیں ہیں، بخوف تطویل یہ چند نقل کی گئیں ۔

ملائکہ درود کو عرش پر لیجاتے ہیں

بعد اس اہتمام کے نوبت ان فرشتوں کی پہنچتی ہے جو بارگاہ رب العزت میں اس کو پیش کرتے ہیں اور اس شان و شوکت سے اس کو عرش کے طرف لیجاتے ہیں کہ جہاں جہاں ان کا گذر ہوتا ہے

وہاں کے فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس کے بھیجنے والے پر درود پڑھو اور اس کی مغفرت چاہو چنانچہ مسالک الحنفا اور وسیلۃ العظمی میں مروی ہے:

عن ابی طلحة الانصاری قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لایکون لصلوته منتهی دون العرش لاتمر بملک إلاقال صلواعلی قائلها کما صلی علی النبی محمدؐ صلی الله علیه و سلم . الحدیث . کذاذکر السخاوی فی القول البدیع .

ترجمہ ذکر کیا سخاویؒ نے قول بدیع میں کہ روایت کیا حدیث ابی طلحہ انصاری کو ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ان کی روایت میں یہ بات زائد ہے کہ وہ درود سوائے عرش کے کہیں تھمتا نہیں پھر جس فرشتہ پر اس کا گذر ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ درود پڑھو اس کے کہنے والے پر اور استغفار کرو اس کے لئے جیسا کہ پڑھا اس نے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ انتہی۔

ف : یہ تتمہ ہے ابوطلحہ انصاریؓ کی اس حدیث کا جو کنز العمال سے ابھی نقل کی گئی جس کا شروع یہ ہے **اتانی جبرئیل فقال یا محمدؐ من صلی علیک الحدیث**

درود شریف کا حضرت کی خدمت میں پیش ہونا

الحاصل لے جاتے ہیں ملائک اس درود کو راست عرش کبریائی تک اور حاضر کرتے ہیں بارگاہ عزت میں ، اُس وقت ملائکہ کو ارشاد ہوتا ہے کہ لیجاؤ اس کو حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تاکہ خوش ہوں اور اس پڑھنے والے کو دعائے خیر سے یاد فرماویں ، چنانچہ روایت ہے کنز العمال میں :

مامن عبد یصلی علیّ صلوة إلاعرج بهاملک حتی یجیٔ بهاوجاه الرحمن فیقول الله عزوجل اذهبوا بها إلی قبر عبدی یستغفر لقا ئلها و یقر بها عینه . الدیلمی عن عائشة .

ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو لے جاتا ہے

اس کو فرشتہ یہاں تک کہ حاضر کرتا ہے اس کو روبرو حق تعالیٰ کے (یعنے اس مقام میں کہ منتہائے آمد و شد خلق ہے) پس فرماتا ہے حق تعالیٰ کہ لیجاؤ اس کو میرے بندہ (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر کے طرف تا استغفار کریں اس کے کہنے والے کے حق میں اور ٹھنڈی کریں اس سے اپنی آنکھیں۔

روایت کیا اس کو دیلمی نے، قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ روایت کیا اس کو ابراہیم رشتہ ابن مسلم نے اور حسن بناء نے۔

اب اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیہ درود بارگاہ مرجع عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بنظر عزت افزائی اپنی پیشگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو بدعائے خیر یاد فرماویں۔ سبحان اللہ کیسا ذریعہ عظیم الشان قائم کیا گیا ہے کہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اگر ہم لوگ درود شریف پڑھا کریں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے فرشتے ہمارے حق میں دعائے خیر کیا کریں۔ خود رب العالمین لفظ آمین ارشاد فرمائے۔ اور مورد عطوفت فخر المرسلین ہو جائیں۔ یہ سب حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے ورنہ ہم کہاں اور یہ مدارج کہاں۔

عرض سلام بوساطتِ جبریل علیہ السلام

اور کیسی سرفرازی ہے کہ جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے جبرئیل علیہ السلام بنفس نفیس حضرتؐ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے:

عن عبدالرحمٰن بن عوف ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: ما منكم من احد يسلم عليّ ، اذا مت الاجاء نى سلامه مع جبرئيلؑ و يقول يا محمدؐ هذا فلان بن فلان يقرأک السلام فأقول و عليه السلام و رحمة الله و بركاته .

ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی تم سے مجھ پر سلام عرض کرے میرے انتقال کے بعد تو اس کا سلام مجھ کو پہنچے گا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ، کہیں گے وہ اے محمدؐ (صلی اللہ

علیہ وسلم) فلاں شخص فلاں کا بیٹا آپ کو سلام عرض کرتا ہے ، میں کہوں گا اس پر بھی سلام ہوجیو اور رحمت اور برکتیں اللہ تعالیٰ کی ۔ انتہیٰ ۔

الحاصل درود شریف پہنچنے کا ایک ذریعہ وہ ہے کہ عرش سے ہوکر مع پیام حضرت رب العزت گذرانا جاتا ہے ۔

درود شریف کا پیش ہونا بوساطتِ فرشتہ

دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ اسی وقت بالا بالا اس فرشتہ کے ذریعہ سے پہونچ جاتا ہے جو خاص اسی کام پر مقرر ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

یاعمار ان لله ملکا اعطاه سماع الخلایق و هو قائم علی قبری اذا مت الی یوم القیامة فلیس احد من امتی یصلی علیّ صلوة إلاسمی باسمه و اسم ابیه قال یا محمدً صلی فلان علیک کذا و کذا فیصلی الرب علی ذلک الرجل لکل واحدة عشراً . طب عن عمار ، نقله فی کنزالعمال .

ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عمار حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے اور اس کو تمام خلائق کی سماعت دی ہے وہ میرے انتقال کے بعد میری قبر پر کھڑا ہوگا پھر جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے گا تو وہ فرشتہ مجھ سے کہے گا کہ فلاں شخص فلاں کے بیٹے نے یہ درود آپ پر پڑھا پھر ہر درود کے بدلے حق تعالیٰ اس پر دس درود بھیجے گا ۔

یہ روایت کنزالعمال میں ہے اور وسیلۃ العظمیٰ میں طبرانی سے اسی روایت کو نقل کیا ہے مگر بجائے **فیصلی الرب** ۔ **الحدیث** کے یہ ہے : **و ضمن الرب تعالیٰ انه من صلی علیّ صلوة صلی الله علیه عشراً و ان زاد زاد الله** یعنے حق تعالیٰ ضامن ہوا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھے خدائے تعالیٰ اس پر دس درود بھیجے گا اور اگر زیادہ پڑھے تو زیادہ بھیجے گا ۔ اور کنزالعمال میں اسی روایت کو ابن نجار سے بھی نقل کیا ہے مگر اس میں بجائے **فیصلی الرب الخ** کے وقد

ضمن لی الرب تبارک و تعالیٰ انه ان ردّ علیه بکل صلوۃ عشراً یعنے ضامن ہوا ہے حق تعالیٰ کہ اس شخص پر ہر درود کے بدلے دس درود بھیجے۔

کہا قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں کہ روایت کیا اس حدیث کو بزار اور ابوالشیخ، ابن حبان اور حافظ عبدالعظیم منذری نے لیکن منذری نے کتاب الترغیب میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس کو سبھوں نے نعیم بن ضمضم بن حمیری سے اور وہ معروف نہیں اور امام بخاریؒ نے ان کو لیّن کہا ہے یعنے ان کی روایت میں چنداں قوت نہیں۔ مگر ابن حبان نے ان کو ثقات تابعین میں داخل کیا ہے۔ انتہی۔ اور مؤید اس کے یہ بھی روایت ہے جو کنز العمال اور وسیلۂ عظمیٰ میں مروی ہے:

اکثروا الصلوۃ علی فان الله وکل لی ملکا عند قبری فاذاصلی علیّ رجل من امتی قال لی ذلک الملک "یا محمدؐ ان فلان بن فلان صلی علیک الساعة" رواه الدیلمی عن أبی بکر الصدیقؓ

ترجمہ روایت ہے ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ مجھ پر زیادہ درود پڑھو، حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کیا کہ وہ میری قبر کے پاس رہے گا جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے گا وہ فرشتہ مجھ سے کہدے گا کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں ابن فلاں نے اسی وقت آپ پر درود پڑھا ہے۔ انتہیٰ۔ اور اس روایت سے بھی یہی بات ثابت ہے:

عن ابی امامةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم من صلی علیّ صلی الله علیه وملک موکل بها حتی یبلغنیها . رواه الطبرانی و سنده جید ، ذکره ابن حجر فی مسالک الحنفاء

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس پر درود بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے کہ پہنچا دیتا ہے وہ درود مجھ کو۔ اور اسی قسم کی یہ بھی روایت ہے جس کو امام سخاویؒ نے قول بدیع میں نقل کیا ہے:

عن یزید الرقاشی قال ان ملکا موکل یوم الجمعة من صلی علی النبی صلی الله علیه وسلم یبلغ النبی صلی الله علیه و سلم یقول ان فلاناً من امتک یصلی علیک رواه بقی بن مخلد ومن طریقه ابن بشکوال واخرجه سعید بن منصور فی سننه و اسمٰعیل القاضی فی فضل الصلوة

ترجمہ: روایت ہے یزید رقاشی سے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے جمعہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کوئی درود پڑھتا ہے تو پہونچاتا ہے اس کو وہ فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص آپ کا امتی آپ پر درود پڑھتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز جو درود پڑھے جاتے ہیں ان کے پہنچانے کے واسطے ایک جدا فرشتہ مقرر ہے سوائے اس فرشتہ کے جس کا ذکر اوپر کی روایتوں میں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن درود پڑھنے کی فضیلتیں بکثرت وارد ہیں اس لئے اس روز نہایت اہتمام ہوتا ہے اور بہت سے فرشتے بتکلف تمام صرف درود لکھنے کو اترتے ہیں چنانچہ اس کا حال بھی انشاء اللہ تعالیٰ قریب معلوم ہوگا۔

فائدہ: ان روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک فرشتہ تمام روئے زمین کے درود سنتا ہے اور خدمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض کرتا ہے۔ اور اس کو ویسی ہی سماعت دی گئی ہے جیسے ان دو فرشتوں کو دی گئی جو اس کام پر مقرر ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں جن کا حال ابھی معلوم ہوا۔

بلا واسطہ درود شریف کا سماعت فرمانا

جب اتنی حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہے اور آنِ واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہلِ ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا۔ اس لئے مبنی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفت

لازم آتا ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں یہ صفت موجود ہے تو چاہئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بطریق اولیٰ اور بوجہ اتم ہو، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمادی۔ **کمافی الطبرانی**

"لیس من عبد یصلی علّی اِلابلغنی صوته ، قلنا : یا رسولؐ الله وبعد وفاتک ؟ قال : و بعد وفاتی . إن الله حرم علی الأرض أن تاکل اجساد الأنبیاء" ذکره ابن حجر المکی فی الجوهر المنظم .

ترجمہ: فرمایا جوکوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی آواز میں سنتا ہوں، صحابہ نے عرض کیا کیا آپ کے وفات کے بعد بھی یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا ہاں خدائے تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء کے اجساد کو کھائے۔

رہی یہ بات کہ جب حضرتؐ خود سنتے ہیں تو پھر درود سلام پہونچانے پر جو اتنے عظیم الشان و کثیر التعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا حال کچھ معلوم ہوا اور کچھ معلوم ہوگا اس سے کیا فائدہ؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی اعمال بذریعہ ملائک پیش ہوا کرتے ہیں اور باوجود اس کے صفت علمیہ کا انکار ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ شئے واحد کے حصول علم کے طریقے اگر متعدد ومختلف ہوں تو کچھ قباحت لازم نہیں آتی بلکہ اس سے کمال قدرت وعظمت الٰہی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بھی دو طریقے ٹھہرائے گئے ہیں: ایک یہ کہ صفتِ علمیہ جو کمال نشاء انسانی ہے عطا کی گئی تا اس کے حاصل کرنے میں افضل مخلوقات کی احتیاج ان ملائک کے طرف نہ ہو جو فی الحقیقت خدام آپؐ کے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ عظیم الشان ملائک اس خدمت پر مامور کئے گئے جس سے شان مصطفائی اور تزک فرمان روائی اپنے حبیب علیہ الصلوۃ و السلام کی تمام انبیاء وملائک پر آشکار ہوجائے۔ اور وہ خصوصیت وعظمت جو ازل سے سرورکائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت مرعی ہورہی ہے، جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نام مبارک کو اپنے

انجاح مرام کا وسیلہ اور ذریعہ ٹھہرایا گئے، بعد نشاء عنصری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سب پر مشہود و منکشف ہو جائے۔

سماع موتی:

امر اول یعنے علم بلاواسطہ کی نسبت یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ عموماً اموات کا سماع قریب سے بدلائل ثابت ہے، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ جو کفار بدر کے کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے ان کے طرف جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کہ ﴿**هل وجدتم ما وعد ربكم حقا**﴾ یعنے کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کیا آپ مردوں کو پکارتے ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ فرمایا ہاں **ماانتم باسمع منهم و لكن لايجيبون** یعنے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ انتہیٰ۔

اور سوائے اس کے سماع موتی کے باب میں کئی روایات و آیات وارد ہیں۔ الحاصل جب عموماً اہل قبور قریب سے سنتے ہوں تو چاہئے تھا کہ قبر شریف کے پاس اگر کوئی شخص سلام عرض کرے تو اس کی اطلاع کے واسطے فرشتہ کا توسط نہ ہوتا حالانکہ یہ سلام بھی فرشتہ ہی کے ذریعہ سے پہونچتا ہے چنانچہ تصریحاً فرماتے ہیں:

مامن عبديسلم عليّ عند قبری، اِلاوكل الله بهاملكا يبلغنی۔ رواه فی الشعب كذافی مسالك الحنفاء۔

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ مجھ پر سلام کرے گا میری قبر کے پاس تو ایک فرشتہ مقرر ہوگا کہ وہ سلام مجھ کو پہونچا دیا کرے گا۔

اور کنز العمال میں اسی حدیث کو اس طور سے روایت کیا ہے **مامن عبديسلم عليّ عند قبری اِلاوكل الله به ملكا يبلغنی۔ و كفی امر آخرته و دنياه و كنت به شهيدا يوم القيامة۔ هب عن أبی هريرةؓ**

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ عرض کرے گا مجھ پر سلام میری قبر کے پاس تو حق تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو وہ سلام مجھ کو پہونچائے گا اور کافی ہوگا اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کے لئے اور میں اس کا گواہ بنوں گا قیامت کے دن۔ انتہیٰ۔

اور قول بدیع میں امام سخاویؒ نے لکھا ہے: **وفی السمعونیات بسند ضعیف عن ابی هریرةؓ ایضاً مرفوعاً : من صلی علّی عند قبری و کل بهاملک یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له یوم القیامة شیهدا و شفیعا**

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو ایک فرشتہ مجھے وہ پہونچائے گا جو اس کام کے لئے مقرر ہوگا اور کفایت کرے گا وہ اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کو، اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور شفاعت کروں گا۔ انتہیٰ۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص قبر شریف کے پاس آ کر سلام عرض کیا کرتا تھا، حسن بن حسینؓ نے اس کو فرمایا کہ تو اور وہ شخص جو اندلس میں ہو برابر ہیں، یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دونوں کا برابر ہے چنانچہ اس قول کو بدیع میں نقل کیا ہے:

قد روی ان رجلا ینتاب قبر النبی صلی الله علیه و سلم فقال الحسن بن حسینؓ یا هذا ماانت ورجل بالأندلس سواء ۔ انتہیٰ۔

فائدہ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مقامات دور و دراز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا کرتے ہیں وہ بھی حضوری سے محروم نہیں ہیں۔ اب رہی وہ حدیث شریف جو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں سنتا ہوں اور دور سے ملائک پہنچاتے ہیں تو بعد ان دلائل کے جواب اس کا آسان ہے اس لئے کہ اس میں نفی سماع کی تصریح نہیں ہے۔ ایک طریقہ علم کا فرما دیا جس میں سامعین کو استبعاد بھی نہ ہو اور مقصود بھی حاصل ہو جائے۔

کلام میں عقل کی رعایت

چونکہ عادت شریف تھی کہ حتیٰ الامکان بحسب عقول وفہم سامعین کے کلام فرمایا کرتے تھے۔ اور پہلے سے فرشتوں کی عظمت سامعین کے اذہان میں جمی ہوئی تھی اوران کی وسعت علم کا کسی کو استبعاد نہ تھا اس لئے برعایت بعض سامعین ارشاد فرمایا کہ جو درود دور پڑھا جائے فرشتہ پہونچا دیا کرتا ہے۔فہم سامعین کی رعایت دوسری حدیثوں سے ثابت ہے چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے:

حدثواالناس بمايعرفون أتريدون ان يكذب الله ورسوله ۔ رواه الديلمی عن علی ورفعه و هوفی البخاری موقوف عليه

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیان کروتم لوگوں سے وہ باتیں جو وہ پہچانتے ہوں کیاتم چاہتے ہوکہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب ہوجائے۔انتہیٰ۔

یعنے ایسی باتیں کہنا چاہئے کہ مخاطب کی سمجھ میں آسکیں۔اوراسی مضمون کی مؤید یہ بھی حدیث ہے جوزرقانی میں مروی ہے:

وروی الحسن بن سفيان عن ابن عباسؓ يرفعه أمرت ان اخاطب الناس علی قدر عقولهم ، قال الحافظ و سنده ضعيف جدا لا موضوع

ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حکم کیا گیا میں کہ خطاب کروں لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق۔انتہیٰ۔

اسی وجہ سے جو وقائع شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمائے ہر شخص سے بیان نہ فرمایا بلکہ ہر ایک کواس کے حوصلہ کے موافق خبر دی چنانچہ توفیق احادیث معراج میں صاحب مواہب نے اس کی تصریح کی ہے۔

الحاصل کسی مصلحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع میں اپنے علم ذاتی کی تصریح نہ فرمائی جو دوسری احادیث میں مصرح ہے، ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالیٰ ایک فرشتہ کوتو اس قدر

علم سے سرفراز کرے اور خاص اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے ممتاز نہ فرمائے، بسبب غرابت مقام کے اسی پر اختصار کیا گیا۔

یہاں کلام اس میں تھا کہ تمام روئے زمین پر جس قدر درود پڑھے جاتے ہیں سب کو ایک فرشتہ سنتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی وقت عرض کر دیتا ہے۔ اور یہ طریقہ سوائے اس کے ہے جو عرش سے ہو کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود گزرانا جاتا ہے اور سوائے اس کے علیحدہ فرشتے بھی مقرر ہیں جو درود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرانتے ہیں چنانچہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے:

من صلی علیّ صلوٰۃ جاء نی بھا ملک فأقول بلغه عنی عشراً و قل له لو کان من ھذہ العشرۃ واحدۃ لدخلت معی الجنة وحلت لک شفاعتی ۔ رواہ ابوموسی المدنی عن أبی ہریرۃؓ ذکرہ فی الوسیلة العظمی

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے ایک فرشتہ وہ درود میرے پاس لاتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ میرے طرف سے دس درود اس کو پہونچا اور کہدے اگر ان دس میں سے ایک بھی ہوتو تو میرے ساتھ جنت میں داخل ہوجائے اور میں تیری شفاعت کروں۔ انتہیٰ۔

اوراسی طرح سلام پہونچانے کے لئے بھی کئی فرشتہ مقرر ہیں کہ ہمیشہ اسی کے تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ پھر جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً گزران دیتے ہیں چنانچہ مسالک الحنفا میں روایت ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال ان للہ ملائکة سیاحین یبلغونی عن امتی السلام، رواہ احمد والنسائی والدارمی و البیھقی و ابن حبان و الحاکم فی صحیحیھما وقال صحیح الاسناد

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے کئی فرشتہ مقرر کئے ہیں کہ سیاحت کیا کرتے ہیں اور پہنچاتے ہیں مجھ کو سلام میری امت کا۔ انتہیٰ۔

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف گزرانے جانے کے دو ذریعہ ہیں اسی طرح سلام عرض ہونے کے بھی دو ذریعہ ہیں: ایک جبرئیل علیہ السلام، دوسرے یہ ملائک۔

مناسب اس مقام کے اور بہت سی حدیثیں صحیح وضعیف وغیرہ ہیں، منجملہ ان کے دو تین حدیثیں یہاں بیان کی جاتی ہیں ہر چند بعض محدثین نے ان میں کلام کیا ہے مگر ہم یہاں اتباع ان محدثین کا کرتے ہیں جنہوں نے ان کو روایت کیا ہے قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں اس حدیث کو نقل کیا۔

عن انس بن مالک عن النبی صلی الله علیه و سلم قال من صلی علی صلوة تعظیما لحقی جعل الله من تلک الکلمة ملکا جناح له فی المشرق و جناح له فی المغرب ورجلاه فی تخوم الارض و عنقه ملتوية تحت العرش ، یقول الله تعالیٰ له ”صل علیّ عبدی کما صلی علی نبیّی “ فهویصلی علیه الی یوم القیامة رواه ابن شاهین فی الترغیب والدیلمی فی مسند الفردوس و ابن بشکوال و هذا حدیث منکر

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر ایک درود پڑھے میرے حق کی تعظیم کے واسطے تو حق تعالیٰ اس کلمہ سے ایک فرشتہ ایسا پیدا کرتا ہے کہ ایک بازو اس کا مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں اور پاؤں زمین کے نیچے اور عرش کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو فرماتا ہے تو درود پڑھ اس میرے بندہ پر جیسا کہ اس نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو وہ قیامت تک اس پر درود پڑھتا رہے گا۔ روایت کیا اس کو ابن شاہین نے اپنی کتاب ترغیب میں اور دیلمی نے فردوس میں اور ابن بشکوال نے۔

اور یہ روایت بھی مسالک الحنفا میں ہے: **وعن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ان الله أعطانی مالم یعط احدا من الأنبیاء و فضلنی علیهم وجعل لأمتی فی الصلوة علیّ افضل الدرجات ، وکل بقبری ملکا یقال له منطوش رأسه تحت العرش ورجلاه فی تخوم الارض السفلی وله ثمانون ألف جناح فی کل**

جناح ثمانون ألف ريشة تحت كل ريشة ثمانون ألف زغبة تحت كل زغبة لسان يسبح الله تعالىٰ و يحمده و يستغفرلمن يصلى علىّ من أمتى و من لدن رأسه إلى بطون قدميه افواه و لسن و ريش وزغب ليس فيه موضع شبرإلا و فيه لسان يسبح الله تعالىٰ و يحمده و يستغفرلمن يصلى على من أمتى حتى يموت ۔ رواه ابن بشكوال و هو غريب منكر بل لوائح الوضع لائحة عليه

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہ ملے اور مجھ کو سب نبیوں پر فضیلت دی ۔ اور اعلیٰ درجے مقرر کئے میری امت کے لیے مجھ پر درود پڑھنے میں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منطوش ہے ۔ اس کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں منتہائے زمین اسفل ہیں ۔ اور اس کے اسی ہزار بازو ہیں اور ہر بازو میں اسی ہزار پر اور نیچے ہر پر کے اسی ہزار رونگٹے اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے تسبیح وتحمید اللہ تعالیٰ کی کیا کرتا ہے اور اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے اس کے سر سے قدم کے نیچے تک تمام منہ اور زبانیں اور پر اور رونگٹے ہیں ۔ کہیں بالشت بھر جگہ اس میں ایسی نہیں کہ جس میں زبان نہ ہو اُس کا کام یہ ہے کہ تسبیح اور تحمید اللہ تعالیٰ کی اور طلب مغفرت ان لوگوں کے حق میں کیا کرے جو مجھ پر درود پڑھا کرتے ہیں مرنے تک ۔ روایت کیا اس کو بشکوال نے ۔ انتہیٰ ۔

اور وسیلۃ العظمی میں مروی ہے: **من عطس فقال ” الحمد لله على كل حال ما كان من حال وصلى الله على محمدؐ و على اهل بيته “ اخرج الله من منخره الايسر طيراً أكبر من الذباب وأصغر من الجراد يرفرف تحت العرش يقول : اللهم اغفرلقائلها. رواه ابن بشكوال عن ابن عباسؓ**

ترجمہ: روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ جو شخص چھینک کر کہے الحمد للہ الخ نکالتا ہے حق تعالیٰ اس کی ناک کے بائیں نتھنی سے ایک پرندہ مکھی سے بڑا اور ٹڈے سے چھوٹا جو عرش کے نیچے پر ہلاتا ہوا

یہ کہتا ہے (**اللھم اغفر لقائلھا**) یعنے یا اللہ بخش دے اس حمد و صلوۃ کے کہنے والے کو، روایت کیا اس کو ابن بشکوال نے انتہیٰ ۔ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ سند اس حدیث کی ٹھیک ہے مگر اس میں یزید بن ابی زیاد ہیں کہ اکثروں نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن مسلم نے اُن کی حدیث کو بطور متابعت ذکر کیا ہے ۔ انتہیٰ ۔

ف : اب یہاں بمناسبت مقام کے چند بحثیں کی جاتی ہیں ۔ اگر ناظرین اس کو پیش نظر رکھیں تو توقع ہے کہ اکثر مقامات میں بکار آمد ہوں گی :

بحث اول :

یہ ہے کہ شاید بعض لوگوں کو اس بات کے سمجھنے میں تأمل ہوگا کہ الفاظ سے پرندہ کیوں کر پیدا ہوسکے ۔ تو اس شبہہ کو یوں دفع کرنا چاہئے کہ اس قسم کے امور میں کبھی فکر کرنے کا اتفاق نہ ہوا ۔ ورنہ قطع نظر اس کے کہ قدرت خدائے تعالیٰ کی مانی جائے ۔ خود ہمارے روبرو ایک ایسا کارخانہ جاری ہے کہ جس سے اس قسم کے شبہات کا جواب ہورہا ہے ۔ دیکھ لیجئے کہ ہر روز جو غذائیں از قسم نباتات کھائی جاتی ہیں ان سے خون وغیرہ اخلاط پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے گوشت اور بعض وہ فضلات کہ جن سے اولاد ہوتی ہے ۔ اب ان صورتوں کے انقلاب کو دیکھئے کہ نبات کو حیوان سے کیا تعلق ہے جو اس سے یہ تولید ہورہی ہے، اسی طرح اور دوسری جسمانی قوتوں کا مدار غذا ہی پر ہے حالانکہ باہم کوئی مناسبت نہیں ۔ اور اکثر لوگوں نے دیکھا ہے کہ کملے سے (جو ایک قسم کا کیڑا ہے) پرندہ پیدا ہوتا ہے اور اقسام کے کیڑوں کو ڈکوری اپنے جنس سے بنالیتی ہے ۔

الحاصل تعمق نظر سے بہت نظیریں مل سکتی ہیں جن سے معلوم ہوجائے کہ توالد کے لئے جنسیت شرط نہیں، یعنے ضروری نہیں کہ ہر چیز اپنی جنس ہی سے پیدا ہوا کرے ۔ پھر اگر انہیں محسوسات میں مشاہدہ سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو اکثر لوگوں کی عقل اُس کے سمجھنے میں حیران ہوجائے ۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی خبر دے کہ غلے اور پتوں سے آج ایک لڑکا پیدا ہوا تو یکا یک یہ سمجھ میں نہ آئے گا حالانکہ

یہی بات ایک اعتبار سے صحیح بھی ہے، پھر یہ تولید جو سمجھ میں آتی ہے یہ بھی بطفیل مشاہدہ کے ہے ورنہ عقل اس کو بھی باور نہ کرتی، اس سے معلوم ہوا کہ مدار ایسی عقل کا صرف مشاہدہ پر ہے اس عقل کے روبرو جب تک چراغ مشاہدہ کا نہ ہو ایک قدم نہ چل سکے گی اور منزل مقصود تک کبھی نہ پہنچائے گی اگر منظور ہو امتحاناً کسی سے پوچھ دیکھئے کہ تم نے کسی جسم کو مثلاً دیوار کو کبھی آنکھ سے دیکھا بھی ہے یا یوں ہی صرف عقل سے جانتے ہو کہ جسم ہے تو غالبًا یہی کہے گا کہ جسم شئے محسوس ہے ہمیشہ دیکھا کرتے ہیں۔ پھر پوچھئے کہ جسم کس کو کہتے ہیں۔ یہی کہے گا کہ جس کو طول عرض عمق ہو۔ پھر پوچھئے کہ بھلا طول وعرض تو دکھائی دیتا ہے۔ کیا عمق یعنے دَل بھی نظر آتا ہے۔ اب اگر کہے کہ ہاں نظر آتا ہے تو جھوٹ ہے کہ سطح کے اندر جسم میں نظر نہیں گھستی۔ اور اگر کہے نہیں، تو معلوم ہوا کہ جسم کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کیونکہ جسم کا دیکھنا تو جب ہی صادق آئے کہ اس کے تینوں جز دیکھا ہو اور جو اس سے ایک بھی نہ دیکھا تو وہ جسم نہ ہوا بلکہ جس چیز کو دیکھا وہ سطح ہے جو جسم کا ایک عرض ہے، اب دیکھئے کہ سمجھ رہے تھے کہ جسم نظر آتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ جسم کا ایک عرض نظر آتا ہے حالانکہ جسم جوہر ہے۔ اس سے بھی عقل کا حال معلوم ہوگیا کہ اکثر حکم میں غلطی کیا کرتی ہے پھر ہر شخص کو اسی عقل پر ناز ہے کہ جس سے بڑے بڑے عقلا پر اعتراض کر دیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عقل لگانے پر بعض لوگ مستعد ہو جاتے ہیں سو یہ بڑی خطر کی بات ہے ہر مسلمان کو اس سے بچنا لازم ہے ورنہ کہیں حال اُن لوگوں کا سا نہ ہو جائے جو **لاالٰہ الا اللہ** سن کر کہنے لگے ﴿**اجعل الاٰ لھة الھٰا واحدا ان ھٰذا لشئ عجاب**﴾ یعنے کیا بنا دیا (آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) تمام معبودوں کو ایک معبود یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی، دیکھ لیجئے کہ اسی عقل نارسا نے ان کو کیسے بے راہ چلایا اور آخر کہاں پہنچا دیا۔

دوسری بحث:

یہ ہے کہ شاید اتنے بڑے فرشتہ کا وجود مستبعد سمجھا جائے گا تو دیکھنا چاہئے کہ یہ استبعاد کس چیز

سے ناشی ہے آیا تخلیق اس کی مستبعد ہے یا وجود فی نفسہ۔ تخلیق میں استبعاد کی گنجائش نہیں اس لئے کہ چھوٹی سی چھوٹی مخلوق اور بڑی سی بڑی تخلیق کے حق میں برابر ہے۔ کیوں کہ وہاں تو سوائے قول 'کن' کے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ **انما قولنا لشئ اذا اردنه ان نقول لہ کن فیکون** یعنے جب ہم ارادہ کرتے ہیں کسی چیز کے پیدا کرنے کا تو صرف ''کُن'' کہہ دیتے ہیں اور وہ پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر جب حق تعالیٰ اس کو پیدا کردے تو وجود اس کا ضروری ٹھہرا۔ اب اس کو عقل سے دور سمجھنا عقل کی کوتاہی پر دلیل ہوگا۔

تیسری بحث:

یہ ہے کہ قسطلانیؒ نے ان بعض حدیثوں کی نسبت جو کہا ہے کہ منکر ہیں اور آثار وضع کے ان سے نمایاں ہیں سو اس میں تصریح اس امر کی نہیں کہ واقع میں موضوع ہیں یہ بحث فن اصول حدیث سے متعلق ہے ہم نے اس باب میں ایک رسالہ ''الکلام المرفوع فی الحدیث الموضوع'' لکھا ہے اس میں محدثین کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اس قسم کے اطلاقات سے یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ الفاظ حدیث قطعاً موضوع اور کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔

حق تعالیٰ کا درود بھیجنا:

قولہ: بھیجتا ہے خود درود اس فخر عالم پر مدام۔ الخ

قال اللہ تعالی ﴿ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یآ ایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما ﴾

ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اے وہ لوگو جو ایمان لائے درود بھیجو تم ان پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

اس مقام میں چند فوائد لکھے جاتے ہیں جن پر اہل ایمان کو مطلع ہونا مناسب بلکہ ضرور ہے:

صلوٰۃ کے معنی

ا۔ فائدہ معنے صلوٰۃ میں

صلوٰۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں چنانچہ خطیب شربینیؒ نے تفسیر میں لکھا ہے: **الصلوٰۃ فی اللغۃ الدعاء ، قال تعالی : وصل علیھم ای ادع لھم** اور بخاری شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال الملٰئکۃ تصلی علی احدکم مادام فی مصلاہ مالم یحدث تقول اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ .

ترجمہ روایت ہے ابو ہریرہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ملائک صلوۃ بھیجتے ہیں جب تک کوئی تم میں کا اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے جب تک کہ حدث نہ کرے، کہتے ہیں وہ: یا اللہ بخش دے اُس کو یا اللہ رحم کر اُس پر۔ انتہیٰ۔

صلوٰۃ کی تفسیر اس دعا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ لیکن چونکہ معنی دعا کے اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ پر صادق نہیں آسکتے اس لئے اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

بعضوں نے کہا کہ اس سے رحمت مراد ہے، تا مرادی اور لغوی معنی میں مناسبت ہو اور وجہ مناسبت کی یہ ہے کہ رحمت لازم اور غایت دعا کی ہے چنانچہ مواہب لدنیہ اوراس کی شرح میں لکھا ہے: **(قال المبرد الصلوٰۃ من اللہ الرحمۃ) ای الانعام أو ارادتہ لأن المعنی الحقیقی للدعاء لایتصور فی حق اللہ تعالیٰ فارید بہ لازمہ و غایتہ** اور یہی معنے بعض احادیث میں مصرح بھی ہیں چنانچہ درمنثور میں امام سیوطیؒ نے روایت کیا ہے:

واخرج عبدالرزاق و ابن المنذر وابن ابی حاتم عن الحسن فی قولہ ﴿ھوالذی یصلی علیکم﴾ قال ان بنی اسرائیل سألوا موسیٰ : ھل یصلی ربک ؟ فکان ذلک کبرفی صدر موسیٰ فاوحی اللہ علیہ اخبرھم انی أصلی وان صلوٰتی رحمتی سبقت غضبی . و اخرج عبد بن حمید عن شھر بن حوشب فی الأیۃ قال قال بنو اسرائیل :

یاموسی سل لناربک هل یصلی ؟ فتعاظم ذلک علیه ، فقال یا موسی مایسألک قومک ؟ فاخبره ، قال : نعم أخبرهم انی اصلی وان صلوتی ان رحمتی سبقت غضبی ولولاذلک هلکوا

ترجمہ ﴿**هوالذی یصلی علیکم**﴾ کی تفسیر میں روایت ہے کہ سوال کیا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ''**هل یصلی ربک**'' اورشہر بن حوشب کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے درخواست کی موسی علیہ السلام سے کہ حق تعالیٰ سے اس امر کا سوال کریں، الغرض شاق ہوئی یہ بات موسیٰ علیہ السلام پر پس استفسار فرمایا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہ کیا پوچھتی ہے قوم تمہاری؟ پس عرض کیا انہوں نے سوال ان کا ، ارشاد ہوا ہاں میری صلوٰۃ رحمت ہے جو سابق ہوئی میرے غضب پر اگر نہ ہوتی یہ صلوٰۃ ہلاک ہوجاتے وہ لوگ ۔ انتہی ۔ موسیٰ علیہ السلام پر ان کا سوال جو شاق گذرا سو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا سمجھے جو حق تعالیٰ کی نسبت محال ہے، پھر حق تعالیٰ نے خود تصریح فرمادی کہ میری صلوٰۃ میری رحمت ہے پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہوا کرتی ہے اور یہی ہے مذہب ابن عباسؓ اور عکرمہ اور ضحاک اور سفیان ثوری وغیرہ اہل علم کا اور ایک قول ابوالعالیہ کا بھی یہی ہے چنانچہ ''**الدر المنضود فی الصلوٰۃ علی صاحب المقام المحمود**'' میں ابن حجر ہیثمیؒ نے لکھا ہے: **وقیل هی (ای الصلوٰۃ) منه تعالی رحمة ۔ و نقله الترمذی عن الثوری وغیر واحد من اهل العلم و نقل عن ابی العالیة ایضاً وعن الضحاک .**

اور درمنثور میں ہے **و اخرج عبد بن حمید و ابو المنذر عن عکرمة قال صلوة الرب الرحمة و صلوٰۃ الملائکة الاستغفار .** اور مسالک الحنفا میں قسطلانیؒ نے لکھا ہے: **قال ابن عباسؓ ارادالله ان یرحم النبی صلی الله علیه و سلم و ملائکته یدعون وهو معنی قول الضحاک صلوٰۃ الله رحمته .** اور امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے **الصلوٰۃ**

من الله عزوجل هی رحمته و من الملائكة الاستغفار ، و من الامة الدعاء و التعظيم
اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ مراد اس سے ثنا ہے **كمافي البخاری قال ابو العالية صلوٰة الله ثناؤه عليه عند الملائكة** اور اسی قول کو ابن قیم نے پسند کیا ہے چنانچہ مسالک الحنفا میں قسطلانیؒ نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جلاء الافہام میں ابن قیم نے چھ وجہ قائم کئے ہیں کہ صلوٰۃ کے معنے رحمت نہیں ہو سکتے:

ایک یہ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**اولئک عليهم صلوات من ربهم و رحمة**﴾ یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور عطف مقتضی مغایرت کو ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ رحمت غیر صلوٰۃ ہے۔

دوسری یہ کہ صلوٰۃ خاص انبیاؑء اور مومنین کے واسطے ہے اور رحمت عام ہے اور ہر شئے کو شامل ہے۔

تیسری یہ کہ اگر صلوٰۃ بمعنی رحمت کے ہو تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہئے کہ اللھم ارحم سیدنا محمد او آل سیدنا محمد کہنے سے وجوب ساقط ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چوتھی یہ کہ اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے مثلاً کھانا کھلایا تو **رحمه** کہتے ہیں نہ کہ صلی علیہ یعنے یہاں رحمت صادق آتی ہے اور صلوٰۃ صادق نہیں آتی۔

پانچویں یہ کہ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو یہ آیۂ شریفہ کے یہ معنے ہوں گے (اللہ تعالیٰ اور فرشتے رحمت اور استغفار کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو تم دعا کرو ان کے لئے) حالانکہ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اول و آخر کلام اس معنے پر باہم مرتبط نہیں ہوتا۔ بر بخلاف اس کے کہ معنی صلوٰۃ کے ثنا ہوں تو تینوں جائے مضمون ایک ہو جائے گا۔ ثناء اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی تو ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ صلوٰۃ مومنین کی بصورت دعا ہے، تو وہ بھی متضمن ثنا ہوگی کیونکہ ثنا کا حق تعالیٰ سے طلب کرنا بھی ایک قسم کی ثنا ہے۔ اور قطع نظر اس کے طالب رحمت کو مسترحم کہتے ہیں نہ کہ مصلی جیسے طالب مغفرت کو مستغفر کہتے ہیں۔

چھٹی یہ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا﴾ یعنے مت پکارو تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو یعنے رسول وغیرہ القاب سے پکارنا چاہیئے صرف نام لے کر پکارنا درست نہیں اور یہ نہی صرف کفار کو تھی ورنہ اہل اسلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات جب خطاب میں تھی تو جو اس کے معنی میں ہے یعنی دعا اس میں بھی یہی لحاظ چاہیئے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا بھی ایسی کرنا چاہیئے جو کسی کے واسطے نہ کی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ دعا رحمت کی ہر مسلمان بلکہ کفار و حیوانات کے واسطے بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ استسقا میں کہا جاتا ہے اللھم ارحم عبادک و بلادک و بھائمک یعنے یا اللہ رحم کر اپنے بندوں پر اور شہروں پر اور جانوروں پر۔ الحاصل ان وجوہات سے صلوٰۃ کے معنی رحمت لینا درست نہیں۔ انتہی ملخصا۔

اور بعضوں نے کہا مراد اس سے مغفرت ہے کمافی مسالک الحنفاء : و ثانیھا ان صلوٰۃ اللہ مغفرتہ ورجّح القراء فی ھذا و قربہ البیضاوی . اور مواہب لدنیہ میں ہے: وروی ابن ابی حاتم عن مقاتل بن حیان قال صلوٰۃ اللہ مغفرتہ و قال الضحاک بن مزاحم صلوٰۃ اللہ رحمتہ و فی روایۃ عنہ مغفرتہ۔ حاصل یہ کہ بیضاوی نے صلوٰۃ اللہ کی تفسیر مغفرت کے ساتھ کی ہے اور میلان قرّا کا بھی اسی طرف ہے اور یہی قول مقاتل کا ہے اور ضحاک بن مزاحم سے بھی ایک روایت ایسی ہی وارد ہے۔ ان حضرات کی دلیل شاید یہ حدیث ہوگی جس کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے:

حدثنی یعقوب الدورقی حدثنا ابن علیۃ حدثنا ایوب عن محمد بن سیرین عن عبدالرحمٰن بن بشیر بن مسعود الانصاری قال لمانزلت ﴿ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یآیھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما ﴾ قالوا : یارسول اللہ

هذاالسلام قد عرفناه ، فكيف الصلوٰة و قد غفر الله لک ماتقدم من ذنبک و ماتأخر ؟ قال : قولوا اللهم صل على محمد كما صليت على آل ابراهيم اللهم بارک على آل محمد كمابارکت على آل ابراهيم

ترجمہ: روایت ہے عبدالرحمٰن بن بشیرؓ سے کہ جس وقت نازل ہوئی آیۂ شریفہ **ان اللہ و ملٰئکته** تو عرض کیا صحابہ نے یا رسولؐ اللہ اس سلام کی کیفیت تو ہمیں معلوم ہے لیکن صلوٰۃ آپ پر کیوں کر ہوسکے کہ اگلے پچھلے گناہ آپ کے حق تعالیٰ نے بخشدیئے ہیں، فرمایا کہو **اللهم صل على محمد** الخ ۔ انتہیٰ ملخصا ۔

سوالِ صحابہؓ سے صاف معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کے معنے مغفرت سمجھے گئے اور ظاہر ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے اور پہلے ہی مغفرت ہوچکی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**ليغفر لک الله ماتقدم من ذنبک و ما تاخر**﴾ اس لئے صلوٰۃ کے امتثال میں ضرورت سوال کی ہوئی پھر جب ارشاد ہوا کہ کہو **اللهم صل** تو گویا صحابہ نے امتثالاً للامر تسلیم کرلیا۔

اور سوائے اس کے یہ بھی دلیل ان کی ہوسکتی ہے کہ اس آیۂ شریفہ میں کمال درجہ کی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحسب اجماع ثابت ہے **کمافی المواهب اللدنية : والاجماع منعقد على ان فى هذه آلاية من تعظيم النبى صلى الله عليه و سلم والتنويه ماليس فى غيره** اور جیسے رحمت میں اختصاص آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا نہیں رہتا ویسا ہی ثنا میں بھی کوئی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کی ثنا کیا کرتا ہے: **كمافى الدر المنثور للسيوطیؒ : و اخرج ابن ابى حاتم عن ابى العالية فى قوله ﴿هو الذى يصلى عليكم و ملٰئكته﴾ قال صلوٰة الله ثناؤه و صلوٰة الملٰئكة الدعاء .** البتہ مغفرت قطعیہ خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کما قال تعالیٰ : ﴿**انا فتحنالک فتحا مبينا ليغفرلک الله ما تقدم من ذنبک و ما تاخر**﴾ اور کسی دوسرے کو

یہ بات نصیب نہیں۔ کماروی القاضی عیاضؒ فی الشفا : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بعثت بین یدی الساعة ، و منہ روایة ابن وھب انہ صلی اللہ علیہ و سلم قال قال اللّٰہ تعالیٰ : سل یا محمدؐ ، فقلت : ما اسأل یارب ؟ اتخذت ابراھیم خلیلاو کلمت موسیٰ تکلیما و اصطفیت نوحاً و اعطیت سلیمان ملکا لاینبغی لأحدمن بعدہ ، فقال اللہ تعالیٰ ماا عطیتک خیرمن ذلک ، اعطیتک الکوثر وجعلت اسمک مع اسمی ینادی بہ فی جوف السماء وجعلت الارض طھوراً لک ولأمتک و غفرت لک ماتقدم من ذنبک وتأخرفانت تمشی فی الناس مغفورا لک ۔ ولم اصنع ذلک لاحد قبلک ، وجعلت قلوب امتک مصاحفھا و خبأت لک شفاعتک ولم اخباھالنبی غیرک

ترجمہ روایت کیا قاضی عیاضؒ نے شفا میں اور کہا ملاعلی قاری نے شرح میں کہ روایت کیا اس کو احمد نے بسند حسن ابن عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ مانگو، میں نے عرض کیا اے پروردگار کیا مانگوں تو نے ابراہیمؑ کو خلیل بنالیا اور موسیؑ سے کلام کیئے نوحؑ کو برگزیدہ کیا اور سلیمانؑ کو وہ ملک دیا جو ان کے بعد دوسرے کو سزاوار نہیں، ارشاد ہوا جو تم کو میں نے دیا وہ ان سب سے بہتر ہے، تم کو کوثر دیا تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ رکھا جو پکارا جاتا ہے آسمان میں اور تمہارے اور تمہاری امت کے لئے زمین کو طہور اور پاک بنایا اور اگلے پچھلے گناہ تمہارے بخشد یئے اب لوگوں میں تم مغفور ہو یہ عطائیں پہلے کسی کے لئے نہ ہوئیں تمہاری امت کے دلوں کو مصحف بنایا اور مقرر کر رکھی ہے تمہارے لئے شفاعت کسی نبی کے واسطے یہ بات نہ ہوئی۔ انتہیٰ۔

چونکہ دوسرے انبیاء کو یہ قطعیت مغفرت حاصل نہیں اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام روزحشر مقام خوف میں ہوں گے، چنانچہ حدیث شریف سے جو بخاری شریف میں بکرات ومرات وارد ہے یہ بات ظاہر ہے۔

اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ مراد اس سے سلام ہے **کمافی المواھب وجوز الحلیمی ان یکون الصلوٰۃ بمعنی السلام .** شاید دلیل اس قول کی یہ ہوگی کہ مغفرت **ما تقدم و ماتاخر** وقت واحد میں بالکلیہ ہوچکی اس میں تجدد واستمرار صادق نہیں آتا حالانکہ آیۂ شریفہ سے تجدد واستمرار ثابت ہے جیسا کہ قریب معلوم ہوگا البتہ سلام میں استمرار ہوسکتا ہے اور سوائے اس کے ابن قیم کے ان بعض دلیلوں سے اس قول کا بھی ابطال ہوتا ہے

ثناء و تعظیم

اور بعضوں کا قول ہے کہ مراد اس سے ثناء و تعظیم یا فقط تعظیم ہے **کمافی المواھب ، و قیل صلوٰته علی خلقه تکون خاصة و تکون عامة فیکون صلوته علی انبیائه ھی ما تقدم من الثناء و التعظیم ، و صلوته علی غیرھم الرحمة التی وسعت کل شئ ، وقال الحلیمی فی الشعب معنی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیه و سلم تعظیمه .** اور اسی کے قریب یہ قول بھی ہے کہ مراد اس سے تشریف و زیادت تکریم ہے **کمافی المواھب وحکی القاضی عیاض عن بکر التستری انه قال الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیه و سلم من اللہ تشریف و زیادۃ تکرمة** ۔شاید دلیل ان اقوال کی یہ ہوگی کہ آیۂ شریفہ میں ﴿**صلوا علیه و سلموا**﴾ سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کچھ اور ہے اور سلام اور، چنانچہ صحابہؓ نے یہی سمجھا اور سوائے اس کے سلام میں بھی کوئی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ﴿**سلام علی الیاسین**﴾ وغیرہ اکثر وارد ہوا ہے۔

الحاصل ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم وخصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جائے اور علو شان و رفعت منزلت درود شریف کی ثابت ہو یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ سے رحمت مراد لی ہے ان کا بھی مطلب یہ نہیں کہ وہ رحمت عامہ ہے بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص کی گئی ہے۔ چنانچہ زرقانی نے اسی

قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحب مواہب نے اس قول پر وارد کیا ہے کہ اس آیۃ ﴿اولئک علیهم صلوات من ربهم و رحمة﴾ سے صلوٰۃ و رحمت میں مغایرت ثابت ہے، حيث قال وأجيب بان الصلوٰة الرحمة المقرونة بالتعظيم فهی اخص من مطلق الرحمة و عطف العام على الخاص كثر مستعمل

اور اس تقریر سے صاحب مواہب کا یہ اعتراض بھی دفع ہوجاتا ہے کہ جب یہ آیۃ شریفہ نازل ہوئی صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا یعنے السلام عليك ايها النبی و رحمة الله و بركاته، صلوٰۃ آپ پر کس طور پڑھیں۔ فرمایا کہو اللهم صل على محمد الحديث. سو اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہی ہوتے تو فرما دیتے سلام میں ہی تم نے اس کو بھی جان لیا کیونکہ اس میں (ورحمت اللہ و برکاتہ) موجود ہے۔ یہ اعتراض اس وجہ سے دفع ہوسکتا ہے کہ رحمۃ اللہ سے مراد رحمت عامہ ہے اور صلوٰۃ سے مراد رحمت خاصہ۔ اور ضروری نہیں کہ عام کے معلوم ہونے سے خاص بھی معلوم ہوجائے، كما قال الزرقانی والجواب ماقد علم فسؤالهم دل على ان الصلوٰة أخص من مطلق الرحمة.

پھر جب صلوٰۃ رحمت خاصہ کا نام ٹھہرا تو رحمت کے ذکر سے صلوٰۃ کا ذکر لازم نہیں آتا کیونکہ جہاں خاص کا ذکر مقصود ہو عام کا ذکر کافی نہیں جیسا کہ انسان کا ذکر جہاں مقصود ہو وہاں حیوان کہنا درست نہ ہوگا اسی وجہ سے ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت رحمہ اللہ تعالیٰ کہنا درست نہیں كما قال السخاوی فی القول البديع : جزم ابن عبدالبر بالمنع فقال لايجوز لأحد اذا ذكر النبی صلى الله عليه و سلم ان يقول رحمه الله لانه قال من صلى عليّ ولم يقل من ترحم عليّ ولا من دعا لی، و ان كان معنى الصلوٰة الرحمة ولكنه خص لهذا اللفظ تعظيما له فلايعدل الى غيره ويؤيده قوله تعالىٰ ﴿لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا﴾ اس تقریر سے پانچ

اعتراض ابن قیم کے بھی دفع ہوگئے۔

باقی رہا چھٹا اعتراض ان کا، اس کا جواب یہ ہے کہ **اللھم صل الخ** کی ہیئت ہر چند دعا کی ہے مگر جب فکیف الصلوٰۃ کے جواب میں وہ ارشاد ہوا تو بحسب تعیین شارع صلوٰۃ اسی کا نام ہوگا۔ اسی وجہ سے ان الفاظ مشروعہ کو کوئی پڑھ لے تو **صلی علی النبی** صلی اللہ علیہ و سلم کہنا صادق آجائے گا نہ **دعاله** حالانکہ وضع صیغہ دعا کے واسطے ہے۔

نکتہ: یہ امر ظاہر ہے کہ جس کام کا حکم حق تعالیٰ نے فرمایا اس کے امتثال میں کوئی کام کیا جاتا ہے مثلاً نماز کے حکم پر قیام و رکوع وغیرہ ادا کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم پر بھوکے پیاسے رہتے ہیں بخلاف اس کے درود شریف پڑھنے کے لئے جب ﴿صلوا﴾ ارشاد ہوا تو کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے **اللھم صل علیه** یہ تو بلاتشبیہ ایسا ہوا جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں ﴿فقاتلا﴾ کہا یعنے تم ہی لڑلو۔ وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عہدہ برائی اس کی کسی سے نہ ہوسکے گی فرمایا یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کے تفویض کر دیا کرو یعنے تفویض کر دینا ہی صلوٰۃ ہوجائے گا اسی مسئلہ میں امام ابومنصور ماتریدی نے اپنی تفسیر مسمی بہ ''تاویلات القرآن'' میں اسی قسم کی تقریر کی ہے کما قال: **والاشكال ان فی الآیة الأمر للمؤمنین ان یصلوا علی النبی ثم قال: لماسئل عن کیفیة الصلوٰة علیه و ماهیتها فقال ان یقولوا اللهم صل علی محمد و هذا سوال من الله تعالیٰ ان یتولی بنفسه الصلوٰة علی محمد علیه السلام، و فی ظاهر الآیة هم المأمورون یتولون الصلوٰة بانفسهم علیه فکیف یخرجون عن الأمر بالصلوٰة علیه بالدعاء و السوال من الله تعالیٰ بالصلوٰة علیه فنقول هم أمروا بالصلوٰة وهی الغایة من الثناء علیه و لکنه لم یر النبی صلی الله علیه و سلم فی وسعهم وطاقتهم القیام بغایة مأمروا به من الثناء علیه فامرهم ان یکلوا ذلک الی الله تعالیٰ و یفوضوا الیه وان یسألوه لیتولی ذلک هو**

دونهم لم یرفی وسعهم القیام بغایة الثناء علیه وإلا فلیس فی ظاهر الآیة سوال للرب تعالیٰ ان یصلی هو بنفسه علیه ولکن فیها الأمر للذین اٰمنوا بأن یصلوا علیه و الله أعلم۔

حقائق اشیاء

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک حقیقت اور ہویت مختصہ حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**واعطی کل شی ء خلقه**﴾ **وایضا قال** ﴿**انا کل شیء خلقنٰه بقدر**﴾ اور نظائر اس کے بہت ہیں جیسا کہ موت کی صورت دنبے کی ہے اور قیامت میں ذبح کی جائے گی۔ اور نیل وفرات کی حقیقت کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا **کمافی کنزالعمال من البخاری:**

رفعت الی سدرة المنتهیٰ ، منتهاها فی السماء السابعة نبقهامثل قلال هجر و ورقهامثل اٰذان الفیلة فاذا اربعة انهار : نهران ظاهران و نهران باطنان ، فاماالظاهران النیل والفرات والباطنان فنهران فی الجنة ۔ الحدیث

یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس میں نے دونہریں دیکھیں دو ظاہر کی دو باطن کی ، ظاہر کی دونہریں نیل وفرات ہیں اور باطن کی جنت میں دونہریں ہیں ۔

اسی طرح ایک خزانہ ہے جس میں اچھے اچھے اخلاق رکھے ہیں **کمافی الجامع الصغیر للسیوطی :**

ان محاسن الاخلاق مخزونة عندالله تعالیٰ فاذا احب الله عبدا منحه خلقا حسنا الحکیم عن العلاء بن کثیر مرسلا

ترجمہ: روایت ہے علاء بن کثیر سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کے پاس مخزون ہیں جب کسی کو حق تعالےٰ دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی اچھا خلق عنایت فرماتا ہے۔

اور جامع الصغیر میں ہے الحمدللہ تملأ المیزان و التسبیح و التکبیر یملأ السمٰوات والارض و الصلوٰۃ نور . الحدیث حم ن ہ حب عن ابی مالک الاشعریٰ

ترجمہ: فرمایا حضرتؐ نے الحمدللہ میزان کو بھر دے گا اور تسبیح و تکبیر آسمانوں کو اور زمین کو بھر دیتی ہیں اور نماز نور ہے۔

اور زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے و اخرج احمد و ابن حبان والضیاء برجال الصحیح عن جابر مرفوعاً اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جاء نی بہ جبریل علیہ قطیفۃ من سندس

یعنے میرے پاس دنیا کی کنجیاں لائی گئیں جن کو جبریل علیہ السلام ابلق گھوڑے پر میرے پاس لائے۔

اور اس قسم کی روایتیں بکثرت موجود ہیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے لیکن بعضوں کا وجود اس عالم میں محسوس ہے اور بعضوں کا محسوس نہیں چنانچہ احادیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے، پھر ہر حقیقت دوسری سے ممتاز ہے بہ تشخص خاص چنانچہ ان ہی احادیث سے یہ بات بھی ظاہر ہے اور یہ حدیث بھی اس پر دلیل ہے جو کنزالعمال میں ہے

اذا کان یوم القیامۃ جاء الإیمان والشرک یجثوان بین یدی الرب فیقول للایمان انطلق انت واھلک الی الجنۃ ک فی تاریخہ عن صفوان بن عسال

ترجمہ: روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے روز ایمان اور شرک حاضر ہوں گے اور حق تعالیٰ کے روبرو دوزانو بیٹھ جائیں گے ایمان کو ارشاد ہوگا کہ تو اپنے اہل کے ساتھ جنت میں چلا جا۔ انتہیٰ۔ اسی طرح درود شریف کا بھی حال سمجھنا چاہئے کہ ایک شئے ممتاز ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں اور نہ ادراک اس کا حواس جسمانیہ سے ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے متعلق ہے اور تعجب نہیں کہ حضرت ﷺ اس کو

دیکھ بھی لیتے ہوں کیونکہ ملکوت وغیرہ عوالم کی اشیاء جن تک خیال کی رسائی دشوار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس تھیں ۔ اس سے بڑھ کر کیا چاہئے کہ قیامت کی اشیاء کو یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے ۔ **کمافی الفردوس للدیلمی :**

عن جابرؓ ان الله رفع لی بیت المقدس وانا عندالکعبة فجعلت انظر الیه والی مافیه ولقدرأیت جهنم واهلها فیها و اهل الجنة فی الجنة قبل ان یدخلوها کماانظر الیکم

یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس روبرو میرے کیا گیا جس کو میں دیکھ رہا تھا اور قبل اس کے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں میں ان کو اپنے اپنے مقامات میں دیکھ لیا ہوں جس طرح تم کو دیکھتا ہوں

و فی المواهب روی الشیخان من حدیث عقبة بن عامر قال : صلی رسول الله صلی الله علیه و سلم علی قتلی أحد بعد ثمان سنین کا لمودع للأحیاء والأموات ثم طلع المنبر فقال : انی بین ایدیکم فرط و انا علیکم شهید وان موعدکم الحوض وانی لانظر الیه وأنافی مقامی هذا وانی قداعطیت مفاتیح خزائن الأرض ۔ الحدیث ۔

ترجمہ : نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر آٹھ سال کے بعد، جیسا کہ کوئی رخصت کرتا ہے زندوں اور مردوں کو، پھر چڑھے حضرتؐ منبر پر اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے میر منزل ہوں اور تمہارا شاہد ہوں اور ہمارے اور تمہارے ملنے کی جائے حوض ہے جس کو میں اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھ کو دی گئیں ۔ انتہیٰ ۔

اور سوا اس کے اس دعویٰ پر اور بہت سی دلیلیں ہیں ۔ الغرض صلوٰۃ کا ادراک و احساس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے دوسرا اس پر واقف ہو نہیں سکتا، جیسا کہ کور ما درزاد سیاہ وسفید پر مطلع نہیں ہوسکتا ۔ اور مثال اس کی ایسی سمجھنا چاہئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال

یعنی پے در پے روزے بلا افطار رکھنا شروع کئے، صحابہؓ نے بھی اتباع کا قصد کیا ارشاد ہوا کہ مجھ کو اپنے پر قیاس مت کرو کھلاتا ہے مجھ کو میرا رب اور پلاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے **عن ابی سعید الخدریؓ أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم یقول لا تواصلو افأیکم أرادأن یواصل فلیواصل حتی السحر ، قالوا فانک تواصل یارسول اللہ ، قال : لست کھیئتکم انی أبیت لی مطعم یطعمنی و ساق یسقینی . و فی روایة منه یطعمنی ربی و یسقینی ۔**

اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پانی کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور **لست کھیئتکم** وغیرہ کیوں فرماتے۔ ایسا ہی صلوٰۃ کا ادراک واحساس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے اور تعجب نہیں کہ **وقرة عینی فی الصلوٰة** سے اسی کے طرف اشارہ ہو، اگر چہ اکثر محدثین نے معنی اس کے نماز کے لئے ہیں مگر اس پر کوئی قرینہ نہیں، بخلاف معنی درود کے کہ اس پر یہ حدیث قرینہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی **مامن عبد یصلّی علیّ إلاعرج بهاملک حتی یجئ بها وجاه الرحمٰن فیقول اللہ عزوجل اذهبوا بهاإلی قبر عبدی یستغفر لقائلها و تقربها عینه ۔ الدیلمی عن عائشةؓ کذافی کنزالعمال** یعنی درود جب حق تعالیٰ کے پاس گزرانا جاتا ہے تو فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کو لیجاؤ تا اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ انتہیٰ۔ اسی وجہ سے بعضوں کا مذہب یہی ہے کہ مراد **قرة عینی فی الصلوٰة** سے درود ہے **کماقال القسطلانی فی مسالک الحنفاء ، معنیٰ قرة عینی فی الصلوٰة فی حدیث حبّب لی من دنیاکم ثلاث النساء والطیب و جعلت قرة عینی فی الصلوٰة ، الصلوٰة التی ذکرهافی قوله تعالیٰ ان اللہ و ملٰئکته عند بعض ۔ انتهیٰ۔** یہ تو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا حال تھا، اب رہی صلوٰۃ ملائکہ اور مومنین

سو محدثین نے لکھا ہے کہ مراد اس سے استغفار و دعا ہے، وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ یعنی رحمت خاصہ کا خزانہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو اس میں دخل نہیں۔ خیر خواہوں کا کام صرف دعا گوئی ہے۔ اور وہ بھی صرف اس غرض سے کہ ہم بھی دعا گو رہیں ورنہ پیاپے رحمت خاصہ کا اترنا بغیر دعا کے ہمیشہ جاری ہے جیسا کہ خود حق تعالیٰ اس آیۃ شریفہ میں بصیغہ استمرار اس کی خبر دیتا ہے۔ مگر چونکہ اس دعا و استغفار پر بھی صلوٰۃ ہی کا اطلاق فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس صلوٰۃ کی صورت دعائیہ کو بدل کر اسی صلوٰۃ کی صورت میں جلوہ گر فرماتا ہے جو مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور کچھ مستبعد نہیں۔ کیونکہ جب ایمان لانے والوں کی سیئات کی صورت کو بدل کر حسنات کی صورت میں جلوہ گر کرتا ہے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دعا کی صورت کو ان کی خوشنودی کے واسطے بدل دینا مالک کن فیکون کے نزدیک کونسی بڑی بات ہے، دیکھ لیجئے سیئات کو حسنات بنا دینا اس آیۃ شریفہ سے ثابت ہے، قال تعالیٰ ﴿**الا من تاب و اٰمن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنٰت و کان اللہ غفورا رحیما .**﴾

ترجمہ: مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک پس بدل دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ اس صورت میں تینوں صلوات کی صورت بالمآل ایک ہی ہوگی۔ اس پر یہ بھی قرینہ ہوسکتا ہے کہ جب آیۃ صلوٰۃ نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ، سلام کی کیفیت تو ہمیں معلوم ہوئی صلوٰۃ کا کیا طور ہوگا چنانچہ درمنثور وغیرہ اکثر کتب میں اس مضمون کی روایتیں وارد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے **و أخرج ابن أبی سعد و أحمد و عبد بن حمید و البخاری و النسائی و ابن ماجۃ و ابن مردویہ عن ابی سعید الخدری قال قلنا : یارسول اللہ ھذا السلام علیک قد علمناہ فکیف الصلوٰۃ ؟ قال : قولو أللّٰھم صل علی محمد عبدک و رسولک کماصلیت علی آل**

ابـراهيم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهيم ۔ کذافی الـدر الـمـنثور للسيوطی فی تفسير آية ان الله و ملٓـئکته اس سے معلوم ہوا کہ صلواۃ سے مراد صحابہ نے دعا نہ سمجھی ورنہ ہر شخص دعا گوئی میں مصروف ہوجاتا ، استفسار کی وجہ یہی ہوگی کہ رحمت نازل کرنا تو خاص اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس امر کا امتثال ہم سے کیوں کر ہوسکے ، ارشاد ہوا کہ تمہارا کام اتنا ہی ہے کہ ان الفاظ کو کہہ یا کرو ،اس تقریر سے ابومنصور ماتریدی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب بھی معلوم ہوگیا جو ابھی مذکور ہوا اور وہ اشکال بھی دفع ہوگیا جو قسطلانیؒ نے شرح بخاری میں وارد کیا ہے کہ ’’ان الله و مـلٓــئکتـه میں لفظ اللہ کی خبر محذوف ہے ۔یا اللہ و ملٓـئکته دونوں کی خبر يصلون ہے‘‘ یہ نہیں ہوسکتا کہ يصلون دونوں کی خبر ہو کیونکہ اللہ کی صلوٰۃ کچھ اور ہے اور ملائکہ کی کچھ اور ۔ ایک لفظ کا استعمال دو معنی مختلف میں وقت واحد میں درست نہیں ۔اور اگر کہا جائے کہ لفظ اللہ کی خبر محذوف ہے یعنی يصلی اور يصلون ملٓـئکته کی خبر ہے تو وہ بھی درست نہیں اس لئے کہ نحو میں تصریح ہوچکی ہے کہ جب معنی دو خبروں کے جدا جدا ہوں تو اس وجہ سے کہ دوسری خبر محذوف پر دلالت نہیں کرتی ایک کو حذف کرنا درست نہیں اگرچہ لفظ دونوں کا ایک ہو جیسے زید ضارب وعمرو میں اگر محذوف ضارب سے چلنے والا مراد ہو یعنی مسافر اور مذکور سے مارنے والا کماقال القسطلانی فی شرح البخاری ان الله و ملٓـئکته يصلون علـى الـنبـی اختـلف هـل يـصـلـون خبـر عن الله و ملائکته أوعن الملٓئکة فقط و خبـر الـجـلالة مـحذوف لتغاير الصلاتين لأن صلوة الله غير صلٰو تهم أی ان الله و مـلٓــئکته يـصـلـون إلا ان فيـه بحثا و ذلک أنهم نصوا علی أنه اذا اختلف مدلولا الخبرين فلايجوز حذف أحدهما لدلالة الآخر وان کانا بلفظ واحد فلا تقول زيد ضـارب و عـمرو يعنی و عمرو ضارب فی الارض ای مسافر وجہ دفع اشکال یہ ہے کہ تینوں صلوٰۃ حقیقت میں ایک ہیں اور مصداق سب کا ایک ہی قسم کا ہے، نہ مختلف ۔

نکتہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین فرمایا ہے تو گویا ذات مبارک منبع رحمت ہے کہ تمام عالموں سے متعلق رحمتوں کا افاضہ یہیں سے ہوتا ہے۔ اس لئے صلوٰۃ و رحمت الٰہی پیاپے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے تا اُدھر سے استفادہ اور ادھر سے افاضہ برابر جاری رہے۔ فائدہ اس آیۂ شریفہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وملٓئکته یصلون** یعنی اُس کے فرشتہ درود پڑھتے ہیں اور آدم علیہ السلام کے سجدہ کے باب میں فرمایا **فسجد الملٓئکة کلهم اجمعون** یعنی تمام فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا۔ اہل مذاق وجدان سلیم سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس اضافت و ترک اضافت میں کس قدر لطف رکھا ہے امر وجدانی تو بیان میں آنہیں سکتا مگر بحسب ظاہر ہر شخص اس قدر سمجھ سکتا ہے کہ اس اضافت میں کوئی معنی زائد ایسے ہوں گے جو صرف ملائک کہنے میں نہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ یہ اضافت تعریف یا تخصیص کے واسطے ہو جیسے **غلام زید** میں۔ کیونکہ زید کے سوائے دوسروں کے بھی غلام ہوتے ہیں تو غلام زید سے فائدہ تعریف یا تخصیص کا ہوگا، بخلاف ملائکہ کے اس لئے کہ سب فرشتے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں پس ملائکتہ کہنے سے نہ تعریف ہوئی نہ تخصیص۔ بلکہ اس اضافت سے یہ معلوم ہوا کہ جس فرشتہ کو نسبت حق تعالیٰ کے طرف ہے یعنی تمام فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرتے ہیں اور اس حکم سے کوئی فرشتہ مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو مستثنیٰ ہوگا اس سے یہ نسبت جاتی رہے گی اور یہ محال ہے۔ پھر یہ بات ظاہر ہے کہ سب فرشتے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، باوجود اس کے جب نسبت اپنی طرف فرمائی تو معلوم ہوا کہ صرف عزت افزائی ان کی اس نسبت سے مقصود ہے جیسے فرماتا ہے **ان عبادی لیس لک علیهم سلطٰن** یعنی جب شیطان نے آدمیوں کو گمراہ کرنے پر اپنی آمادگیاں ظاہر کیں ارشاد ہوا کہ میرے بندوں پر تیرا کچھ غلبہ نہیں حالانکہ سب بندے اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ تو جیسے **عبادی** کی اضافت سے شرافت اُن عباد کی ظاہر ہوتی ہے جو دام میں شیطان کے نہیں آتے ویسا ہی ملائکتہ کی اضافت سے شرافت ان ملائک کی ظاہر ہوتی ہے جو درود پڑھتے ہیں۔ اور شرافت

کی وجہ یہی ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی نسبت ان کے طرف کی گئی ورنہ یہی ملائک ہیں جن کا ذکر **فسجد الملٰٓئکۃ** میں بھی کیا گیا ہے۔ کچھ ایسے طور پر کہ جس سے کوئی شرافت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیوں نہ ہو حبیب کا خیر خواہ بھی اپنا ہی سمجھا جاتا ہے۔ الحاصل **و ملٰٓئکتہ یصلون** کا یہ مطلب ہوا کہ جتنے فرشتے عالم علوی اور سفلی میں ہیں سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود پڑھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو وہ فضیلت وخصوصیت عطا ہوئی کہ جس کا عوض مذہب عشاق میں شاید جان بھی فدا کریں تو نہ ہو سکے، کیونکہ عشاق اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ محبوب جب کسی عاشق کو اپنا کہدے تو اس کی کیا حالت ہوگی، غرض **و ملٰٓئکتہ** میں جو باتیں رکھی ہوئی ہیں **فسجد الملٰٓئکۃ** میں نہیں ہیں۔

تعداد ملائکہ

فائدہ : تعداد تمام ملائک کی جو ہمیشہ درود شریف کے پڑھنے میں مشغول ہیں حق تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس قدر ہے۔

چنانچہ مصرح ارشاد ہے **وما یعلم جنود ربک الاھو** ۔ترجمہ: نہیں جانتا ہے آپ کے پروردگار کے لشکروں کو کوئی سوائے اس کے۔ انتہیٰ۔ مزید توضیح کے واسطے یہاں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ شمار فرشتوں کا حد سے باہر ہے، منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو امام سیوطیؒ نے ''حبائک'' میں ذکر کیا ہے **وأخرج أبو الشیخ عن الحکم قال بلغنی انه ینزل مع المطر من الملٰٓئکۃ أکثر من ولد آدم و ابلیس یحصون کل قطرۃ واین یقع و من یرزق ذلک النبات** ۔ترجمہ: یعنی پانی کے ساتھ اس قدر فرشتے اترتے ہیں کہ ان کی تعداد آدمیوں اور جنات سے بڑی ہوئی ہے وہ ہر قطرہ کو شمار کر لیتے ہیں اور یہ بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزی پیدا ہوگی کس کا رزق ہے۔ انتہیٰ اور ایک یہ ہے جو حبائک ہی میں مذکور ہے **و اخرج ابو الشیخ من طریق مجاھد عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ**

علیه و سلم قال لیس من خلق الله اکثر من الملٓئکة مامن شئ ینبت الاملک مو کل بھا۔ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مخلوق خدا کی فرشتوں سے زیادہ نہیں ہے کوئی نبات و روئیدگی ایسی نہیں کہ جس پر ایک فرشتہ موکل اور متعین نہیں۔ انتہیٰ۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام عالم میں جس قدر موجودات ہیں سب سے زیادہ فرشتے ہیں اور خصائص کبریٰ میں سیوطیؒ نے روایت کیا ہے **و أخرج الترمذی و ابن ماجة و أبونعیم عن أبی ذرقال رسول الله صلی الله علیه و سلم انی أری ما لا ترون و أسمع ما لا تسمعون اطت السماء و حق لها ان تئط لیس فیها موضع ربع اصابع الاوملک واضع جبهته ساجداً**۔

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان بوجھ کے سبب سے چرچراتا ہے اور یہ بات اس کو سزاوار ہے کیونکہ اس میں کوئی چار انگل کی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ پیشانی رکھے ہوئے سجدہ میں نہ ہو انتہیٰ۔ اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے **عن عبدالله بن عمران الله تعالیٰ جزأ الخلق عشرة أجزاء فجعل الملٓئکة تسعة أجزاء و سائر الخلق جزء**۔ ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے دس حصے کئے، نو حصے فرشتے بنائے اور ایک حصہ تمام مخلوقات۔ انتہیٰ، اور سوائے اس کے کئی حدیثیں ہیں جن سے یہ بات ثابت ہے کہ ملائک اس کثرت سے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں اگر اس کی تفصیل پر مطلع ہونا ہو تو **الحبائک فی اخبار الملائک** جو خاص ملائک ہی کے احوال میں امام سیوطیؒ نے لکھی ہے اس کو دیکھ لیجئے۔ حاصل یہ کہ اس قدر مقربان بارگاہ الٰہی جن کی تعداد تمام عالم کے موجودات سے کئی حصہ بڑھ کر ہے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں مصروف ہیں اور خود حق تعالیٰ ہمیشہ کے لئے اس کام میں اپنی مشغولی بلاکیف ظاہر فرماتا ہے تو تھوڑے سے آدمیوں کا درود وہاں کس قطار وشمار میں ہوسکتا ہے مگر زہے شان رحمۃ للعالمین کے باوجود اس کے

امتیوں سے اس تحفہ محقرہ کی درخواست فرماتے ہیں اور وہ بھی کس خوبی کے ساتھ کہ اگر تم ایک بار درود پڑھو گے تو خدائے تعالیٰ تم پر ستر بار درود بھیجے گا اور تمام فرشتے تمہارے حق میں دعا کریں گے اور کل حاجتیں دینی و دنیاوی تمہاری روا ہوں گی ۔ اگر انصاف ہو تو معلوم ہو کہ یہ صرف بندہ نوازی ہے ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ، وہاں یہ تحفہ محقرہ کس قطار و شمار میں ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین ﷺ جن سے ہر طرح کی امیدیں ہیں ایک اس قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے ، پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفانہ ایسی دلیلیں قائم کی جائیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحتیں لازم آئیں گی ۔ نعوذ باللہ من ذلک ۔ واقع میں اُدھر سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں مگر ادھر جب تنگی حوصلہ ہو اور قابلیت و استعداد نہ ہو تو اس کا کیا علاج ؟ سچ ہے: طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست ☆ الٰہ العالمین جیسا تو نے اپنے حبیب کو ہماری خیر خواہی کی طرف متوجہ فرمایا ایسا ہی اُن ہی کے طفیل سے ہمیں فہم سلیم بھی عطا کیجئے کہ اُن کی نوازشوں اور خیر خواہیوں کو سمجھیں اور تیری اور اُن کی قدر کریں ۔

اب ہم ذرا ان حضرات سے پوچھتے ہیں (جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں) کہ کیا آپ نے کچھ اللہ تعالیٰ کی بھی قدر کی ہے یا وہ بھی صرف دعوی زبانی ہے ۔ کیونکہ اس آیۂ شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کس قدر ہوگی جو ہمیشہ کے لئے ان پر اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے ۔ پھر اگر عظمت حق تعالیٰ کی مسلم ہے تو چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہوتی ۔ برخلاف اس کے جب تعظیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق آ گیا تو معلوم ہوا کہ یہ اور امثال اس کی جو قدر دانیاں اور عزت افزائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ نے فرمائی ہیں اس کی کچھ وقعت نہیں ۔ اور یہ بالکل منافی دعویٰ عظمت کبریائی ہے ۔ میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہ

ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان نے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس نے اپنے زعم میں حق تعالیٰ کی عظمت خوب جما رکھی تھی کہ کسی کی عظمت کو اس کے دل میں مطلقاً جائے نہ تھی۔ مگر جب حق تعالیٰ نے ان کا مرتبہ ظاہر فرمایا اور اس نے ان کی بے قدری کی اور معظم نہ سمجھا صرف اسی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ گو حق تعالیٰ کی تعظیم کا اُس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا اور اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار حق تعالیٰ کو خالق ارض وسما کہتے تھے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ **ولئن سألتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللہ** مگر بت پرستی اور لوازم اس کے اس قول کو ان کے باطل کئے دیتے تھے، چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

گر بہ پرسی گبر را کاین آسمان
آفریدۂ کیست وین خلق جہاں
گوید آنہا آفریدۂ آں خدا ست
کافرینش برخدائیش گو است
کفر و ظلم واستم بسیار او
نیست لائق با چنیں اقرار اُو
فعل او کردہ دروغ آں قول را
باشد او لائق عذاب ہول را

اسی طرح جس کے دل میں درود شریف کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (جس کا ذکر قریب آتا ہے) کہ جو شخص ایک بار درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے حق تعالیٰ اس پر دس بلکہ ستر درود بھیجتا ہے۔ اب دیکھئے کہ جس کے نزدیک حق تعالیٰ کے صلوٰۃ کی کچھ بھی وقعت ہوگی تو درود شریف کی ضرور اس کو رغبت ہوگی۔ اور جب درود شریف پر رغبت نہیں جس کی وجہ سے صلوٰۃ الٰہی حاصل ہو سکے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الٰہی کی

اس کو کچھ قدر نہیں ایسی ہی باتوں سے شاید حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ **وما قدروا اللہ حق قدرہ** ﴾.

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی۔

ایک ضمیر میں خدا اور رسول کا ذکر

فائدہ: علماء رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے کہ **یصلون** کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع ہے یا صرف ملائکہ کی طرف۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کا قول ہے یصلون کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع ہے۔ مقصود اس سے فرشتوں کو شرافت دینا ہے کہ ایک کام کے اسناد اور نسبت ایک ہی صیغہ سے اپنے اور اُن کی طرف ہو یہ بڑی تشریف و تکریم ہے کہ اس امر خاص پر جو صیغہ دلالت کرتا ہے اُس میں حق تعالیٰ نے اُن کو اپنے ساتھ جمع فرمایا، یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ کسی خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خطبہ پڑھا جس میں یہ الفاظ تھے **ومن یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقد غوی** یعنی جس شخص نے خدا اور رسول کی اطاعت کی راہ راست پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی گمراہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بُرا خطیب ہے، **ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غوی** کہہ۔

مقصود یہ کہ ایک ضمیر میں خدا و رسول کو جمع کرنا نہ چاہیئے، اس صورت میں یصلون کی ضمیر خدائے تعالیٰ اور ملائک کی طرف پھیرنا کیوں کر درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ مختار ہے عدم جواز کا حکم وہاں جاری نہیں ہوسکتا، اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ ضمیر یصلون کی صرف ملائکہ کی طرف راجع ہے اور خبر لفظ اللہ کی محذوف ہے یعنی **ان اللہ یصلی** اس صورت میں اجتماع اللہ اور ملائکہ کا ایک ضمیر میں لازم نہیں آتا جس کی ممانعت ہے، جماعت اولیٰ کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ جمع مذکور مطلقاً ممنوع نہیں۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو لفظ **یعصھما** سے منع فرمایا سو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ایک ضمیر میں اللہ و رسول کو اس نے جمع کیا تھا بلکہ وجہ اس کی

یہ تھی کہ اس نے **ومن یعصھما** پر سکوت کیا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے نافرمانی خداو رسول کی ، کی وہ بھی راہ راست پر ہے ، چنانچہ ابوداؤد نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے **ان خطیبًا خطب عندالنبی صلی اللہ علیہ و سلم فقال و من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقال قم بئس الخطیب أنت** لیکن اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر تثنیہ ہی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب کو زجر فرمایا تھا۔ کیونکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد زجر کے فرمایا کہ **ومن یعص اللہ و رسولہ** کہہ اور اگر وقف وسکوت کی وجہ سے زجر مقصود ہوتا تو فرماتے **ومن یعصھما فقد غوی** متصل کہہ انتہیٰ ملخصاً ۔ اگر چہ امام قرطبیؒ نے اس مقام میں طویل وعریض بحث کی ہے جیسا کہ معلوم ہوا مگر ہنوز اس میں نظر کو گنجائش ہے اس لئے کہ مسلم شریف کی روایت باوجود معارض ہونے روایت ابی داؤد کے اگر مسلّم بھی ہوتو اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ ایک ضمیر میں خدا و رسولؐ کو جمع کرنا درست نہیں ۔ اس لئے کہ جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس خطیب کو (اس وجہ سے کہ قریب العہد بشرک ہے) جمع کرنے سے منع فرمایا ہو، تو یہ منع کرنا ایک مصلحت خاص کی وجہ سے ہوگا نہ عموماً جیسا کہ ابتدائے زمانہ حرمت خمر میں ظروف خمر یعنی **دُبّا** ، **حنتم** ، **نقیر اور مزفت** کا استعمال ممنوع تھا اس وجہ سے کہ ان سے شراب یاد آتی تھی ۔ پھر بعد ایک زمانہ کے جب خمر سے نفرت پیدا ہوگئی استعمال اُن ظروف کا جائز کردیا گیا چنانچہ حرمت اور اجازت کی روایتیں صحاح میں موجود ہیں اور دلیل اس بات پر کہ کسی دوسری وجہ سے خاص اس خطیب کو **ومن یعصھما** کہنے سے منع فرمایا تھا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ایسے صیغوں کو استعمال فرمایا ہے چنانچہ کنزالعمال میں روایت ہے **عن ابی ذرؓ قال قلت : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) ماالایمان ؟ قال : أن تشھدأن لاالٰہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہ وأن محمدا عبدہ و رسولہ وان یکون اللہ و رسولہ أحب الیک مما سوا ھما ۔ الحدیث رواہ احمد فی مسندہ ۔**

ترجمہ: یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ گواہی دو توحید ورسالت کی اور یہ کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دیکھئے **سواھما** کی ضمیر خدائے تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف پھرتی ہے۔ بلکہ خود لفظ **من یعصھما** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ابوداؤد میں ہے **عن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان اذا تشھد قال الحمدللہ نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورانفسنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضلل فلاھادی لہ و اشھدان لاالٰہ الا اللہ و أشھدان محمدا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالحق بشیراً و نذیرا بین یدی الساعۃ ، من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فانہ لایضرالا نفسہ ولا یضر اللہ شیئاً . وعن یونس أنہ سأل ابن شھاب عن تشھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یوم الجمعۃ فذکرہ نحوہ وقال "ومن یعصھما فقد غوی"۔ الحدیث رواھماابوداؤد** ۔ترجمہ: روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو اُس میں فرماتے **ومن یعصھما فانہ لایضرالا نفسہ** اور ایک روایت **ومن یعصھما فقد غوی** ہے انتہیٰ ملخصاً۔ ان حدیثوں سے یہ بھی بات ثابت ہے کہ یہ خطبہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الحذر میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں موسی ابن عقبہ سے خطبہ طولانی نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں **ومن یطع اللہ و رسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد ضل ضلالاً مبینا ۔ذکرہ فی کنزالعمال** ۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا **ومن یعصھما** ہمیشہ خطبہ میں پڑھنا ثابت ہے تو یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوگا کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ضمیر میں جمع کرنا درست نہیں۔

فائدہ: اہل عربیت کے نزدیک مسلّم ہے کہ جملہ میں ثبوت محکوم بہ کا محکوم علیہ کے لئے ہوا کرتا

ہے خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو خواہ اسمیہ، لیکن جملہ اسمیہ میں بہ نسبت فعلیہ کے دو باتیں زائد ہوتی ہیں ایک اس ثبوت کی تاکید دوسرا اس کا دوام، چنانچہ سعد الدین تفتازانیؒ نے مختصر معانی میں لکھا ہے **الجملة الاسمية تفيد تأكيدالثبوت و دوامه** اس سے ثابت ہوا کہ **ان الله و ملٰئكته يصلون** سے تاکید اس امر کی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجتے ہیں۔ یہ مفاد صرف جملہ اسمیہ کا ہوا۔ پھر مسند یعنی **يصلون** کے فعل مضارع ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فعل مسند الیہم سے آناً فاناً صادر ہوتا جاتا ہے

تاکید استمرار صلوٰۃ

كماقال ابن حجرفی الدر المنضود و كما افاد الجملة الدوام لكونه اسمية كذلك تفيد التجدد نظرًا لخبرها ، كماقالوافی " الله يستهزئ بهم " و كماقال القسطلانیؒ فی شرح البخاری تحت الآية الموصوفة : و عبربصيغة المضارع ليدل علی الدوام والاستمرار ۔غرض استمرار صلوۃ کا دو طور سے ثابت ہوا ایک بدلیل جملہ اسمیہ۔ دوسرا اس وجہ سے کہ فعل مضارع خبر ہے اور اس کی تاکید بھی جملہ اسمیہ ہونے کے سبب سے ہوگئی، جب اللہ تعالیٰ نے کلام قدیم میں اپنے اور ملائکہ کے ہمیشہ درود بھیجنے پر ایسے قرائن قائم کر دیئے تو اب کون مسلمان ہوگا کہ باوجود اس کے اُس میں تردد یا انکار کرے۔ مگر حق تعالیٰ نے اُس پر بھی کفایت نہ کر کے اس جملہ کو لفظ إنّ کے ساتھ مؤکد فرمایا جو تردد اور انکار کے دفع کرنے کو لایا جاتا ہے۔ **كمافی التلخيص وإن كان المخاطب مترددا فی الحكم طالبا له حسن تقويته بمؤكد وإن كان منكرا وجب توكيده بحسب الانكار** . اب یہاں دیکھنا چاہئے کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کا تردد اور انکار اس کلام قدیم میں ملحوظ ہوا۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ زمانہ نزول آیۃ شریفہ میں یا اہل ایمان تھے یا منافق یا کفار۔ کفار و منافقین تو اس خطاب میں شریک ہی نہیں اس لئے کہ مخاطب اہلِ ایمان ہیں جو **يٰايها الذين اٰمنوا** کے ساتھ ندا کئے گئے ہیں۔ اب

رہے اہل ایمان یعنی صحابہ بفضلہٖ تعالیٰ ایمان اُن حضرات کا اس درجہ قوی تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کوئی خبر دیتے تو بلا تردد مان لیتے تھے، چہ جائیکہ خود حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں خبر دے اور اُن کو تردد ہو شان صحابیت ہرگز اس کو قبول نہیں کر سکتی، غرض اُن کا حال بھی مقتضی تاکید نہ تھا جب تینوں اصناف موجودہ کے لحاظ سے تاکید نہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ سوائے اُن کے کوئی اور لوگ ہوں گے جن کا لحاظ اس تاکید میں کیا گیا اور یہ ممکن نہیں کہ بغیر لحاظ کسی کے تردد اور انکار کے اس کلام بلیغ معجز میں تاکید لائی گئی ہو۔ اگرچہ مصداق اُن کا معین کرنا ہمارا کام نہیں۔ مگر ہر شخص کا ذہن بادنیٰ تأمل ان ہی آخری زمانے کے مسلمانوں کی طرف متبادر ہوگا جن کا ایمان قرآن شریف پر تو ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحق ایسے مدارج عالیہ کے نہیں سمجھتے، فی الحقیقت یہ کمال عنایت حق تعالیٰ کی ہے کہ تنبیہ فرمادیا۔ تا کہ سمجھ جائیں کہ جب اس درجہ کی اعتنا بالشان اور مشغولی دائمی اپنی اور ملائک کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ میں اس اہتمام سے بیان فرماتا ہے تو کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم لوگوں کے دلوں میں متمکن ہونا چاہئے۔ اگر اس پر بھی عقیدہ کو کچھ حرکت نہ ہو تو بارگاہ لاابالی میں کیا پروا، وہاں تو نولہ ماتولی کا عمل جاری ہے۔

حسن خطاب صلوٰۃ

فائدہ: جب حق تعالیٰ نے کمال عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہتمام صلوٰۃ عالم ملکوت میں اور استمرار اپنی صلوٰۃ کا صراحۃً اور کنایۃً ہر طرح سے فرمادیا۔ عنایات ازلی نے جوش کیا اور توجہ اس طرف ہوئی کہ حضرت ﷺ کے امتی بھی اس دولت عظمیٰ اور ذریعہ قصوی سے بے نصیب نہ رہیں اول اُن کو یاایھا کہہ کر خواب غفلت سے جگایا تا کہ ہوشیار ہوجائیں اور بگوش جان سنیں کیا ارشاد ہوتا ہے۔

کیوں کہ اہل عربیت نے تصریح کی ہے کہ لفظ ایھا تنبیہ کے واسطے ہے اہل ایمان تو پہلے ہی سے مستعد اور مشغول تھے چنانچہ پیشتر اُس کا حال معلوم ہو چکا اُس پر یہ تنبیہ گویا تازیانہ شوق ہوگئی، اب تو یہ حضرات بے خود ہیں اور مارے خوشی کے اپنے میں سماتے نہیں۔ اول تو یہ خوشی کہ اپنے ہدیہ

محقرہ کو بھی ایسی صلاحیت عطا ہوئی کہ بارگاہ باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرانا جاسکے۔ اور اس پر یہ سرفرازی کہ ایسے امر میں اشتغال مطلوب ہے جس کے طرف حق تعالیٰ اپنی توجہ دائمی ظاہر فرماتا ہے اس حسن خطاب کا لطف وہی حضرات جانتے ہیں جن کے دل ایمان اور محبت خدا و رسول ﷺ سے مالا مال ہیں۔

شرافت مومن

فائدہ: جب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ یہ باوقعت کام یعنی تحفہ صلوٰۃ بارگاہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرانا جن وانس سے بھی لیا جائے تو ان میں سے اعلیٰ درجہ کے افراد منتخب کر کے خطاب فرمایا۔ یٰـایھـاالذین اٰمنو صلوا علیه . کیونکہ مومنین وہ باوقعت اور معزز لوگ ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے **قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ليس شئ اكرم على الله من المؤمن طص عن ابن عمر ذكر فى كنز العمال وعن أنس قال قال رسول صلى الله عليه و سلم المؤمن اكرم على الله من الملائكة المقربين ـ ابن النجار ذكره فى كنز العمال** ۔ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملائکہ مقربین سے اور ہر چیز سے زیادہ تر بزرگ ہے اور ابن ماجہ میں روایت ہے **عن عبدالله بن عمرو قال رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم يطوف بالكعبة ويقول ماطيبك و أطيب ريحك ، مااعظمك و أعظم حرمتك ، والذى نفس محمد (صلى الله عليه وسلم) بيده لحرمة المؤمن أعظم عندالله حرمة منك ماله ودمه وان نظن به إلاخيراً** ۔ترجمہ: عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ عین طواف خانہ کعبہ میں فرماتے تھے کہ کیا اچھا ہے تو اور تیری خوشبو! اور کیا عظمت ہے تیری اور تیرے حرمت کی! خدا کی قسم مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ انتہیٰ ملخصا۔ اور اہل ایمان کی شان میں صدیقین وشہدا کا لقب وارد

ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں امام سیوطیؒ نے کئی حدیثیں اس مضمون کے نقل کی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے **وأخرج ابن جرير عن البراء بن عازب سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول مومنو امتى شهداء ثم تلا النبى صلى الله عليه و سلم " والذين اٰمنوا بالله و رسلهٖ اولئک هم الصديقون والشهداء عندربهم"** ۔ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے میری امت کے مومنین شہداء ہیں پھر پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "**والذين اٰمنوا**" **الآية** یعنی جولوگ اللہ ورسول پر ایمان لائے وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقین وشہداء ہیں ۔انتہیٰ اورایک روایت یہ ہے **أخــرج ابن ابى حاتم عن ابى هريرة انه قال يوما وهم عنده : كلكم صديق و شهيد ۔ قيل له : ماتقول يا أباهريرة ؟ قال اقرؤا "والذين اٰمنوا بالله و رسله أولئک هم الصديقون و الشهداء عند ربهم"** ۔ترجمہ: ایک روز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا سے کہا کہ تم لوگ سب صدیقین وشہداء ہو، کسی نے کہا اے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کیا کہتے ہو؟ کہا اگر تأمل ہوتو اس آیت کو پڑھ لو"**والذين اٰمنوا الآية** اوراس میں یہ روایت بھی ہے **و أخرج عبدالرزاق و عبد بـن حـمـيـد عن مجاهد قال : كل مومن صديق و شهيد ، ثم تلا "والذين اٰمنوا بالله و رسلـه اولـئک هـم الـصـديقون و الشهدا ء عندربهم "** ۔ترجمہ: مجاہد نے کہا کہ ہر مومن صدیق وشہید ہے اوراستدلال میں یہ آیت پڑھی **والـذيـن اٰمـنـوا بـالله و رسلهٖ ۔ الآية** تفسیر درمنثور میں اسی مضمون کی کئی روایتیں ابن جریراور ابن منذراور ابن ابی حاتم اورعبدالرزاق اورعبد بن حمیداور ابن حبان سے ذکر کی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کومراتب صدیقین وشہداء کے حاصل ہیں، اور مومنین وہ لوگ ہیں جن کو گناہ کچھ ضررنہیں دیتا چنانچہ ارشاد ہے **قـال الـنبى صلى الله عليه و سلم : كما لا ينفع مع الشرک شئ كذلک لايضرمع الايمان شئ ، خط عـن عـمـر حل عن ابن عمر ذكره فى كنزالعمال** ۔ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جیسا کہ شرک کے ساتھ کوئی چیز نفع نہیں دیتی اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی چیز ضرر نہیں دیتی ۔ انتہیٰ ۔یعنی اہل ایمان کو گناہ سے کچھ ضرر نہیں ، اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کی دل شکنی حق تعالیٰ کو بالکل منظور نہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے **عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه و سلم قال الله تعالیٰ و ما ترددت عن شئ أنافاعله ترددی عن قبض المؤمن يكره الموت و أناأكره مساء ته الحديث** ۔ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کام کو میں کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے کبھی تردد نہیں ہوتا جس قدر کسی ایماندار کی روح کے قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور اس کے رنجیدہ کرنے کو میں مکروہ جانتا ہوں ۔انتہیٰ ۔ اللہ اکبر مومن کی کیا شان ہے باوجود یکہ موت خود اس کے حق میں ایک نعمت عظمٰی ہے مگر صرف اس کی خاطر شکنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ کو اس میں تردد ہوتا ہے' اور ان لوگوں کی بینائی کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے **قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله عزوجل ، تخ عن أبی سعيد الحكيم الترمذی وسمويه طب عد عن ابی امامة و ابن جرير عن ابن عمر كذافی الجامع الصغير** ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے ۔ الحاصل اہل ایمان کے فضائل وخصوصیات بکثرت ہیں جن میں سے چند بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کی گئیں ۔ اب غور کیجئے کیا ہر مسلمان مستحق ان مراتب عالیہ کا ہوسکتا ہے یا ہر کس و ناکس اپنے آپ کو مصداق ان کرامات کا سمجھ سکتا ہے ۔ واقع میں ایمان حقیقی نہایت ہی عزیز الوجود ہے فقط چند اعمال ظاہری سے یہ رتبہ نہیں مل سکتا ، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "**قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان فی قلوبكم**" ۔ترجمہ: کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ فرمانبرداری ہم نے قبول کی اور ہنوز تمہارے دلوں میں ایمان

داخل نہیں ہوا۔ انتہٰی ۔ اسی وجہ سے جب حارثہ بن سراقہ نے کہا **اصبحت مومنا حقا** فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **انظر ماذا تقول** یعنی دیکھو کیا کہتے ہو سمجھ کر کہو، جب صحابی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استبعاد ظاہر فرمایا ہو تو ہر کس و ناکس کا ایمان کس شمار میں ! پورا واقعہ اس کا یہ ہے جس کو ابن اثیرؒ نے اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے **عن أنسؓ قال : بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی إذاستقبلہ شاب من الأنصار فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم : کیف اصبحت یا حارثۃ ؟ قال اصبحت مومنا حقا ، قال : أنظر ماذاتقول ، فان لکل قول حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانک ؟ قال یا رسول اللہ : عزلت نفسی عن الدنیا فاسھرت لیلی و اظمأت نھاری و کأنی بعرش ربی عزوجل بارزاً و کانّی أ نظرالی اھل الجنۃ یتزاورون و کأنی انظر الی اھل النار یتنادون فیھا ، قال الزم ، عبد نوّر اللہ الایمان فی قلبہ ، فقال : یا رسول اللہ اد ع اللہ لی بالشھادۃ ، فدعا لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ، فنودی یومافی الخیل فکان أول فارس رکب و أول فارس استشھد ، فبلغ ذلک أمہ افجاء ت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقالت : یارسول اللہ ان یکن فی الجنۃ لم أبک ولم أحزن وان یکن فی النار بکیت ماعشت فی دارالدنیا ، قال یا أم حارثۃ انھا لیست بجنۃ واحدۃ و لکنھا جنات وأن حارثۃ فی الفردوس الأعلی ، فرجعت أمہ وھی تضحک و تقول بخ بخ لک یا حارثۃ** ۔ ترجمہ: روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ ایک جوان انصاری سامنے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: کس حالت میں تم نے صبح کی ،عرض کی اس حالت میں کہ سچا مومن ہوں، فرمایا دیکھو کیا کہتے ہو ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، بتلاؤ تو تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کی میں نے اپنے نفس کو دنیا سے علیحدہ کیا راتیں بیداری میں بسر کرتا ہوں اور دن تشنگی میں اب حالت

یہ ہے کہ عرش رب العالمین کو گویا دیکھ رہا ہوں اور گویا دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت آپس میں ملاقات کررہے ہیں اور اہل نار دوزخ میں چلا رہے ہیں ، حضرت نے فرمایا اسی بات پر ہمیشہ رہو ۔ تمہارے دل میں ایمان منور ہے ، انہوں نے عرض کی : یارسولؐ اللہ میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے ، حضرتؐ نے دعا کی ۔ تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ معرکہ جہاد پیش آیا وہ سب سے پہلے سوار ہوئے اور سب سے پہلے شہید ہوئے ، جب ان کی والدہ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ اگر میرا لڑکا جنت میں ہے تو نہ میں روؤنگی اور نہ غمگین ہوں گی ۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی ۔ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ام حارثہ جنت ایک نہیں ہے بلکہ بہت سی ہیں اور تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے ، یہ سنتے ہی وہ ضعیفہ ہنستی ہوئی لوٹیں اور کہتی تھیں واہ واہ اے حارثہ ۔ انتہیٰ ۔ مقصود یہ ہے کہ ایمان حقیقی کے دعوے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استبعاد ظاہر فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقت ایمان کچھ اور ہی ہے صرف مومن کہد ینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ تیس صحابیوں سے مجھے ملاقات ہے جس کو دیکھا اسی خوف میں پایا کہ مرتبہ صحابیت تو درکنار کہیں منافقوں میں شریک نہ ہوں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے **قال ابن أبی ملیکة أدرکت ثلاثین من أصحاب النبی صلی اللہ علیه و سلم یخاف کلهم النفاق علی نفسه** . اصل یہ ہے کہ ایمان کے تمام شرائط ولوازم جب تک پورے طور پر نہ پائے جائیں گویا ایمان ہی نہیں ، چنانچہ امام احمد ابن حنبل اور بیہقی اور نسائی اور ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لایؤمن أحد کم حتیٰ اکون احب الیه من نفسه و ولده و والده و الناس اجمعین . کذافی کنزالعمال** ترجمہ: کوئی ایماندار نہیں ہوتا جب تک میری محبت اپنی اولاد اور والد اور سب لوگوں سے بلکہ اپنی ذات کی محبت سے بھی زیادہ نہ ہو **کمافی مسند احمد ابن حنبل : لایؤمن أحدکم حتیٰ أکون أحب الیه من نفسه ۔ کذافی کنزالعمال** اور

مواہب لدنیہ میں بخاری شریف سے منقول ہے **ان عمرؓ بن الخطاب قال للنبی صلی اللہ علیہ و سلم لانت یا رسولؐ اللہ احب الیّ من کل شیٔ الامن نفسی التی بین جنبی ، فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم : لن یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من نفسه ، فقال عمر : والذی أنزل علیک الکتاب لأنت أحب الیّ من نفسی التی بین جنبی ، فقال له النبی صلی اللہ علیه و سلم الآن یاعمر** ۔ترجمہ: ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ سوائے اپنی ذات کے آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں ، حضرتؐ نے فرمایا جب تک میری محبت اپنے نفس سے زیادہ نہ ہو ایمان ہی نہیں ، تب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی قسم ہے خدا کی جس نے آپؐ پر کتاب اتاری آپؐ کی محبت میرے نفس کی محبت سے بھی زیادہ ہے ، فرمایا اب ایمان کامل ہوا اے عمر رضی اللہ عنہ ۔ انتہیٰ ۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ دوست رکھتے ہیں ، پھر جس کو یہ رتبہ حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ کس قدر درود شریف میں وہ شخص اہتمام کرتا ہوگا ۔ کیونکہ بظاہر درود شریف بھی ایک دعائے خاص کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی جاتی ہے ۔ اور قاعدہ ہے کہ آدمی جس کو زیادہ دوست رکھتا ہے اس کے حق میں زیادہ دعا کیا کرتا ہے ، اسی وجہ سے ہر شخص پہلے اپنے واسطے دعا کرتا ہے اور پھر والدین وغیرہ کے واسطے ۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی ذات سے بھی زیادہ ہو تو بحسب اقتضائے طبع درود شریف کو اپنی ذاتی دعا پر بھی مقدم کرنا لازم ہوگا ۔ اس سے تو یہ بات ثابت ہے کہ درود شریف کو اپنی ذاتی دعا پر مقدم کرنا صرف مقتضائے ایمان ہے اس میں امر الٰہی کو کچھ دخل نہیں ۔ پھر جب ویسے لوگوں کو حکم الٰہی بھی ہو گیا تو غور کرنا چاہئے کہ درود شریف کی کس درجہ وقعت ان کے نزدیک ہوگی ۔

الحاصل خطاب یٰٓایھا الذین اٰمنو اصلّوا علیه کے مخاطب اولاً و بالذات مؤمنین ہیں جن کے احوال کسی قدر ابھی مذکور ہوئے اور وہی لوگ اس خطاب اور درود شریف کی عظمت کو جانتے بھی ہیں اور

ان کے سوا عموماً اہل اسلام گویا ان کے طفیلی ہیں۔ اس تقریر سے فی الجملہ ایک شناخت بھی حاصل ہوگئی کہ جس کے نزدیک درود شریف کی عظمت نہ ہو تو سمجھ سکتے ہیں کہ اُس میں اس خطاب کی قابلیت ہی نہیں۔

زیادتی و کمی ایمان

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ جن آیات میں زیادت ایمان کا ذکر ہے مثل و اذا تلیت علیھم اٰیتہ ، زادتھم ایمانا مراد اس سے تفصیل ہے یعنی قبل نزول آیات کے ایمان اجمالی تھا کہ ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم سب سچ ہے، پھر جب آیات بدفعات نازل ہوئیں اُسی کی تفصیل ہوئی اور اصل کیفیت ایمان میں کوئی زیادتی نہ ہوئی۔ ہر چند شارح عقاید نسفیؒ وغیرہ نے اس تقریر پر بھی اعتراض کیا ہے کہ تفصیل میں بنظر اجمال کے زیادتی ہوتی ہے۔ مگر ماتریدیؒ کے قول پر یہ اعتراض نہیں آ سکتا اس لئے کہ اگر تفصیل میں زیادتی ہوئی تو مصدق بہ کی توضیح میں ہے نہ نفس اذعان و تصدیق میں، کیونکہ کیفیت اذعانی دونوں وقت میں یکساں ہے جو ممتاز ہے ظن وغیرہ سے، ہاں مصدق بہ اجمال کے وقت اور تھا اور تفصیل کے وقت اور ہوا۔ توضیح اُس کی اس مثال میں ہو جائے گی کہ جب کوئی دلیل بیان کی جاتی ہے اور اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اکثر اعتراض ختم ہونے کے پیشتر مجیب کے ذہن میں جواب اس کا خطور کر جاتا ہے، اس خطور کرنے کے وقت جو چیز اس کے ذہن میں ہے وہ اجمال ہے پھر اس کو جو واضح کر کے بیان کرتا ہے وہ تفصیل ہے، فرق دونوں میں ظاہر ہے کہ اجمال گویا ایک امر آنی ہے اور تفسیر دیر طلب ، لیکن باعتبار انکشاف جواب کے دونوں برابر ہیں، اسی وجہ سے بمجرد اس خطور کے مجیب اپنے میں ایک کیفیت انشراح اور فرحت کی پاتا ہے جو جواب دینے پر مرتب ہوتی ہے، پس اصل جواب جس کی تفصیل دیر تک کی جاتی ہے وہی ہے جو اجمال میں موجود تھا، یعنی تفصیل کے وقت جواب کوئی دوسرا نہ ہوا جو اجمال میں نہ تھا اسی طرح ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم کی تصدیق جب اجمالاً ہوگئی تو ہر ایک آیت سننے کے وقت اسی تصدیق اجمالی کا ظہور ہوگا کوئی تصدیق ایسی پیدا نہ ہوگی جو اس اجمال سے

خارج ہو، کیوں کہ ہر آیت ماجاء بہ کے افراد سے ہے جس کی تصدیق پہلے ہو چکی ہے، ہاں تفصیل کے وقت ایک نئی بات یہ ہوتی ہے کہ علم اس آیت کے مضمون کا حاصل ہوتا ہے جو اجمال کے وقت نہ تھا، مثلاً بعد تصدیق ماجاء بہ کے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا تو اس واقعہ کا علم نیا حاصل ہوا اور یہ بات دوسری ہے سوائے اس کے اور دلائل وتوجیہات امام صاحب کے مذہب کے کتب مطولہ میں مذکور ہیں۔ مگر یہاں دیکھنا چاہئے کہ امام صاحب نے اس مسئلہ میں جو اس قدر تشدد کیا ہے اس کا منشا کیا ہے اور کتاب وسنت بھی اس کی مساعد ہیں یا نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مدار ومناط اقرار وعمل کا صرف تصدیق قلبی ہے یعنی جب تک تصدیق نہ ہو عنداللہ نہ اقرار مفید ہے نہ عمل۔ کما قال تعالیٰ ﴿و من الناس من یقول اٰمنا باللہ و بالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین﴾ وقال تعالیٰ فی الکفار ”أولئک حبطت أعمالھم“ اگر چہ یہ بھی مسلم ہے کہ صرف تصدیق باوجود مخالفت وانکار کے مفید نہیں جیسے بعض کفار خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تو کرتے ہیں مگر امتثال سے انکار کرتے ہیں، لیکن کلام اس میں ہے کہ تصدیق کے ساتھ انقیاد ہو تو ضرور مدار اقرار و عمل کا تصدیق پر ہوگا اور مدار تصدیق کا واقع میں نہ اقرار پر ہوگا نہ عمل پر، گو باعتبار استدلال کے معاملہ بالعکس ہو، پس معلوم ہوا کہ عمدہ اور اصل شئے دین میں تصدیق قلبی ہے اور سوائے اس کے دوسری اشیاء شروط ہوں گے یا لوازم وفروع، پس ضرور ہوا کہ جہاں تک ہو سکے کمال درجہ کا اہتمام اصل ایمان یعنی تصدیق میں کیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں مساہلت اور سہل انگاری نہ کرے، اس لئے امام صاحب نے فرمایا کہ ایمان کل کا یکساں ہے کچھ زیادتی نہیں اور اس قسم کا تشدد فتوی میں بلحاظ مصلحت خاص ماثور بھی ہے کما ورد فی الخبر قال شقیق بن سلمة کنت جالساً بین عبداللہ و أبی موسیٰ فقال ابو موسیٰ یا ابا عبدالرحمٰن ارأیت لو ان رجلاً أجنب فلم یجد الماء شھرا ما کان تیمم فقال : لا وان لم یجد الماء شھرا، فقال أبو موسیٰ : فکیف تصنعون ؟ بھذہ الاٰیة فی سورة المائدة ”فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا“

فقال هذا الاو شک إ ذاُبـرد علیھم الماء ان یتیمموا بالصعید ۔ الحدیث رواہ البخاری و ابوداؤد و اللفظ لہ ۔ترجمہ: شقیق کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بیچ میں پس کہا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ سے اے اباعبدالرحمٰن جب کوئی جنب ہو اور پانی نہ پائے ،تو کیا تیمّم نہ کرے ، کہا عبداللہ نے ہاں نہ کرے اگر چہ مہینہ بھر پانی نہ پائے کہا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کیا کروگے تم اس آیت میں جو سورہ مائدہ میں ہے **فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا**؟ پس کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اگر رخصت تیمّم کی دیجائے تو یہ نوبت پہنچ جائے گی کہ پانی سرد ہوتے ہی لوگ مٹی سے تیمّم کرنے لگ جائیں گے ۔ انتہیٰ ۔اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں کہ جن کی ثقاہت کو جملہ صحابہ تسلیم کرتے تھے اور فضائل میں ان کے کئی احادیث وارد ہیں جس میں ایک یہ ہے **عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لو کنت مستخلفا احدا من غیر مشورۃ لاستخلفت ابن ام عبد،رواہ ابن ماجہ فی باب عبداللہ بن مسعود** ۔ترجمہ: روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورت کے خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو ،یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتا ۔ انتہیٰ ۔

الغرض جب تک تصدیق قلبی پورے طور پر نہ ہو ایمان کا وجود ہی نہیں ہوتا، تاہر مومن تر ددات اور شکوک کو دل سے دور کرے ، برخلاف اس کے کمی و زیادتی ایمان کی صورت میں یہ گنجائش مل سکتی ہے کہ مومن بہ میں اگر چہ شک ہو ایمان تصور کرلے اور کہے کہ وجود ایمان کا تو ہوگیا کامل نہیں ناقص ہی سہی ، حالانکہ یہ ایمان ہی نہیں کیونکہ شک تو کیا ظن بھی ایمان نہیں ہوسکتا **کمافی البخاری قال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ.** اور کل محدثین کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ایمان میں تصدیق قلبی ضرور چاہئے ۔ الحاصل مقصود امام صاحبؒ کا یہ ہے کہ بغیر تصدیق قلبی کے ایمان متحقق نہیں ہوتا اور یہی تصدیق و یقین ایمان ملائکہ وغیرہم کا ہے ۔ رہی یہ بات کہ مراتب یقین کے متفاوت ہیں سو

یہ امر آخر ہے، کلام نفس یقین میں ہے۔ اسی وجہ سے امام فخر الدین رازیؒ نے کہا ہے کہ یہ نزاع لفظی ہے جن کے نزدیک ایمان نفس تصدیق کا نام ہے قائل زیادت ونقصان کے نہیں اور جن کے نزدیک اعمال داخل ایمان ہیں زائد وناقص ہوگا **کما مر آنفا** ۔اس تقریر پر وہ اعتراض صاحب مواقف کا کہ نفس کیفیت تصدیق کم وزیادہ ہوتی ہے دفع ہوگیا، کیونکہ امام رازیؒ کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ منشا اس اختلاف کا اختلاف تعریف ایمان ہے۔ اور یہ بات ظاہر بھی ہے اس لئے کہ خود محدثین تعریف ایمان میں اقرار وعمل کو ظاہراً داخل کیا کرتے ہیں، ہاں اگر محدثین تعریف ایمان میں مثل امام صاحبؒ کے صرف تصدیق کو ایمان کہتے تو اعتراض امام رازیؒ پر وارد ہوتا، الحاصل مقصود امام صاحبؒ کا یہی ہے کہ یہ آدمی وہ تصدیق واقعی حاصل کرے جس کے ساتھ کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو پھر اگر اس سے زیادہ کوئی درجہ پایا جائے تو اس کو اطمینان کہیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **واذ قال إبٰرھمه رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلیٰ و لکن لیطمئن قلبی** ۔ ترجمہ: اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے رب میرے دکھا مجھ کو کہ کیسا زندہ کرتا ہے تو مردہ کو! فرمایا حق تعالیٰ نے کیا ایمان نہیں لائے تم؟ کہا کیوں نہیں۔ یعنی ایمان تو لایا لیکن غرض یہ ہے کہ دل میرا مطمئن ہوجائے۔ انتہیٰ۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد ایک درجہ اس سے بڑھ کر ہے جس کو اطمینان کہتے ہیں، البتہ اُس میں عام مومنین کو حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح خواص کو ایک اور خصوصیت حاصل ہے جو عمل سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ منشاء عمل کا وہاں نفس ایمان ہوا کرتا ہے جس میں کسی غرض نفسانی کو دخل نہیں اور یہ بات عامیوں میں کمیاب ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان تو وہی تصدیق خاص ہے جس کا متعلق توحید و رسالت و ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اُس کے مقارن کیفیت عملی ہوگی خواہ وہ عمل دل سے متعلق ہو جیسے رضا وتسلیم وتوکل وغیرہ خواہ جوارح سے مثل نماز وروزہ وغیرہ، اس لئے کہ منشا ہر عمل کا دل ہوتا ہے پھر اگر وہ منشا درست ہے تو عمل جو اس پر متضرع ہے درست ہوگا ورنہ قابل قبولیت کے نہ ہوگا **کما فی الحدیث عن عمرؓ**

بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم إنما الأعمال بالنیّات وإنما لامرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ إلی اللہ و رسولہ فھجر تہ إلی اللہ وإلی رسولہ و من کانت ھجرتہ ، الی دنیا یصیبھا أو امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر إلیہ متفق علیہ کذافی المشکوۃ ۔ترجمہ: روایت ہے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں معتبر ہوتے عمل مگر ساتھ نیتوں کے ،اور نہیں ہے واسطے کسی کے مگر وہ چیز کہ نیت کی ، پس جو شخص کہ ہووے ہجرت اُس کی طرف اللہ اور رسولؐ اسکے کے پس ہجرت اس کی طرف اللہ اور رسولؐ کے ہے اور جو شخص کہ ہو ہجرت اُس کی طرف دنیا کے کہ پہنچے اُس کو یا طرف عورت کے کہ نکاح کرے اُس سے پس ہجرت اُس کی طرف اُس چیز کی ہے کہ ہجرت کی طرف اُس روایت کی یہ بخاری و مسلم نے انتہیٰ ۔اسی وجہ سے جن اعمال کا منشا ریا وسمعہ وغیرہ اغراض نفسانی ہوں مردود ہیں ، **کما ورد فی الاحادیث الکثیرۃ** پھر اگر منشاء عمل صرف ایمان ہوتو ایک نورانیت دل میں پیدا ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ اس نورانیت کی وجہ سے اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں ۔الحاصل منشاء اعمال صالحہ کے ساتھ ایک نورانیت دل میں ہوتی ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** ۔ترجمہ: جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھولدیتا ہے سو وہ نور میں ہے اپنے رب کے طرف سے اگر یہاں اسلام بمعنی انقیاد ظاہری ہو جو مقابل ایمان ہے تو ظاہر ہے کہ رتبہ نورانیت کا بعد ایمان کے ہوگا اور اگر مطلق انقیاد مراد ہو جس میں ایمان بھی شریک ہے جب بھی نورانیت مقارن ایمان ہوگی نہ عین ایمان ، اس لئے کہ ایمان ظاہر امر کسبی ہے جس کے سب مامور ہیں اور نورانیت امر وہبی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے **عن عائشۃ رضی اللہ عنھا عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم من سرہ أن ینظر من نوّر اللہ الایمان فی قلبہ فلینظر الی ابی ھند ۔ الحدیث رواہ الدار قطنی فی سننہ المسمی بالمجتبی فی سنن المصطفیٰ** ۔ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو خوش آوے یہ کہ

دیکھے طرف اس شخص کے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نورانی کیا تو چاہئے کہ دیکھے ابی ہند کو۔انتہیٰ ۔اب یہاں نظر تفصیلی میں کئی چیزیں دکھائی دیتی ہیں ۔ایک نفس ایمان، دوسری نورانیت، تیسری نیت جو منشاء عمل اور مدار صلاحیت و عدم صلاحیت عمل ہے بحسب حدیث شریف **انما الاعمال بالنیات** کے ۔چوتھا عمل مگر جب عمل نفس ایمان ہوتو اُن مراتب میں تقدیم و تاخیر ہوجائے گی ، اس لئے کہ ایمان لانے کے وقت نیت ایمان پر بھی مقدم ہوگی ۔سوائے اس ایک صورت کے سب صورتوں میں رتبہ ایمان کا نیت پر مقدم ہوگا ۔پھر اگر عمل فعل جوارح سے ہوتو خود بنفسہ ممتاز ہے،اور اگر فعل قلب سے ہوتو ان سب امور و مدارج کا وجود دل میں ہوگا اگر چہ اجتماع اُن کا محل واحد میں ہے ،مگر باہم فی نفسہ ممتاز ہیں اور باوجود امتیاز کے ارتباط و تعلق ہر ایک کا دوسرے سے کچھ ایسے طور پر ہے کہ گویا باہم شیر وشکر ہیں ۔پس اس مقارنت کی وجہ سے اطلاق ایک دوسرے پر ہوسکتا ہے جیسا کہ بجائے **سال الماء** کے **سال المیزاب** کہتے ہیں کما ہو مصرح فی المعانی، پس زنا و سرقہ کے وقت ایمان کا جدا ہونا جو اس حدیث شریف میں ہے **عن ابی ہریرۃ رضی عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال اذا زنی العبد خرج منہ الإیمان فکان فوق رأسہ کالظلۃ فاذاخرج من ذلک العمل عاد الیہ الایمان رواہ الترمذی** ۔ اُس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نورانیت جو مقارن ایمان ہے جدا ہوجاتی ہے کیونکہ بظاہر اُس فعل کے وقت اصل ایمان یعنی تصدیق سے اس شخص کو کچھ تعرض نہیں ہوتا بلکہ منشاء اُس کا ایک غرض نفسانی ہوتی ہے پھر جب تصدیق سے اس کو کچھ تعرض نہ ہوتو ایمان کا زائل نہ ہونا اس حدیث شریف سے ثابت ہے،جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے **کمافی کنز العمال عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : لن یخرج أحدکم من الایمان إلابجحود مادخل فیہ . طس .**
ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہرگز نہ نکلے گا کوئی تم میں کا ایمان سے مگر بہ سبب انکار کرنے اس چیز کے جو اس میں داخل ہوئی ۔ انتہیٰ ۔یعنی جحود جو منافی ایمان ہے جب تک نہ پایا

جائے ایمان نہیں جاتا اور محدثین کے نزدیک بھی یہی بات ہے کہ اس قسم کا کفر جو احادیث میں وارد ہے بنا بر تغلیظ ہے یعنی حقیقی نہیں جو ضد ایمان ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث شریف کے تحت میں لکھا ہے من أتی حایضاً او امرأة فی دبرها أو کاهنا فقد کفر بماأنزل علی محمدؐ . انتهیٰ و إنما هذأ عنداهل العلم علی التغلیظ ۔ اور امام ترمذیؒ نے جامع کے باب لایزنی الزانی وہو مومن میں لکھا ہے: و هذا قول اهل العلم لانعلم احداً کفّر احداً بالزناو السرقة و شرب الخمر ، و قال صاحب المؤلف و من وجوه المعتزلة نحوقوله علیه الصلوة و السلام لایزنی الزانی وهو مؤمن ولاایمان لمن لاأمانة له ، قلنا مبالغة ، ثم انها معارضة بالأحادیث الدالة علی انه مؤمن و انه یدخل الجنة حتی قال النبی صلی الله علیه و سلم لابی ذرلما بالغ فی السؤال عنه وان زنی وان سرق علی رغم انف أبی ذر. انتهیٰ ۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث زنا وسرقہ وغیرہ میں اطلاق ایمان کا اصل ایمان پر نہیں بلکہ نورانیت پر ہے۔ اسی طرح اطلاق ایمان کا منشاء عمل پر اس حدیث شریف میں معلوم ہوتا ہے جو باب شفاعت میں وارد ہے کہ جَو برابر ایمان اورحبہ برابر ایمان اس لئے کہ بخاری شریف میں بجائے لفظ ایمان کے لفظ خیر کی بھی روایت ہے جیسا کہ قریب نقل کی جائے گی ،تو چاہئے ایمان سے بھی مراد خیر ہی ہو، نہ یہ کہ خیر سے مراد یہاں ایمان ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے کتاب شرح الایمان میں لکھا ہے ،اس لئے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ قیامت میں حکم ہوگا شفاعت کرنے والوں کو کہ جس کے دل میں دینار یا نصف دینار یا ذرہ برابر خیر ہوا اُس کو دوزخ سے نکال لو، پس نکالیں گے وہ اس قسم کے سب لوگوں کو پھر عرض کریں گے ربنا لم نذرفیها خیراً یعنی کوئی خیر ہم نے دوزخ میں نہیں چھوڑی یعنی سب اہل خیر کو نکال لیا۔ پس ارشاد ہوگا کہ انبیاءؑ وغیر ہم شفاعت کر چکے اور باقی نہ رہا کوئی سوائے ارحم الراحمین کے، پس نکالے گا حق تعالیٰ ایک قبضہ جس میں نکل آئیں گے وہ لوگ جنہوں نے کبھی نیک کام نہیں کیا تھا اور وہ

حدیث شریف یہ ہے فیقول ارجعوا فمن وجدتم فی قلبه مثقال دینارمن خیرفاخرجوه ، فیخرجون خلقاً کثیراثم یقول ارجعوا فمن وجدتم فی قلبه مثقال نصف دینار من خیرفاخرجوه فیخرجون خلقاً کثیراً ، ثم یقول ارجعوا فمن وجدتم فی قلبه ذرةً من خیر، فاخرجوه ، فیخرجون خلقاً کثیراً ، ثم یقولون ربنا لم نذر فیها خیراً ، فیقول الله شفعت الملائکة و شفع النبیون و شفع المومنون ولم یبق الاارحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منها قوماً لم یعملوا خیراً قط الحدیث رواه البخاری و مسلم بطوله کذافی المشکوة ۔تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث گویا تفسیر ہے اس حدیث شریف کی جس میں لفظ شعیرة من ایمان و حبة من ایمان وارد ہے اور یہ حدیث بھی اُس کی مؤید ہے فأقول (أی النبی صلی الله علیه و سلم) یارب ائذن لی فیمن قال لااله الا الله قال لیس لک ذلک ، ولکن و عزتی و جلالی و کبریائی و عظمتی لأخرجن منها من قال لااله الا الله . متفق علیه کذافی المشکوٰة . الحاصل جملہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اُن لوگوں کو ہوگی جن میں کسی قدر منشاءِ عمل پایا جائے اگرچہ ذرہ برابر ہو اور حق تعالیٰ جن کو خود نکالے گا ان میں سوائے ایمان کے کسی قدر بھی منشاءِ عمل کا نہ ہوگا ، اگر کہا جائے کہ شاید وہ لوگ اہل فترة سے ہوں گے تو یہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ان کا اہلِ لا الہٰ الا اللہ ہونا ثابت نہیں اور سوائے اس کے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب وہ عذر کریں گے تو ایک رسول بھیجا جائے گا جس کی امتثال سے جنت میں اور عدمِ امتثال سے دوزخ میں جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے جس کو امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اسود بن سریع اور ابی ہریرہؓ سے قال رسول الله صلی الله علیه و سلم و أما الذی مات فی الفترة فیقول ما أتانی لک رسول ، فیاخذ مواثیقهم لیطیعوه فیرسل إلیهم أن ادخلوا النارفمن دخلها کانت علیه برداً و سلاماً ومن لم یدخلها سحب الیها . حم ت الحدیث کذافی کنزالعمال پس معلوم ہوا

کہ مثقال ذرۃ من ایمان میں ایمان سے مراد منشاء عمل ہے جو کم زیادہ ہوتا ہے۔ نہ ایمان بمعنی تصدیق اور یہاں اطلاق عمل پر اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ تصریح فمن وجدتم فی قلبہ کی ہر جائے پر اس معنی سے آیا کرتی ہے۔ اسی طرح اطلاق ایمان کا قول و عمل پر اس حدیث شریف میں معلوم ہوتا ہے اور کنز العمال میں ہے الایمان قول و عمل اور جو ابن ماجہ میں ہے عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الایمان معرفۃ بالقلب و قول باللسان و عمل بالأرکان اس لئے کہ خود حدیث شریف سے ایمان و عمل میں مغایرت ثابت ہے کمافی کنز العمال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الایمان و العمل شریکان فی قرن لایقبل اللہ أحد هماالا بصاحبہ اب رہی وہ حدیث شریف جس میں صراحۃً الایمان یزید و ینقص وارد ہے تو اُس میں بھی زیادتی و نقصان کا رجوع اسی کیفیت عملی کی طرف معلوم ہوتا ہے جیسا اوپر گذرا کیونکہ حدیث شریف میں مصرح ہے الایمان قول و عمل یزید و ینقص جب ایمان مجموع قول و عمل سے تعبیر کیا گیا تو زیادتی بھی راجع مجموع کی طرف ہوگی۔ الحاصل امام صاحب ان ہی وجوہات سے کہتے ہیں کہ کمی زیادتی نفس ایمان میں نہیں بلکہ مقارنات ایمان میں ہے۔ پھر جس میں مقارناتِ ایمانیہ علیٰ وجہ الکمال پائے جائیں وہ شخص کامل الایمان اور منجملہ خواص کے ہوگا۔ اور عامی برخلاف اُس کے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف عمل سے بھی کچھ نہیں ہوتا جب تک مقارنات ایمانیہ معتد بہا نہ ہوں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے عن أبی سعید الخدریؓ قال : بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وھو یقسم قسما إذ أتاہ ذوالخویصرۃ وھو رجل من بنی تمیم فقال : یارسولؐ اللہ اعدل ، فقال : ویلک و من یعدل إذا لم اعدل قدخبت و خسرت ان لم اکن اعدل ، فقال عمر : یارسول اللہ ائذن لی فیہ فاضرب عنقہ ، فقال : دعہ فان لہ أصحابا یحقر أحدکم صلاتہ مع صلاتھم و صیامہ مع صیامھم یقرؤن القرآن لایجاوز تراقیھم یمرقون من الدین

کـمـا یمرق السهم من الرمیة الحدیث رواہ البخاری ۔ترجمہ: روایت ہے ابی سعید حذری رضی اللہ عنہ سے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ آیا ایک شخص قبیلہ بنی تمیم کا اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عدل کیجئے ،فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: نے خرابی ہو تیری کون عدل کرے گا جب میں عدل نہ کروں تو محروم و بے نصیب ہو جائے گا اور نقصان پائے گا تو ۔عرض کیا عمر رضی اللہ عنہ نے: یا رسول اللہ ﷺ حکم دیجئے کہ گردن ماروں میں اُس کی ۔ فرمایا چھوڑ دو اُس کو کہ اُس کے ساتھ والے ایسے لوگ ہیں کہ حقیر سمجھو گے تم لوگ اپنی نماز کو اُن کی نماز کے مقابلہ میں اور روزوں کو اپنے اُن کے روزوں کے مقابلہ میں ۔ پڑھتے ہیں وہ لوگ قرآن مگر حلق سے اُن کے تجاوز نہیں کرتا اور بھاگتے ہیں دین سے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، روایت کیا اس کو بخاری نے ۔انتہیٰ ۔اب اس عمل کو دیکھئے کہ کس درجہ کا ہوگا جو صحابہ کا عمل ان کے مقابلہ میں حقیر معلوم ہو، پھر آخر کیا ہوا وہاں تو دین ہی کا ٹھکانہ نہیں ۔ یہ تو ایسا ہوا جیسا کسی شخص کا قول ہے: پیر ما ہمہ دارد و ایمان ندارد ۔خلاصہ یہ ہے کہ صرف عمل مفید نہیں جب تک مقارنات ایمان جو متعلق عمل ہیں درست نہ ہوں ، اور قریب قریب اسی تقریر کے ہے وہ جو ابن بطالؒ نے شرح بخاری شریف میں نقل کیا ہے حیث **قال قال المهلب الذرة أقل الأشياء الموزونات وهى فى هـذا الـحـديـث التـصديق الذى لايجوز أن يدخله النقص ومافى البرة والشعيرة من الزيادة ، فـانماهى زيادة من الأعمال يكمل التصديق بها، وليست زيادة فى التصديق بـمـاقـدمـنـاه انـه لايـنقص التصديق ، فان قيل فانه لما أضاف هذه الأجزاء التى فى الشعيرة والبرة الزائدة على الذرة الى القلب دلت أنها زيادة من التصديق لامن الأعمال ، فالجواب انه لما كان الايمان التام انما هو قول و عمل ۔ والعمل لايكون الابنية و اخـلاص مـن الـقلب جاز أن ينسب العمل الى القلب إذا تمامه بتصديق القلب و قد عبـر عن هذه الأجزاء من الايمان مرة بالخير و مرة بالايمان وكل ذلک سائغ واسع،**

و قولہ ’’يخرج من النار من قال لااله الا الله ‘‘ يدل ان ماذكر بعدها من الذرة والبرة والشعيرة هى من الأعمال والطاعات إذ الاُمة مجتمعة على أن قول لااله الا الله هو صريح الايمان و التصديق الذى شبه بالذرة عمل القلب أيضاً ۔انتہیٰ ۔

صلّوا علیہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے

فائدہ: مواہب اللدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے کہ امر صلوا علیه وجوب کے واسطے ہے یا نہیں ، اور اگر ہے تو درود شریف مثل کلمہ شہادت کے عمر بھر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے یا خاص خاص اوقات میں مثل نماز وغیرہ کے۔ یا عموماً جمیع اوقات میں بقدر امکان، لیکن تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ نفس وجوب صلوۃ میں کسی کو خلاف نہیں بلکہ صرف اوقات میں اختلاف ہے کماقال ان الصلوٰة على النبى صلى الله عليه و سلم واجبة لقوله تعالىٰ ان الله و ملٰئكته . الآية ، و هذه الآية التى تدل على وجوب الصلوة على النبى صلى الله عليه و سلم لأنه لاخلاف للعلماء فى ان هذا الأمر للوجوب و إنما الخلاف فى اوقاته اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے اعلم أن الصلوة على النبى صلى الله عليه و سلم فرض على الجملة غير محدود بوقت لأمر الله تعالىٰ بالصلوة ، و حمل الأئمة والعلماء له على الوجوب و اجمعوا عليه ، و حكى ابوجعفر الطبرى ان محمل الآية عنده على الندب وادعى فيه الاجماع و لعله فيمازادعلى مرة ۔ظاہرا وجوب ہی کی دلیل ٹھیک معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ صلوا اور سلموا صیغے امر کے ہیں اور اصول فقہ میں بدلائل عقلیہ ونقلیہ ثابت ہے کہ امر خاص وجوب کے واسطے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے عندالاطلاق اُس سے وجوب ہی سمجھا جاتا ہے نہ استحباب وغیرہ، چنانچہ توضیح میں لکھا ہے لما علم ان المطلق ينصرف الى الكامل لزم ان الامر المطلق يكون أمراً كاملا بأن يكون للايجاب فان الامر الذى للاباحة والندب ناقص فى كونه أمراً اور جہاں امر اباحت وغیرہ کے واسطے ہوتا

ہے وہاں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اس آیۃ شریفہ میں قطع نظر صیغہ امر کے اگر قرائن دیکھے جائیں تو قرینے بھی وجوب ہی پر قائم ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ نے قبل امر کے تمہیداً اپنا اور ملائکہ کا ہمیشہ درود بھیجنا ظاہر فرمایا جس سے اعتنا بالشان درود شریف کا کمال درجہ پر ظاہر ہے۔ جب عالم علوی میں اس قدر اہتمام ہوتو امت کو بطریق اولیٰ اس میں مشغولی چاہئے خصوصاً جب امر ہوگیا تو امتثال امر کی دوبالا ضرورت ہوگئی، یہی قرینۂ وجوب ہوسکتا ہے ورنہ سیاق وسباق میں مناسبت نہ ہوگی، حالانکہ مناسبت ضرور ہے **کمافی التوضیح سیاق الآیة لایجاب اللہ تعالیٰ اقتداء المؤمنین باللہ وملائکته فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیه و سلم فلا بدمن اتحاد معنی الصلوۃ من الجمیع لانه لو قیل ان اللہ یرحم النبی صلی اللہ علیه و سلم و الملٰئکة یستغفرون یٰاَیها الذین اٰمنوا ادعوا له کان ھذا الکلام فی غایة الرکاکة** ۔مقصود اس استدلال سے اسی قدر ہے کہ سباق وسیاق میں مناسبت نہ ہونے سے کلام رکیک ہوجاتا ہے۔اب رہا یہ کہ جب استمرار صلوۃ ضرور ہوتو اور ضروریات طبعیہ وشرعیہ کیوں کر ادا ہوں سو اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ اوقات ان امور کے عقلاً و عادۃً مستثنیٰ ہیں۔الحاصل: اس آیۃ شریفہ میں قرینہ استمرار و مداومت کا بھی وجود ہے پس **صلوا علیه** اور **اقیموا الصلوۃ** جیسے نفس وجوب میں برابر ہیں اسی طرح استمرار میں برابر ہیں اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کے معین فرمائے ویسا ہی اوقات درود شریف کے بھی معین فرمائے، ہاں فرق اتنا ہے کہ تعین اوقات نماز بتواتر ثابت ہے اور تعین اوقات درود شریف باخبار احاد، مگر جب تمامی حدیثیں دیکھی جائیں جن میں درود شریف پڑھنے کا امر اور ترغیبیں اور نہ پڑھنے پر ترہیبیں اور تہدیدیں اور اوقات کثیرہ مختلفہ کی تعیین اور ازمان و اماکن کی تعمیم بتصریح وراد ہے، تو اتنا تو بتواتر معنوی ضرور ثابت ہوگا کہ درود شریف کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہے، اور یہ تواتر ایسا ہوگا جیسے معجزات میں کہا جاتا ہے کہ ہر معجزہ میں اخبار احاد وارد ہیں اور ان احاد سے نفس معجزہ کا ثبوت بتواتر معنوی ہوتا ہے، اسلئے کہ مجموع پر

وہ احکام مرتب ہوتے ہیں جو اجزاء پر نہیں ہو سکتے ، مثلاً ظاہر ہے کہ ایک بال کسی مصرف کا نہیں ہوتا پھر اگر ان ہی سو بالوں سے ایک رسی بنائی جائے تو نہایت مضبوط ہوگی ، دیکھئے مجموع میں ایک صفت جدیدہ ایسی قائم ہوئی جو کسی جز میں نہ تھی ، اسی طرح مجموع احاد میں صفت تواتر قائم ہوئی جس سے مطلق معجزہ کا ثبوت بتواتر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وجود مطلق کا بغیر افراد کے ممکن نہیں پس معلوم ہوا کہ وجود مطلق من حیث أنه وجدفی الأفراد متصف بصفت تواتر ہے اور اسی مطلق کے معنی کثرت اجمالی ہیں ۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلق معجزہ کا ثبوت بتواتر حقیقی ہے اس لئے کہ جتنے احاد ہیں نفس خرق عادت و معجزہ پر متفق اللفظ ہیں اسی کا نام تواتر حقیقی ہے کما قال شهاب الدين الخفاجیؒ فی شرح الشفا : التواتر الحقيقی ان يخبر جماعة من جماعة إلى آخره يوئس تواطؤهم على الكذب فی خبر واحدمتفق اللفظ و المعنى البتہ ثبوت کثرت کا اس طور پر نہیں بلکہ مجموع احاد سے کثرت اجمالی مستفاد ہوتی ہے اور یہ تواتر معنوی ہے كما قال الخفاجیؒ و التواتر المعنوی هو حصول العلم القطعی من مجموع أمور جزئية و أخبار واردة مستفيضة خلاصہ یہ ہوا کہ جیسے کثرت احادیث احاد سے ثبوت مطلق معجزہ کا بتواتر ہوتا ہے ویسا ہی کثرت اجمالی معجزات کی بھی بتواتر معنوی ثابت ہے كمافی الشفا قال بعض ائمتناؒ يجری هذالمجری على الجملة انه قدجری على يديه صلى الله عليه و سلم اٰيات و خوارق عادات ان لم يبلغ واحد منها معينا القطع فيبلغة جميعها فلا مرية فی جريان معانيها على يديه و لا يختلف مؤمن ولا كافرانه جرت على يديه عجائب .

اوقات درود شریف

اب یہاں چند حدیثیں وہ ذکر کی جاتی ہیں جس میں درود شریف کے اوقات معین فرمائے ہیں منجملہ اُن کے وقت طہارت ہے كماقال النبی صلى الله عليه و سلم : لاوضوء لمن لم يصل على النبی صلى الله عليه و سلم ، رواه الطبرانی فی الكبيرعن ابن مسعود و

فی روایة أبی عاصم عن سهل بن سعد، لاوضوء لمن لم یصل . الحدیث ذکرهما القسطلانی فی مسالک الحنفاء ۔ترجمہ: روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو اُس شخص کا نہیں ہوتا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا۔ انتہیٰ ۔ اور سوائے اس کے اور روایات بھی اس باب میں وارد ہیں ۔

اور نماز میں ، چنانچہ امام فاکہانی نے الفجر المنیر فی الصلوۃ علی البشیر النذیر میں نقل کیا ہے۔**عن سهل بن سعد قال قال النبی صلی الله علیه و سلم لاصلوة لمن لایصلی علی النبی صلی الله علیه و سلم ۔الحدیث** ۔ترجمہ: نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے درود نہ پڑھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔ انتہیٰ ۔سوائے اس کے اور احادیث اس باب میں وارد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع نقل کی جائیں گی ۔

اور بعد اذان کے جیسا کہ ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں نقل کیا ہے **عن عبدالله بن عمرو ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال اذاسمعتم المؤذن فقولوامثل مایقول ثم صلّواعلیّ فانه من صلّی علیّ واحدة صلی الله علیه بها عشرا ۔الحدیث رواه الجماعة إلاالبخاری و ابن ماجه** ۔ ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب موذن سے تم اذان سنوتو جیسا کہ کہتا ہے وہ کہو پھر پڑھو مجھ پر درود کیوں کہ جو شخص مجھ پر ایک درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس صلوۃ بھیجتا ہے روایت کیا اس کو جملہ اہل صحاح نے سوائے بخاری اور ابن ماجہ کے ۔ انتہیٰ ۔

اور دعا کے وقت **کما به قال السخاویؒ فی القول البدیع عن الحسن بن علی رضی الله عنهما قال علمنی رسول الله صلی الله علیه و سلم هؤلاء الکلمات فی الوتر قال قل " اللهم اهدنی فیمن هدیت وعا فنی فیمن عافیت و بارک لی فی مااعطیت و تولنی فیمن تولیت وقنی شرما قضیت فانک تقضی ولایقضی علیک**

وانہ لایذل من والیت تبارکت و تعالیت وصلی اللہ علی النبی '' اخرجہ النسائی و سندہ صحیح کما قال ، قالہ النووی یعنی بروایت صحیح ثابت ہے کہ دعائے قنوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کو داخل فرمایا۔

اوراثنائے تکبیرات عیدین میں ومنھا اثناء تکبیرات العیدین لماروی اسمعیل القاضی ان ابن مسعود و أباموسی وحذیفة رضی اللہ عنھم خرج علیھم الولید بن عقبة فقال : إن ھذا العید قددنی فکیف التکبیر فیه ؟ فقال عبداللہ : تبدأ فتکبر تکبیرة تفتتح بھا الصلوة و تحمد ربک و تصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ثم تدعو تکبر و تفعل مثل ذلک ثم تفعل مثل ذلک ثم تکبر و تفعل مثل ذلک ثم تقرا ثم تکبر و ترکع ثم تقوم فتکبر وتحمد ربک و تصلی علی النبی صلی اللہ علیه و سلم ثم تدعو تکبر و تفعل مثل ذلک ای الذی فعلته فی الرکعة الأولی قاله الزرقانی فقال حذیفة وأبوموسی صدق أبو عبدالرحمٰن قال ابن کثیراسنادہ صحیح کذافی المواھب اللدنیة ، وقال السخاویؒ فی القول البدیع و اسنادہ صحیح وھو عندابن أبی الدنیا فی کتاب العیدمن حدیث علقمة عن ابن مسعودؓقال تکبر تکبیرة تدخل بھافی الصلوة و تحمد ربک و تصلی علی النبی صلی اللہ علیه و سلم وتدعوثم تکبر تفعل مثل ذلک و به تمسک أبوحنیفة و أحمدفی احدی الروایتین منه فی الموالاتین القراتین و أبوحنیفةؒ فقط فی تکبیرات العید الزوائد ثلاثا ثلاثا و الشافعی و أحمدفی حمد اللہ و الصلوة علی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم بین التکبیرات و أمامالک فلم یاخذبه أصلاً و وافقه أبوحنیفة علی استحباب سرد التکبیرات من ذکر بینھا رضی اللہ تعالیٰ عنھم أجمعین. حاصل یہ کہ درود شریف اثنائے تکبیرات عیدین میں پڑھنے کے واسطے بھی ارشاد ہوا ہے۔

اوراول واوسط وآخر دعا میں کمافی المواهب اللدنية عن جابرؓ ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال : لاتجعلونی كقدح الراكب فان الراكب يملأ قدحه ثم يضعه ويرفع متاعه فان احتاج إلى شرب شئ شربه أو الوضوء توضأ وإلا اهراقه ولكن اجعلونى اول الدعاء وأوسطه و أخره رواه احمد ۔ ترجمہ: روایت ہے جابرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مت بناؤ مجھ کو مثل پیالہ سوار کے جو اُس میں پانی بھر رکھتا ہے اور اٹھاتا ہے اسباب پھر اگر احتیاج ہوتی ہے تو پی لیتا ہے یا وضو کرلیتا ہے ورنہ پھینک دیتا ہے بلکہ ذکر میرا اول اوسط و آخر دعا میں کیا کرو۔ زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے درود شریف ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ بحث تفصیلی اس کی آئندہ آئے گی۔

اور ہر مجلس میں کمافی الزرقانی عن ابی سعیدؓ عن النبی صلی الله علیه و سلم قال لایجلس قوم مجلساً ثم لایصلون فيه على رسول الله (صلى الله عليه و سلم) الاكان عليهم حسرة وان دخلوا الجنة لما يرون من الثواب رواه النسائى ۔ ترجمہ: روایت ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھیں تو ضرور ان کو حسرت ہوگی اگرچہ جنت میں جائیں اس لئے کہ وہاں اس کے ثواب کا حال دیکھیں گے روایت کیا اس کو نسائی نے۔

اور وقت ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چنانچہ کنز العمال میں ہے عن أبی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم رغم انف رجل ذكرت عنده فلم يصل علیّ . الحديث ت ک ۔ ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاک آلودہ ہو ناک اس شخص کی یعنی ذلیل وخوار ہو وہ شخص کہ جس کے نزدیک میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا، روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں انتہیٰ ۔ سوائے اس کے اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں نقل کی جائیں گی۔

اورالله تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ جیسا کہ کنزالعمال میں ہے عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : ماجلس قوم يذكرون الله عزوجل لم يصلوا على نبيّهم إلاكان ذلك المجلس عليهم ترة . الحديث ک ۔ ترجمہ: روایت ہے ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جولوگ خدائے تعالیٰ کے ذکر کے واسطے بیٹھیں اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود نہ پڑھیں تو وہ مجلس ضرور ان کے واسطے باعث نقصان ہوگی ، روایت کیا اس کو حاکم نے مستدرک میں ۔انتہیٰ

اورکان میں سن سناہٹ کی آواز آنے کے وقت چنانچہ روایت ہے ابی رافع سے قال النبی صلى الله عليه و سلم ، إذاطنت أذن أحدكم فليذكرني وليصل عليّ وليقل ذكر الله من ذكرني بخير ۔ ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی شخص کے کان میں آواز ہونے لگے تو چاہئے کہ مجھ کو یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے اور کہے کہ خدائے تعالیٰ ذکر خیر کرے ان کا جنھوں نے یاد کیا ہے مجھ کو۔انتہیٰ ، شیخ یعقوب جلوتیؒ نے وسیلہ عظمیٰ الی حضرۃ المجتبیٰ میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اور کہا امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں کہ روایت کیا اس کو عقیلی نے ''ضعفاء'' میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی اور ابن سنی نے ۔اور زرقانی نے کہا ہے کہ روایت کیا اس کو طبرانی نے اپنے تینوں کتابوں میں اور خرائطی اور حکیم ترمذی نے بھی ۔ ہر چند سخاوی نے اس حدیث کو ضعیف اور ابن جوزیؒ نے موضوع کہا ہے لیکن اس کا تعقب کیا گیا ہے کہ حافظ نور ہیثمی نے لکھا ہے کہ اسناد طبرانی کی کبیر میں حسن ہے ۔ اور روایت کیا ہے اس کو ابن خزیمہ نے حالانکہ انہوں نے تخریج احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہے اور اسی طرح جمع الجوامع کے دیباچہ میں امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ جو حدیث ابن خزیمہ کی طرف منسوب ہو وہ صحیح ہے ۔انتہیٰ ۔

اور جب کسی چیز کو بھول جائے چنانچہ مواہب اللدنیہ اور وسیلہ عظمیٰ میں ہے عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذانسيتم شيئاً فصلواعليّ تذكّروه إن شاء الله .

رواه ابوموسیٰ المدینی ۔ترجمہ: روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بھول جاؤ تم کسی چیز کو تو مجھ پر درود پڑھ لو جس سے وہ چیز انشاء اللہ تعالیٰ یاد آجائے گی، روایت کیا اس کو ابوموسیٰ مدینی نے ۔انتہیٰ ۔

اور ہر مکان میں جیسا کہ زرقانیؒ نے نقل کیا ہے **عن الحسن بن علی عن علی رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم حیثما کنتم فصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی رواه الطبرانی وغیره** ۔ترجمہ: روایت ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں رہو مجھ پر درود پڑھو کہ پہنچ جائے گا وہ مجھ تک روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے ۔انتہیٰ ۔

اور روز جمعہ چنانچہ ابن قیم نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں نقل کیا ہے **عن اوس بن اوس عن النبی صلی اللہ علیه و سلم من أفضل أیامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض و فیه الصعقة فاکثروا علیّ من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضة علیّ ، قالوا : یا رسولؐ اللہ و کیف تعرض صلوٰتنا علیک و قدارمت یعنی قدبلیت قال : اللہ عزوجل حرم علی الأرض اجساد الأنبیاءؑ رواه الحاکم و ابن حبان فی صحیحیهما** ۔ ترجمہ: روایت ہے اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے، اسی روز آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی روز انتقال کیا اسی روز صعقہ (یعنی نفخ صور) ہوگا۔اس لئے اس روز زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرو، تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں کر درود آپ پر عرض کیا جائے گا اس حالت میں کہ جسد مبارک آپ کا بوسیدہ ہوگیا ہوگا ؟ فرمایا حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر کہ انبیاء کے اجساد کو کھائے ، روایت کیا اس کو حاکم اور ابن حبان نے اپنے صحیحوں میں انتہیٰ ۔انشاء اللہ تعالیٰ اور مباحث جو اس حدیث شریف سے متعلق ہیں آئندہ ذکر کئے جائیں گے سوائے ان احادیث کے تعیین

اوقات درود شریف میں بہت حدیثیں وارد ہیں ، چنانچہ امام سخاویؒ نے ''قول بدیع''میں ایک باب
صرف اوقات ومواقع درود شریف میں مدون کیا ہے اور ہر بات کو باحادیث وآ ثار ثابت کیا ہے
چنانچہ اس باب کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے : پانچواں باب درود شریف کے اوقات مخصوصہ میں جیسے
بعد وضو، تیمّم اور غسل جنابت کے ۔اور نماز میں ۔اور بعد نماز کے ۔اور اقامت کے وقت ۔اور بعد
صبح اور مغرب کے ۔اور تشہد میں ۔اور قنوت میں ۔اور تہجد کے واسطے اٹھنے کے وقت ۔اور بعد تہجد
کے ۔اور جب کسی مسجد میں گزر ہو ۔اور مسجد کو دیکھنے ،اور داخل ہونے ، اور نکلنے کے وقت اور بعد
جواب دینے مؤذن کے ۔اور جمعہ کے روز اور اس کی رات میں ۔اور ہفتہ اور اتوار اور پیر اور منگل
کے دن ۔اور خطبہ میں جمعہ اور عیدین اور استسقا اور کسوف وخسوف کے ۔اور اثنائے تکبیرات عیدین
وجنازہ میں ۔اور میت کو قبر میں اتارنے کے وقت ۔اور رجب اور شعبان میں ۔اور جب کعبہ شریف
کو دیکھے ۔اور صفا اور مروہ پر ۔اور تلبیہ سے فارغ ہوکر ۔اور حجر اسود کے بوسہ کے وقت ۔اور ملتزم
کے پاس ۔اور عرفہ کی دوپہر کے بعد ۔اور مسجد خیف میں ۔اور مدینہ منورہ کو دیکھنے اور قبر نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے وقت ، اور جب کبھی آ ثار شریفہ اور اماکن متبرکہ جہاں آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے ہیں نظر پڑ جائے ۔اور ذبح اور بیع اور کتابت وصیت کے وقت اور
نکاح کے خطبہ میں ۔اور صبح وشام ۔اور جب ارادہ سونے کا ہو اور سفر کا کرے ، اور سواری پر سوار
ہونے کے وقت ۔اور جب نیند اُچٹ جائے ، اور بازار یا دعوت میں جانے کے وقت ۔اور جب گھر
میں داخل ہو۔اور خط میں بعد بسم اللہ کے ، اور جب کوئی غم یا مصیبت یا سختی آ پڑے ۔یا محتاج وفقیر
ہو جائے ، اور ڈوبنے کے وقت ۔اور طاعون میں ۔اور دعا کے شروع اور درمیان اور آخر میں ۔اور
جب کان میں آ واز ہونے لگے اور جب پاؤں سن ہو جائیں اور چھینکنے کے وقت اور جب کسی چیز کو
بھول جائے اس کے یاد آنے کے لئے ۔اور جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو ۔اور مولی کھانے کے
وقت ۔اور جب گدھے کی آ واز سنے ۔اور گناہ سے توبہ کرنے کے وقت ۔اور جب کوئی حاجت

پیش آئے ۔ اور تمامی احوال میں ۔ اور جب کسی شخص پر تہمت لگائی جائے اور وہ اس سے بری ہو، اور دوستوں سے ملنے کے وقت ۔ اور جب چند آدمی مجلس سے اٹھنے لگیں ۔ اور قرآن شریف ختم کرنے اور حفظ کرنے کے وقت ۔ اور جب مجلس سے اٹھنے لگے ۔ اور جس مجلس میں خدائے تعالیٰ کے ذکر کے واسطے جمع ہوں ۔ اور بات کرنے کے وقت اور علم پڑھنے اور پڑھانے اور وعظ کرنے ۔ اور فتویٰ دینے ۔ اور حکم کرنے کے وقت ، اور جب نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھے ۔ انتہیٰ ۔ الحاصل ان احادیث و آثار سے اوقات مخصوصہ مختلفہ درود شریف کے لئے ثابت ہیں اور ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت درود شریف ہے بلکہ صراحۃً بھی اس کا امر فرما دیا ہے چنانچہ کنز العمال اور وسیلہ عظمیٰ میں ہے **عن الحسن بن علی و أبی هريرة رضی الله عنهم قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم : اكثروا الصلوة علیّ فان صلٰوتكم علیّ مغفرة لذنوبكم . الحديث ابن عساكر عن الحسن بن علی ت ك عن ابی هريرة** ۔ ترجمہ: روایت ہے حسن بن علی اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زیادہ درود مجھ پر پڑھا کرو جس سے تمہارے گناہوں کی مغفرت ہو، روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن عساکر نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ۔ انتہیٰ ۔ اور وسیلہ عظمیٰ میں ہے **قال النبی صلی الله علیه و سلم : اكثروا من الصلوة علیّ لان أول ماتسألون فی القبر عنی . رواه السخاوی** ۔ ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ سب سے پہلے قبر میں تم لوگوں سے میرے ہی بارے میں سوال ہوگا ، روایت کیا اس کو سخاویؒ نے ۔ اور سوائے اس کے انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع اکثر حدیثیں نقل کی جائیں گی جس سے یہ بات بتواتر معنوی ثابت ہوجائے گی کہ امتیوں کا بہ کثرت درود شریف پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہے ۔

کثرت درود اہلِ سنت کی علامت ہے

اسی وجہ سے کثرت درود شریف علامت اہل سنت و جماعت کی ٹھہرائی گئی ہے، چنانچہ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں روایت کی ہے روی ابو القاسم التیمی فی الترغیب له من طریق علی بن الحسین قال علامة أهل السنة کثرة الصلوٰة علی رسول الله صلی الله علیه و سلم اور ظاہر ہے کہ کلام سعادت پیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود وحی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ تو معلوم ہوا کہ کثرت درود شریف کی حق تعالیٰ کو بھی منظور ہے۔ اور یہ دوسرا قرینہ ہے اس پر کہ امر صلّوا علیه استمرار کے لئے ہے۔ الحاصل صرف ایک دوبار درود شریف اسقاطِ فرضیت کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں بنانا کہ جس سے مسلمانوں کی رغبت کم ہوجائے خلافِ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کے ہے، اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلکہ خلافِ مرضیِ حق تعالیٰ کے بھی ہے، اعاذنا الله تعالیٰ من ذلک ۔

فائدہ:

سلام:

متعلق و سلّموا تسلیما ، سلام اسم ہے تسلیم کا، اور کئی معنی میں مستعمل ہے، صلح انقیاد و فرماں برداری و بذل الرضا بالحکم وغیرہ قال القاضی عیاض فی الشفا و فی معنی السلام علیه صلی الله علیه و سلم ثلاثة أوجه أحدها السلامة لک و معک ویکون السلامة مصدرا کاللذاذ و اللذاذة ، الثانی السلام علی حفظک ورعایتک متول له و کفیل ویکون هنا السلام اسم الله ، الثالث ان السلام بمعنی المسالمة و الا نقیاد ، کما قال الله تعالیٰ فلاو ربک لایومنون حتّی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی أنفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما. اور معنی بذل الرضا صحاح میں مذکور ہیں پس معنی السلام علیکم کے یہ ہوئے کہ تم سلامت رہو۔ یا ہم تمہارے فرمانبردار اور تمہارے

حکم پر راضی ہیں بہرحال دونوں صورتوں میں اظہار اخلاص اور دعا گوئی سلام سے مقصود ہے، پیشتر اہل عرب ملاقات کے وقت انعم اللہ علینا وغیرہ الفاظ کہا کرتے تھے بجائے اس کے ان الفاظ کے مقرر ہونے میں بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جب کوئی ان الفاظ کے ساتھ کسی کو خطاب کرتا ہے تو مخاطب کو تصریح سلامتی کی وجہ سے اطمینان اس شخص سے ہو جاتا ہے اسی سبب سے مخاطب پر جواب بھی اسی قسم کا واجب ہو گیا تا کہ اس کو بھی اس شخص سے اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ اب تک کل اہل عرب میں بدویوں تک یہ بات جاری ہے کہ جب سلام کرتے ہیں یا جواب سلام کا دیتے ہیں تو پھر کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا منظور ہوگا تو نہ سلام کریں گے نہ اس کا جواب دیں گے، پس معلوم ہوا کہ سلام صداقت واخلاص کی دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بات جتائی جاتی ہے کہ ہم آپ کے دعا گو اور خیر خواہ ہیں اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے جملہ اہل ایمان کو بمنطوق لازم الوثوق **و سلموا تسلیما** بتاکید امر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ سلام عرض کیا کریں تا ہر وقت اخلاص عقیدت کا اظہار بارگاہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا کرے، اسی واسطے ہر نماز میں خواہ فرض یا نفل ایک دو بار سلام عرض کرنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ اس تکرار میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو بسبب مشاغل ضروری کے جو لازمہ بشری ہیں ہر وقت حضوری نصیب نہیں ہوسکتی اس لئے نماز کے واسطے جو افضل عبادات ہے چند اوقات خاص خاص مقرر کئے گئے، پھر جب توجہ اس کی حق تعالیٰ کے طرف ہوئی تو ضرور ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی متوجہ ہو کیوں کہ حضرت ﷺ کی ذات مبارک مخلوق و خالق کے درمیان میں واسطہ جمیع فیوضات کا ہے، پس یہ متوجہ ہونا گویا بہ نسبت اس شخص کے حضوری ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر حضوری کے وقت سلام عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب کوئی شخص بار بار سلام عرض کر کے اپنی عقیدت و خیر خواہی جتاتا جائے اور ہر وقت اعتراف کیا کرے کہ مجھ سے کسی قسم کی اذیت نہ پہنچے گی باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسے کلمات ناشائستہ اور غیر مہذب کہے جس

سے سننے والوں کو اذیت پہنچے تو اس اظہار اخلاص کو کیا سمجھنا چاہئے، بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق ادب عطا فرمادے۔ الحاصل ہر نماز میں سلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مقرر ہونا دلیل ہے اس بات پر کہ کثرت اس سلام کی حق تعالیٰ کو نہایت پسند ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے حق تعالیٰ اس پر سلام کرتا ہے **کمافی المشکوۃ عن عبدالرحمٰنؓ بن عوف قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حتیٰ دخل نخلاً فسجد فاطال السجود حتی خشیت ان یکون اللہ تعالیٰ قدتوفاہ قال فجئت انظر فرفع رأسہ فقال مالک ؟ فذکرت ذلک لہ ، قال فقال إن جبرئیل علیہ السلام قال لی " إلاأبشرک ان اللہ عزوجل یقول لک من صلی علیک صلوۃ صلیت علیہ و من سلم علیک سلمت علیہ ". رواہ احمد ۔**

ترجمہ: روایت ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اور داخل ہوئے کسی نخلستان میں پھر سجدہ کیا آپ نے اور دراز کیا سجدہ یہاں تک کہ خوف ہوا مجھ کو کہ شائد انتقال ہوگیا ہو، پس قریب آیا کہ دیکھوں کیا حال ہے۔ پس اُٹھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اور فرمایا کہ کیا ہوا تم کو جو گھبرائے ہو، پس عرض کیا میں نے سرگزشت کو۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ خوش خبری دیتا ہوں میں آپ کو کہ حق تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے جو شخص آپ پر درود پڑھے صلوۃ بھیجتا ہوں میں اس پر اور جو شخص آپ پر سلام کرے سلام کرتا ہوں میں اُس پر، روایت کی اس کو امام احمد نے انتہی ۔ اور درمنضود میں ابن حجر ہیثمیؒ نے اسی مضمون کی روایت نقل کی اور کہا کہ صحیح کہا اس کو حاکم نے اور ایسا ہی کہا قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں کہ عبد بن حمید نے بھی روایت کی ہے اس کو اپنے مسند میں **وفی الوسیلۃ العظمی قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم انی رأیت جبرئیل فبشرنی وقال ان ربک یقول "من صلی علیک صلیت علیہ و من سلم علیک سلمت علیہ "**

فسجدت اللہ شکراً ۔ رواہ احمد والحاکم ۔ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا میں نے جبرئیل کو پس خوشخبری دی اُنھوں نے مجھ کو اور کہا کہ فرماتا ہے رب آپ کا جو شخص آپ پر درود بھیجے میں اُس پر صلوۃ بھیجتا ہوں اور جو شخص سلام عرض کرے آپ پر میں اُس پر سلام کرتا ہوں پس سجدہ شکر بجالایا میں اللہ تعالیٰ کا، روایت کیا اُس کو امام احمد اور حاکم نے ۔انتہی ۔ بعد اس کے رحمت الٰہی نے اور ترقی کی اور ایک سلام کے بدلے دس کی بشارت دی گئی **کما ورد عن أبی طلحة الأنصاریؓ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جاء ذات یوم والبشری تری فی وجھہ فقال انہ جاء نی جبرئیل علیہ السلام فقال أمایرضیک یا محمد أن لایصلی علیک أحد من أمتک إلاصلیت علیہ عشرا ولا یسلم علیک أحد من أمتک الا سلمت علیہ عشرا ، رواہ النسائی والحاکم فی صحیحہ وابن حبان والدارمی کذافی مسالک الحنفاء وقال السخاویؒ فی القول البدیع رواہ احمد ۔**
ترجمہ: روایت ہے ابی طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز برآمد ہوئے اور چہرہ مبارک سے خوشی نمایاں تھی پس فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ راضی نہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو امتی آپ کا ایک درود آپ پر بھیجے میں دس صلوۃ اُس پر بھیجوں اور جو ایک سلام آپ پر کرے میں دس بار اس پر سلام کروں ۔انتہی ۔ جائز ہے کہ یہ قول جبرئیل علیہ السلام کا ہو اپنے سے یا بر سبیل پیام ہو حق تعالیٰ کی طرف سے ۔ یہاں سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے تو اُس کے جواب کا حق حضرت ﷺ پر ہے حق تعالیٰ جو جواب ارشاد فرماتا ہے اس سے کس قدر خوشنودی حق تعالیٰ کی اس سلام سے ثابت ہوتی ہے۔ اس موقع میں یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد نہ فرماتے ہوں اس لئے حق تعالیٰ آپ کی طرف سے جواب دیتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں مصرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جواب سلام کا ادا فرماتے ہیں **کما روی**

الامام القرطبیؒ فی تفسیرہ عن عبدالرحمن بن عوف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال : ما منکم من أحد یسلم علیّ إذا مت إلاجاء نی سلامه مع جبرئیل ویقول یا محمد هذا فلان ابن فلان یقرئک السلام فأقول ''وعلیه السلام و رحمة اللہ و برکاته ۔'' ترجمہ: روایت ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب کوئی شخص تم میں کا سلام کرے مجھ پر میرے انتقال کے بعد تو پہنچے گا سلام اُس کا مجھ کو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اور کہیں گے وہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص فلاں بن فلاں سلام عرض کرتا ہے آپ پر، کہوں گا میں وعلیہ السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ انتہیٰ ۔ اور سوائے اس کے کئی فرشتے سلام پہنچانے پر مقرر ہیں جیسا کہ گزرا، الحاصل جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتا ہے تو حضرت ﷺ سے بھی جواب پاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی، اس سے ظاہر ہے کہ اس سلام میں خدا و رسول ﷺ کی کمال درجہ کی خوشنودی ہے اسی وجہ سے فرشتوں سے لیکر جھاڑ پہاڑ تک بکمال شوق سلام عرض کیا کرتے تھے۔ کما فی مسالک الحنفاء عن علیؓ قال کنا بمکة فخرج فی بعض نواحیها مما استقبله ولا شجرولا مدرولا جبل الاقال له السلام علیک یا رسول اللہ ، رواہ الدارمی والترمذی و حسنه والحاکم و صححه والطبرانی و أبونعیم والبیهقی. ترجمہ: روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ ہم لوگ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف پھر جو جھاڑ یا ٹیلا یا پہاڑ سامنے آتا السلام علیک یا رسول اللہ کہتا تھا۔ انتہے وفی المواهب اللدنیة .
وفی حدیث یعلی بن مرة الثقفی قال ثم سرناحتی نزلنا منزلافنام النبی صلی اللہ علیه و سلم فجاء ت شجرة تشق الأرض حتی غشیته ثم رجعت الی مکانها فلما استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم ذکرت له . فقال هی شجرة استأذنت ربها فی أن تسلم علی فأذن لها . الحدیث رواہ البغوی فی شرح السنة وقال الزرقانی رواہ أحمد

والطبرانی والبیهقی ۔ترجمہ: روایت ہے یعلی بن مرہ ثقفی سے کہ پھر چلے ہم یہاں تک کہ اترے کسی منزل میں پس آرام فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس آیا ایک جھاڑ زمین شق کرتا ہوا یہاں تک کہ ڈھانپ لیا حضرت صلعم کو پھر لوٹ گیا اپنے مقام پر پس جب بیدار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا میں نے قصہ اُس جھاڑ کا، فرمایا اجازت چاہی اُس نے اپنے رب سے کہ سلام کرے مجھ پر، پس اجازت دی گئی اُس کو۔انتہی۔اور مسالک الحنفا میں قسطلانیؒ نے نقل کیا ہے عن أبی بکر الصدیق قال الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امحق للخطأ من الماء البارد للنار والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم افضل من عتق الرقاب وحب النبی صلی اللہ علیہ و سلم افضل من مهج الأنفس أوقال أفضل من ضرب السیف فی سبیل اللہ رواه النمیری وابن بشکوال موقوفاً ۔ترجمہ: فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہ درود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جائے مٹانے والا گناہوں کا ہے زیادہ اس سے کہ پانی آگ کو نابود کردے۔اور سلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کیا جاتا ہے غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے اور محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل ہے خون دل کو بیٹنے سے یعنی جانبازی سے۔یا کہا افضل ہے تلوار مارنے سے راہِ خدا میں۔انتہی۔کہا قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں ذکر کیا امام فاکہانیؒ نے کہ یہ سلام غلام آزاد کرنے سے بہتر اس لئے ہے کہ عتق رقبہ کا مقابلہ عتق نار کے ساتھ ہے یعنی جو شخص غلام آزاد کرتا ہے تو ہر عضو اُس شخص کا مقابلہ میں اعضائے غلام کے دوزخ سے آزاد ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے کے مقابل اور عوض اللہ تعالیٰ کا سلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا سلام لاکھ جنتوں سے بہتر ہے۔انتہی۔اس کے سوا اور بہت حدیثیں سلام کی فضیلت میں وارد ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع لکھی جائیں گی۔

نماز میں سلام بطور انشاء

اب یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ اس سلام کی کس قدر وقعت ہے جو عین نماز میں ضروری ٹھہرایا

گیا حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبودِ حقیقی کی طرف چاہئے۔ اگر کہا جائے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے یعنی **السلام علیک ایھا النبی** اس سے خطاب مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے شب معراج کی۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں التحیات کا کچھ مطلب ہی نہ ہوا، صرف الفاظ ہی رہ گئے۔ نہ **التحیات للّٰہ** سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا نہ **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ** سے توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم فرمائی یہ نہ کہا کہ شب معراج اس قسم کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور حکایت اُس کو پڑھنا چاہئے۔ حدیث تعلیم التحیات کی یہ ہے جس کو ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں روایت کی ہے **عن ابی مسعودؓ قال : علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم التشھد کفی بین کفیہ کما یعلمنی السورۃ من القرآن التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین أشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد أن محمداً عبدہ و رسولہ . رواہ الجماعۃ وفی لفظ : ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال اذا قعد أحدکم فی الصلوۃ فلیقل التحیات للّٰہ . و ذکرہ ، وفیہ عند قولہ وعلی عباد اللّٰہ الصالحین فانکم اذا فعلتم ذلک فقد سلمتم علی کل عبدللّٰہ صالح فی السماء والارض ، وفی آخرہ : ثم یتخیر من المساء لہ ماشاء . متفق علیہ ، وعن ابن مسعود قال : کنا نقول قبل ان یفرض علینا التشھد السلام علی اللّٰہ السلام علی جبرئیل و میکائیل ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لاتقولوا ھکذا ولکن قولوا التحیات للّٰہ . ذکرہ الدارقطنی وقال اسنادہ صحیح و ھذا یدل علی انہ فرض علیھم** ۔ترجمہ: خلاصہ ان تینوں روایتوں کا یہ ہے کہ روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ تشہد فرض ہونے کے پیشتر ہم لوگ السلام علی اللہ السلام علی جبرئیل و میکائیل کہا کرتے تھے پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ ایسا مت کہو بلکہ جب کوئی نماز میں بیٹھے تو چاہئے کہ کہے التحیات للہ آخر تک اور سکھایا مجھ کو حضرت ﷺ نے یہ التحیات میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر جیسا کہ کوئی سورہ قرآن کا تعلیم فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ جب تم نے وعلی عباد اللہ الصالحین کہا تو گویا سلام کیا تم نے ہر بندہ صالح پر خواہ آسمان میں ہو وہ یا زمین میں، روایت کیا اس کو اہل صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دار قطنی نے بہ حسب تفصیل مذکور، پھر کہا ابن تیمیہ نے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ التحیات صحابہ پر فرض تھی۔ انتہی ملخصاً ۔ ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں مگر جن میں **السلام علیک ایھا النبی** آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اُن احادیث کو بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ امام احمد ابن حبان ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کی ہے کما فی کنز العمال، ان روایات سے کسی میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جائے، پھر جب حکایت ہونا اُس کا ثابت نہ ہوا تو معنی مقصود بالذات ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ بطور انشاء کہا جائے، جیسا کہ شیخ عابد سندھیؒ نے طوالع الانوار شرح درمختار میں اُس کی تصریح کی ہے۔ **کما سیجئ** ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ السلام علی جبرئیل و میکائیل اور بروایت امام احمد بن حنبل السلام علیٰ فلاں وفلاں کہا کرتے تھے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جب تم **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** کہو گے تو تمہارا سلام تمام مقربین و مرسلین و صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ سلام بطور انشا ہے نہ بطور حکایت۔ اگرچہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی تعمیم میں سلام پہنچ سکتا تھا لیکن چونکہ اُس میں کوئی خصوصیت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں رہتی تھی اس لئے ضرور ہوا کہ بحسب مرتبہ پہلے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کے ساتھ سلام عرض کرے اور تکمیل تحیت کے واسطے ورحمۃ اللہ و برکاتہ بھی زیادہ کرے جس سے اعتنا بالشان اس سلام کا ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسا **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** انشا ہے، ویسا ہی **السلام علیک** بھی انشا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے **السلام علیک ایھا النبی** جس میں خطاب وندا ہے متواتر ہے بتواتر لفظی اگر معنی اس کے مراد نہ لئے جائیں تو ایک قسم کا نسخ لازم آئے گا، پھر دلیل نسخ کو چاہئے کہ ویسی ہی قطعی ہو اور مخاطبہ شب معراج کا احادیث صحیحہ سے اگر ثابت ہو جائے جب بھی اس متواتر کا نسخ اس سے نہ ہو سکے گا، اس لئے کہ اول تو وہ احادیث احاد ہوں گی جس میں قطعیت نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس التحیات کو اُس کے ساتھ کچھ نسبت نہیں، غایۃ الامر یہ ہے کہ ہیئت دونوں کی ایک ہوگئی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اُس کی حکایت ہو، بلکہ وہاں جیسا حق تعالیٰ نے بطور انشا فرمایا تھا ویسا ہی یہاں مصلی بطور انشا عرض کرتا ہے۔ الحاصل بعد تصحیح ان احادیث کے اس متواتر کے نسخ کے لئے یہ بات ضرور ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے **و اذلیس فلیس**۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب آیۂ شریفہ **ان اللہ و ملٓئکتہ** نازل ہوئی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا صلوٰۃ کا طور ارشاد فرمائیے، چنانچہ درمنثور میں امام سیوطیؒ نے روایت کی ہے **وأخرج ابن أبی سعد و أحمد و ابن حمید والبخاری والنسائی و ابن ماجہ و ابن مردویہ عن أبی سعید الخدریؓ قال قلنا یا رسول اللہ ھذا السلام علیک قد علمناہ فکیف الصلوۃ ؟ قال قولوا اللھم صل علی محمد ، الحدیث** ۔ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ مراد اس سلام سے جس کی نسبت صحابہ نے اپنا علم ظاہر کیا سلام تشہد ہے یعنے **السلام علیک ایھا النبی حیث قال والمراد بقولھم السلام علیک فقد عرفناہ فکیف الصلوۃ علیک فاعلمھم ایاہ فی التشھد من قولھم السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ فیکون المراد بقولھم فکیف نصلی علیک ای بعد التشھد . قالہ البیھقی** ۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے نزدیک یہ سلام انشائے تحیت تھا اس لئے کہ سلموا کے امتثال میں اس کو قرار دیا تھا اور امتثال کے لئے انشا کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں ہوسکتی۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ امام سخاویؒ نے لکھا ہے کہ سلام عرض کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی مواقع میں واجب ہے ایک تشہد اخیر میں ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ، دوسرا نام مبارک آپ ﷺ کا سُن کر تیسرا جب قبر شریف کے پاس حاضر ہو حیث قال فی القول البدیع و لیعلم انه یرتقی درجة التسلیم علیه صلی اللہ علیه و سلم الی الوجوب فی مواضع الأول فی التشهد الاخیر نص علیه الشافعی الثانی مانقله الحلیمی أنه یجب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیه و سلم کلما ذکر و فی الشفا نقلاً عن القاضی أبی بکر بن بکر نزلت هذه الاٰیة علی النبی صلی اللہ علیه و سلم فأمر اللہ اُصحابه ان یسلموا علیه و کذلک من بعدهم أمروا ان یسلموا علی النبی صلی اللہ علیه و سلم عند حضورهم قبره و عند ذکره ۔

چھٹی دلیل شیخ عابد سندھیؒ نے طوالع الانوار شرح درمختار میں لکھا ہے کہ السلام علیک ایها النبی کے معنی کو مقصود بالذات سمجھے اور بطور انشا سلام عرض کرے کما قال ویقصد بالفاظ التشهد معانیها حال کون تلک الألفاظ مرادة له ای مقصودة لنفسه علی وجه الانشاء کأنه یحیی اللہ تعالیٰ ویسلم علی نبیه صلی اللہ علیه و سلم بقوله السلام علیک ایها النبی و رحمة اللہ و برکاته فان قیل کیف شرح هذا اللفظ وهو خطاب بشرمع کو نه منهیا فی الصلوة ، اجیب عن ذلک بأجوبة انتهی ۔

ساتویں دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری شریف میں ہے عن عبداللہ بن شنجرة ابو معمر قال سمعت ابن مسعودؓ یقول : علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم و کفی بین کفیه کما یعلمنی السورة من القرآن ”التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایها النبی و رحمة اللہ و برکاته السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشهد ان لا اله الا اللہ واشهد ان محمداً عبده و رسوله ، وهو بین ظهرانینا ، فلما قبض قلنا السلام یعنی علی النبی صلی اللہ علیه و سلم ۔ترجمہ: روایت ہے ابو معمر سے

کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے میں نے سُنا ہے کہ کہتے تھے سکھایا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات مذکور اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ لیکر جیسا کہ کوئی سورہ قرآن کا سکھاتے ہیں اُس حالت میں کہ حضرت ہم میں تشریف رکھتے تھے، پھر جب حضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو کہا ہم نے السلام یعنی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ انتہی ۔ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے ورد فی بعض طرق حدیث ابن مسعودؓ ما یقتضی المغائرة بین زمانه صلی الله علیه و سلم ومابعده فی الخطاب ، ففی الاستیذان من صحیح البخاری من طریق ابی معمر عنه بعدأن ساق حدیث التشهد قال وهو بین اظهرنا ، فلما قبض قلنا السلام یعنی علی النبی ، واخرجه ابو عوانة فی صحیحه و ابو نعیم والبیهقی من طرق متعددة بلفظ " فلما قبض قلنا السلام علی النبی " وکذلک رواه أبوبکر بن أبی شیبة ، قال السبکی فی شرح المنهاج بعد ان ساقه مسندا الی ابی عوانة وحده ان صح عن الصحابة هذا دل علی أن الخطاب فی السلام بعد رسول الله صلی الله علیه و سلم غیر واجب انتهی ۔ قلت قد صح بلاریب ، وقدوجدت له متابعا قویا قال عبدالرزاق أنا ابن جریح اخبرنی عطاء ان الصحابة کانوا یقولون والنبی صلی الله علیه و سلم حی السلام علیک ایها النبی ، فلما مات قالوا السلام علی النبی وإسناده صحیح واما ما روی سعید بن منصور من طریق ابی عبیدة بن عبدالله بن مسعود عن ابیه ان النبی صلی الله علیه و سلم علمه التشهد فذکره قال فقال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیک اذا کان حیاً ، فقال ابن مسعود هکذا علمناه وهکذا نعلم فظاهره ان ابن عباس قاله بحثاوان ابن مسعود لم یرجع الیه ، لکن روایة أبی معمر اَصح لان أبا عبیدة لم یسمع عن أبیه والاسناد مع ذلک ضعیف ۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سلام کو بطور انشاء کہا کرتے تھے اسی وجہ سے بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے لفظ خطاب

وندا کو بدل دیا اور السلام علی النبی کہنا شروع کیا، کیونکہ اگر یہ سلام بطور حکایت ہوتا تو بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی، پس ثابت ہوا کہ یہ سلام انشاء ہے نہ حکایت۔ اب یہاں یہ بات معلوم کرنا چاہئے کہ بعد وفات شریف کے اگر صحابہ کا خطاب وندا کو بدلنا ثابت ہو تو سبب اُس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے عالم ابدی ہوئے اور صحابہ نے مسند خلافت الٰہی کو وجود عنصری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالی پایا عالم آنکھوں میں تیرہ وتاریک ہوگیا غم والم کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعضوں سے دیوانوں کے سے حرکات صادر ہونے لگے۔ بات بات پر یادِ اشفاق ومراحم مربیانہ ایک مصیبت برپا کئے دیتے تھے باوجود یکہ بلال رضی اللہ عنہ اذان کے ثوابوں سے خوب واقف تھے اور اسی کام پر مامور تھے مگر اس صدمہ نے اُن کو اس فضیلت عظمیٰ سے باز رکھا تھا، کیونکہ جب نام مبارک زبان پر آجاتا تو نقشہ حضوری کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا پھر اس حالت جانکاہ کا بیان کیا ہو سکے کہ جس کی وجہ سے ایسی فضیلت عظمیٰ کے طرف مبادرت نہیں کر سکتے تھے، ہر چند صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اُنھیں آزاد کیا تھا حکم بھی فرمایا مگر جب بھی نہ ہوسکا، حالانکہ امتثال امر انکا اُنھیں دوطور سے ضرور تھا ایک بحثیت آقائی دوسرے خلافت کہ کسی مسلمان کو انحراف اُن کے امر سے جائز نہ تھا۔ لیکن کیا کر سکتے غم کا تسلط کچھ اس قدر ہوگیا تھا کہ دل ہی قابو میں نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ آخر معذور رکھے گئے چنانچہ کنز العمال میں منقول ہے **عن محمد بن ابراهيم بن الحراث التيمى قال لما توفى رسول الله صلى الله عليه و سلم اذن بلال و رسول الله صلى الله عليه و سلم لم يقبر فكان اذا قال اشهد ان محمداً رسول الله انتحب الناس فى المسجد ، فلما دفن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ابوبكر أذن فقال ان كنت انما اعتقتنى لله فخلنى ومن اعتقتنى له ، فقال انما اعتقتك لله فقال : انى لا أؤذن لأحد بعد رسول الله صلى الله عليه و سلم ، قال فذاك اليك فاقام حتى خرجت بعوث الشام فسارمعهم حتى انتهى إليها ابن سعد .**

ترجمہ: روایت ہے محمد ابن ابراہیم سے کہ جب وفات فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کہی بلال رضی اللہ عنہ نے اُس وقت کہ ہنوز حضرتؐ دفن نہیں کئے گئے تھے جب اُنہوں نے اشہدان محمداً رسول اللہ کہا مسجد شریف میں کہرام مچ گیا کسی سے ضبط گریہ نہ ہوسکا اور بے اختیار آوازیں بلند ہوگئیں۔ پھر بعد دفن کے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ عرض کیا کہ اگر آپ نے اللہ کے واسطے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے اللہ کے حوالہ کر دیجئے، فرمایا میں نے صرف اللہ واسطے تمہیں آزاد کیا ہے، کہا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اب کسی کا مؤذن نہونگا فرمایا تمہیں اختیار ہے، پھر اقامت کی مدینہ منورہ میں چند روز اور جب شام کی طرف لشکر روانہ ہوا تو اس کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں رہے۔ انتہی۔ اور بعض صحابہؓ نے وفات شریف کی خبر سنتے ہی دعا کی کہ الٰہی اب ہمیں نابینا کر دے کہ بعد اپنے حبیب کے کسی کی صورت نہ دیکھیں کما فی المواهب اللدنية وذكر ابن الظفر أيضاً ان عبدالله بن زيد هذا كان يعمل فى جنته له ، فاتاه ابنه فأخبره أن النبى صلى الله عليه و سلم توفى ، فقال اللهم اذهب بصرى ، لاأرى بعد حبيبى محمداأحدا فكف بصره أى عمى ۔ واقع میں اس مصیبت کی کچھ انتہا، نہیں سواری مبارک کے جانور پر اس صدمہ کا وہ اثر ہوا کہ متحمل نہ ہوسکا آخر خودکشی کی، چنانچہ محدثینؒ نے اُس کی تصریح کی ہے جب جانور کا یہ حال ہو تو اُن جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جن کو محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عالم سے اور جان سے زیادہ تر تھی۔ مگر ہر آسودہ حال کو اس حالت کی کیا خبر اُس کو تو وہی لوگ جانیں جو مذاق محبت سے واقف اور فراق کے صدمے اُٹھا چکے ہوں۔ الحاصل کمال غم والم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب کو ترک کر دیا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہوگئی بحسب تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر اُسی طور پر بصیغہ خطاب وندا پڑھنا شروع کیا، چنانچہ صحابہ وتابعین کا عمل اسی پر رہا اور آج تک وہی جاری ہے، اثبات اس دعوی کا کئی وجوہ سے ہوسکتا ہے۔ وجہ اول یہ ہے کہ بروایت متعددہ ثابت

ہے کہ حضرت صدیق اکبر و عمر فاروق اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم برسر منبر علی رؤس الاشہاد اپنے خلافتوں میں تعلیم التحیات کی بلفظ السلام علیک ایہا النبی کیا کرتے تھے اور یہ تعلیم کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ سکے، پھر اگر کسی کو ندا و خطاب میں کلام ہوتا ضرور کہہ دیتے کیونکہ صحابہ کی شان سے بعید ہے کہ کسی مسئلہ کو خلاف واقع سُن کر خاموش رہ جائیں، خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے، امام زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے **وعن جماعة من أهل النقل أن تشهد ابن مسعود اصح مايروى وعليه عمل اكثر اهل العلم من الصحابة والتابعين حتى قال ابن عمر كان ابوبكر الصديق يعلمنا التشهد على المنبر كما يعلم الصبيان فى الكتاب فذكر تشهد ابن مسعود** یعنی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برسر منبر تعلیم تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کیا کرتے تھے جیسا کہ مکتبوں میں لڑکوں کو تعلیم کیا کرتے ہیں یہ تشہد وہ ہے جس میں السلام علیک ایہا النبی موجود ہے۔ اس لئے کہ محدثین وفقہا جب تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کہتے ہیں تو مراد اُس سے وہ تشہد ہوتی ہے جو مرفوع ہے یعنے جس کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے **كما هو الظاهر عند أهل العلم وعن عبدالرحمن بن القارى أنه سمع عمرؓ بن الخطاب وهو على المنبر وهو يعلم الناس التشهد يقول قولوا ”التحيات الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله السلام عليك أيها النبى و رحمة الله و بركاته اشهد ان لا اله الا الله واشهد أن محمد اعبده و رسوله“ مالك والشّافعى عب والطحاوى ك ق كذافى كنزالعمال** ۔ ترجمہ: روایت ہے عبدالرحمٰن ابن القاری سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے میں نے سُنا ہے کہ التحیات مذکور برسر منبر تعلیم کرتے تھے روایت کیا اس کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں **عن سعيد بن جبير وطاؤس عن ابن عباسؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يعلمنا التشهد كما يعلمنا القراٰن فكان يقول التّحيات المباركات**

الصلوات الطيبات لله السلام عليك ايها النّبى و رحمة الله و بركاته ۔ الحديث وعن ابن جريج قال سئل عطاء وانا أسمع عن التشهد فقال " التحيات المباركات الصلوة لله " ۔ ثم ذكر مثله قال لقد سمعت عبدالله بن الزبير يقولهن على المنبر يعلمن الناس ولقد سمعت عبدالله بن عباس يقول مثل ماسمعت ابن الزبير يقول ، قلت : فلم يختلف ابن الزبير وابن عباس ؟ فقال لا یعنی کہا عطاءؒ نے کہ سُنا میں نے عبداللہ بن زبیر سے کہ برسر منبر التحیات مذکور کی تعلیم کیا کرتے تھے اور وہی التحیات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی سنی ہے انتہی ملخصاً ۔ جب اس قسم کے مجمعوں میں جس میں ہزارہا صحابہ ہوتے تھے خلفاء نے تشہد بصیغہ خطاب تعلیم کیا اور کسی نے اُس کا انکار نہ کیا تو ثابت ہوا کہ صحابہ کا اجماع اسی پر تھا۔ اب بعد ثبوت اجماع کے ضرورت نہ رہی کہ افراد صحابہ کا بھی عمل بیان کیا جائے مگر تبرعاً چندا کابر صحابہ کا عمل بھی بیان کیا جاتا ہے تا طالبین حق کو کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اور تعلیم کرنا بصیغہ خطاب ابھی معلوم ہوا اور عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی قسم کی التحیات ثابت ہے کما فى الموطأ للإمام محمدؒ قال مالكؒ أخبرنا عبدالرحمن بن قاسم عن أمه عن عائشةؓ انها كانت تتشهد فتقول التحيات الصلوات الزاكيات لله اشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريك له وأشهدان محمداعبده و رسوله السلام عليك ايها النبى و رحمة الله و بركاته السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين السلام عليكم ۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے كما فى الموطا، للإمام محمد قال مالك أخبرنا نافع عن ابن عمر انه كان يتشهد فيقول بسم الله التحيات لله والصلوات لله والزاكيات لله السلام عليك ايها النبى و رحمة الله و بركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين الحدیث اور شرح معانی الآثار میں امام طحاویؒ نے روایت کی ہے عن مجاهد قال كنت أطوف مع ابن عمر بالبيت وهو يعلمنى التشهد يقول

التحيات لله الصلوات الطيبات السلام عليک أيها النبی و رحمة الله قال ابن عمر وزدت فيها و بر كاته یعنی مجاہد کہتے ہیں کہ سکھایا مجھ کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالت طواف کعبہ میں تشہد مذکور۔ اسی طرح معاویہ اور سلمان فارسی اور ابو حمید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ مولانا مولوی محمد عبدالحی لکھنوی مرحوم نے تعلیق المجد میں لکھا ہے ومنهم معاوية أخرج الطبرانی فی الكبير مثل تشهد ابن مسعود ومنهم سلمان أخرج الطبرانی والبزاز مثل تشهد ابن مسعود وقال فی آخره قلها ولا تزد فيها حرفاً ولا تنقص منها حرفاً واسناده ضعيف و منهم أبو حميد اخرج الطبرانی عنه مرفوعاً مثله یعنی یہ حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد پڑھا کرتے اور روایت کیا کرتے تھے اور کہا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نہ اس سے زیادہ کرو نہ کم اور ایسا ہی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عن ابی المتوکل قال سألت ابا سعيد عن التشهد فقال التحيات الصلوات الطيبات لله السلام عليک ايها النبی و رحمة الله و بركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد اعبده و رسوله ، وقال ابو سعيد كنا لانكتب شيئا الاالقرآن والتشهد ۔ش كذا فی كنزالعمال ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ تابعین کو اسی التحیات کی تعلیم کیا کرتے تھے جس کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ كما روى ابن الهمام فی فتح القدير . قال ابو حنيفةؒ أخذ حماد بن سليمان بيدی وعلمنی التشهد وقال حماد أخذ ابراهيم بيدی وعلمنی التشهد وقال ابراهيم أخذ علقمة بيدی وعلمنی التشهد وقال علقمة أخذ عبدالله بن مسعود بيدی وعلمنی التشهد وقال عبدالله أخذ رسول الله صلى الله عليه و سلم بيدی وعلمنی التشهد كما يعلمنی السورة من القرآن وكان يأخذ علينا بالواو واللام یعنی سکھایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو التحیات ہاتھ پکڑ کر جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سکھایا تھا اس سے

ظاہر ہے کہ صرف چند روز صیغہ خطاب وندا کو انھوں نے بدلا تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس تعبیر میں لحاظ خطاب و ندا کا تھا تو یہ سبب قبل انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا۔ اس لئے کہ صحابہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے پس اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ حالت غیبت میں بصیغہ خطاب وندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے مروی نہیں ، بلکہ خود اس حدیث میں مصرح ہے کہ بعد وفات شریف کے خطاب بدلا گیا ، پس معلوم ہوا کہ علت تغیر کی ندا و خطاب نہ تھا بلکہ صدمہ وفات شریف کا تھا۔ پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اوّل تو جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے صیغہ ندا کو بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا سبب اُس کا یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب و ندا جائز نہیں ۔ اور بعد چند روز کے بدلنے والے بھی بحسب تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیغہ خطاب پڑھتے اور تعلیم کیا کرتے تھے۔ شیخ عابد سندھیؒ نے المواہب اللطیفہ فی شرح مسند ابی حنیفہؒ میں اس مسئلہ میں نہایت ہی لطیف و چست بحث کی ہے ، چونکہ مناسب مقام ہے اس لئے بعینہ اُن کی عبارت نقل کی جاتی ہے وھی **ھذہ لا شک أن الشارع صلی اللہ علیہ و سلم علمھم لفظ التشھد وقد اشتمل علی الخطاب ولم یقل لھم انھم یخالفون بذلک اللفظ بعد وفاتہ مع ان الموجب فی الاتیان بلفظ الغیبۃ کان موجودا فی زمانہ صلی اللہ علیہ و سلم لغیبتھم عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی الأسفار والمغازی والسرایا وغیر ذلک ولم ینقل عن أحدمنھم انہ کان تشھد بلفظ الغیبۃ فی تلک الحالات علی ان عمر رضی اللہ عنہ علم الناس التشھد علی المنبر فی ایام خلافتہ فعلمھم بلفظ الخطاب کما اخرجہ مالک فی الموطأ عن عبدالرحمن بن عبدالقاری وکذلک رواہ القاسم بن محمد عن تشھد عائشۃؓ الذی کانت تتشھد بہ وذلک لاشک فیہ انہ بعد وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم ، وکذلک مارواہ نافع ان ابن عمرؓ کان یتشھد وفیہ "السلام علیک ایھا النبی و**

رحمة الله و برکاته'' وکل هذا عند مالک فی الموطأ وکان ابو موسی یعلم بهذا ایضا کما اخرجه النسائی ، وعلم ابن عمر عبدالله بن ناطی بذلک عند ابی داؤد و ، علم سلمان أباراشد کذلک کما اخرجه الطبرانی فی الکبیر والبزاز ، فهذا کله صریح فی انهم حملوا الفاظ التشهد علی سبیل التعبد ولم یجعلوه مخصوصاً بزمان دون زمان ، فغایة مایفهم من فعل ابن مسعودؓ فیما اخرجه البخاری وغیره وفی فعل الصحابة الذین حکی عنهم عطاء ان یکون اجتهاداً منهم لا. انه بتوقیف من الشارع صلی الله تعالیٰ علیه و سلم مع انه لا مجال للاجتهاد فی مقابلة ماعینه الشارع صلی الله تعالیٰ علیه و سلم علی ان خبر عطاء لایفهم من سمع من الصحابة بلفظ الغیبة ، وغالب ما یروی عن عطاء عن هؤلاء المذکورین من الصحابة وقد اسمعناک من أمرهم وما کانوا یتشهدون الا بلفظ الخطاب والله اعلم ، ومن وقف علی خلاف ماحررته مؤیدا ببرهان فلیفد جزاه الله خیرا ۔خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ التحیات تعلیم فرمائی تھی جس میں صیغہ خطاب ہے اور یہ نہ فرمایا کہ بعد وفات شریف کے وہ لفظ بدل دیا جائے۔ اور سبب صیغہ غائب کا خود حضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا کیونکہ صحابہ سفر وغیرہ کی وجہ سے غائب ہوا ہی کرتے تھے۔ پھر کسی سے یہ منقول نہیں کہ اُس حالت میں صیغہ خطاب کو ترک کیا ہو، اور عمر فاروق اور عائشہ صدیقہ اور ابن عمر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا تعلیم کرنا اور پڑھنا بصیغہ خطاب بعد وفات شریف کے ثابت ہے، پس اس سے ظاہر ہے کہ الفاظ تشہد صحابہ کے نزدیک تعبدی تھے کہ خصوصیت اُس کو کسی زمانہ کے ساتھ نہیں۔ اور بعض صحابہ نے جو اُس کو بدل دیا تھا تو وہ اُن کا اجتہاد تھا شارع علیہ السلام کا اس میں امر نہیں باوجودیکہ مقابلہ میں تعیین شارع کے اجتہاد کو دخل نہیں، پھر کہا شیخ عابد رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کوئی شخص اس تحریر کے خلاف پر مطلع ہو تو چاہئے کہ پیش کرے بشرطیکہ مؤید بالبرہان ہو۔ انتہی۔

احادیث مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کبار بعد وفات شریف کے التحیات بصیغہ ندا و خطاب پڑھا کرتے اور علی رؤس الاشہاد تعلیم کیا کرتے تھے اور خاص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس التحیات کی تعلیم میں نہایت اہتمام تھا کہ ایک ایک حرف کی کمی و زیادتی پر مواخذہ کیا کرتے تھے چنانچہ قریب میں معلوم ہوگا ، اور امام ترمذی نے بعد حدیث التحیات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لکھا ہے کہ عامہ اہل علم صحابہ و تابعین کا اسی پر عمل تھا اور یہی قول سفیان ثوری اور ابن مبارک اور امام احمدؒ وغیرہم کا ہے اور کہا کہ امام شافعیؒ نے تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اختیار کیا ہے اُس میں بھی صیغہ خطاب وندا کا موجود ہے ۔ اور یہ بھی مضمون سابق سے مستفاد ہوا کہ ائمہ اربعہؒ کی معمول بہ وہ التحیات ہے جس میں صیغہ خطاب وندا کا ہے اور علماء مذاہب اربعہؒ کا عمل الی یومنا ہذا اسی پر جاری ہے ، چنانچہ حنابلہ سے ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں ندا و خطاب والی تشہد کو ذکر کیا اور ابو معمر کی روایت سے اغماض کیا بلکہ کتاب المحرر میں جو فقہ میں لکھی ہے اسی تشہد کا امر کیا ہے جس میں خطاب موجود ہے حیث **قال و یتشهد فیقول " التحیات لله الصلوات الطیبات السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و بر کاته " الخ** ۔حتی کہ خود امام بخاریؒ نے ترک خطاب کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ التحیات کے ابواب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر استدلال کیا جس میں اُن کا وہ قول نہیں اور جس میں وہ قول ہے اُس کو کتاب الاستیذان میں مصافحہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا امام بخاریؒ کے نزدیک بھی معمول بہ نہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ مقصود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس قول سے کیا ہے جو بخاری میں بروایت ابی معمر مذکور ہے **علّمنی رسول الله صلی الله علیه و سلم و کفی بین کفیه کما یعلّمنی السّورة من القرآن التحیات لله الخ وهو بین ظهرانینا فلما قبض قلنا السّلام یعنی علی النبی صلی الله علیه و سلم** ۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بعد وفات شریف کے بھی صحابہ التحیات میں حضرت ﷺ پر وہی سلام عرض کیا

کرتے تھے جو سابق سے معین تھا یعنی السلام علیک ایہا النبی۔ تا کہ خدشہ حاضرین کا ندا وغیرہ کے باب میں بنظر فعل صحابہ کے دفع ہو جائے۔ اور یہ بات مطابق واقع کے ہے کہ صحابہ کا فعل ایسا ہی تھا **کما مرّا نفا**۔ اس توجیہ پر الف لام قلنا السلام میں عہد کا ہوگا پس مطلب یہ ہوا کہ جب انتقال فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم نے التحیات میں وہی سلام جو اوپر مذکور ہے۔ اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ فلما قبض کے جواب میں صرف السلام پر اکتفا کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس سلام کی خبر مخاطب کو دینا منظور ہے۔ اور اگر خطاب بدلنے کا اخبار منظور ہوتا تو صرف السلام پر اکتفا نہ کرتے بلکہ غیبت کی تصریح کر دیتے۔ اور اگر لفظ السلام کو مقولہ قلنا کا بتائے تو لازم آتا ہے کہ صرف السلام کہتے ہوں بغیر ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ظاہر البطلان ہے۔ پھر مزید توضیح اور تعیین کے لئے سلام کی تفسیر کی باعتبار مسلم علیہ کے حیث **قال قلنا السلام یعنی علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم** اس لئے کہ التحیات میں مسلم علیہ تین ہیں پس مطلب اُس کا یہ ہوا کہ بعد وفات شریف کے ترک نہیں کیا ہم نے سلام کو بلکہ کہا ہم نے وہ سلام یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بلفظ السلام علیک ایہا النبی کہا کرتے تھے اور اسی کی موید ہے وہ روایت جو عبارت فتح الباری میں اوپر مذکور ہوئی کہ کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ السلام علیک ایہا النبی ہم اُس وقت کہتے تھے جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے۔ مقصود یہ کہ بعد وفات شریف کے سلام کیسا کہنا چاہیئے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہم کو اور ویسا ہی تعلیم کیا کرتے ہیں ہم انتہی۔ اس تقریر سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سکوت حاصل ہو گیا اسی وجہ سے آپ کا بصیغہ خطاب پڑھنا اور تعلیم کرنا روایات مذکور بالا سے ثابت ہے۔ اگرچہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ روایت ابو معمر کی (جس میں قول عبداللہ بن مسعود فلما قبض قلنا السلام ہے) اصح ہے اور یہ روایت مناظرہ ضعیف ہے، مقصود اس سے یہ کہ معارضہ کی وجہ سے روایت ابی معمر کو جو بخاری میں ہے ترجیح ہوگی۔ مگر اس وجہ سے کہ اس کی معارض نہیں بلکہ معاضد ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو

ضعف اس کا کچھ مضر نہ ہوگا بلکہ احد الاحتمالین کی ترجیح جو دوسرے قرائن سے ہو چکی ہے اس کی تائید کے لئے کافی ہوسکتی ہے کیونکہ قطعاً موضوع نہیں جو بالکل بیکار کی جائے غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ یہ روایت ایک احتمال کے معارض ہے، پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معارضہ ضعیف کا صحیح کے ساتھ ہو، کیونکہ اگر صحیح وقوی ہے تو اسناد ہے نہ وہ احتمال۔ اور اسی طرح یہ روایت بھی اس کی مؤید ہے **عن الأسود قال كان عبدالله رضی اللہ عنہ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القراٰن فيأخذ علينا الالف والواو رواه ابن النجار كذافي كنز العمال** ۔ ترجمہ: روایت ہے اسود سے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشہد ہم کو ایسا سکھاتے تھے جیسا کہ سورہ قرآن کا سکھاتے ہیں کہ الف و واؤ میں گرفت و گیر کیا کرتے تھے، اور ابھی علقمہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ الف و لام میں مواخذہ کرتے تھے اور امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے: **قال محمدؒ فكان عبدالله بن مسعود يكره أن يزاد فيه حرف أو ينقص منه حرف** ترجمہ: مکروہ سمجھتے تھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشہد کے ایک حرف کی کمی و زیادتی کو، وجہ اس اہتمام کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی التحیات کی تعلیم کا اُن کو امر فرمایا جس کو بکمال اہتمام مثل بیعت لینے کے ہاتھ میں ہاتھ لے کر سکھاتے تھے **كما قال الشيخ عابد السندهيؒ في طوالع الانوار قال الزيلعي انه صلى الله عليه وسلم امر ابن مسعودؓ ان يعلمه الناس فيما رواه احمد والأمر للوجوب ولاينزل من الاستحباب** اور بروایت متفق علیہ جو منتقی الاخبار سے لکھی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا **اذا قعد احدكم في الصلوٰة فليقل التحيات لله الحديث.** اس سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ التحیات ہے اب رہی یہ بات کہ ابوعوانہ اور ابونعیم اور بیہقی اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے قول ابن مسعودؓ کو بغیر لفظ یعنی کے روایت کیا ہے اس طور پر **فلما قبض قلنا السلام على النبي** تو جائز ہے کہ کوئی راوی لفظ یعنی کو بھول گیا ہو یا زائد سمجھ کر ترک کر دیا ہو، کیونکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک درست ہے۔ امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفا میں لکھا ہے **وقد وقع في**

الصحیحین روایات کثیرة من هذا النمط فیها لفظ تصرف فیه الراوی وغیره اثبت منه کحدیث مسلم عن أنس فی نفی قراء ة البسملة وقد أعله الإمام الشافعی رضی اللہ عنہ بذلک وقال إن الثابت من طریق آخر ینفی سماعها ففهم منه الراوی نفی قراء تها فرواه بالمعنی علی مافهمه فأخطأ اور یہ ظاہر ہے اس لئے کہ جب یہی روایت بخاری شریف میں موجود ہے تو ضرور ہے کہ فضیلت بخاری کی ملحوظ رہے۔اور سوائے اُس کے قاعدہ مسلمہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے کما قال النووی فی مقدمة مسلم زیادات الثقة مقبولة مطلقاً عندالجماهیر من اهل الحدیث والفقه والأصول ۔ اس اعتبار سے بھی لفظ یعنی معتبر ہوا ۔ اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ لفظ ''یعنی'' غلط ہے جب بھی کچھ نقصان نہیں۔ کیونکہ وجوہات مذکورہ بالا سے جب الف ولام السلام کا عہدی ٹھہرا تو علی النبی مع متعلق صفت اس کی ہوجائے گی اور مطلب اس عبارت کا یہ ہوگا کہ بعد انتقال کے کہا ہم نے وہی سلام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔اگر کہا جائے کہ یہ تاویل ہے مفہوم ظاہر عبارت یہ ہے کہ جملہ السلام علی النبی مقولہ قلنا کا ہے۔تو ہم کہیں گے کہ یہ تاویل کچھ نئی بات نہیں جس سے استبعاد ہو، ظاہر ہے کہ جب نصوص آپس میں معارض ہوتے ہیں تو حتی الامکان کسی ایک میں تاویل کی جاتی ہے اور یہاں بھی یہی ہوا اس لئے کہ اگر یہ مؤول ظاہر پر چھوڑا جائے تو کئی قباحتیں لازم آتی ہیں ، ایک بلا دلیل نسخ عموم اوقات کا جو باحادیث صحیحہ ثابت ہے۔ دوسری ترجیح اجتہاد کی مقابلہ میں نص کے جو جائز نہیں کما قال الشیخ عابدؒ فی المواهب اللطیفة ولامجال للاجتهاد فی مقابلة ما عینه الشارع صلی اللہ علیه و سلم أی فی التشهد ۔ تیسرا تناقص ،اس لئے کہ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خلاف اُس کے مروی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا ۔ الحاصل ان اسباب سے یہاں تاویل کی ضرورت ہے۔اب رہا قول ابن عطاء کا جس کو فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ صحابہ بعد وفات شریف کے السلام علی النبی کہا کرتے تھے،سواُس کا جواب یہ ہے : صحابہ کا فعل اور تعلیم احادیث مذکورہ بالا

سے ثابت ہے کہ کسی نے خطاب وندا کو ترک نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ عطاؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ظاہر قول کا مطلب بیان کر دیا جو بروایت ابی عوانہ مروی ہے ورنہ کسی اور صحابی سے اس قسم کی بات مروی نہیں ۔ الحاصل قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ تمام صحابہ تو کیا خود عبداللہ بن مسعود نے بھی خطاب ندا کو بعد وفات شریف کے ترک کیا ہو۔ **ھذا ماتیسر لی و ھوولی التوفیق و التوقیف** ۔

نادرہ: ندائے غائب کے مسئلہ میں جب استدلال السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ کیا جائے تو بعض لوگ اُس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ یہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی، پھر جو اُن سے پوچھا جائے کہ کیا اس حدیث کو مانتے ہو تو کہتے ہیں اگر وہ حدیث مانی جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ سدرۃ المنتہٰی سے اُس طرف جانے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے پاس ثابت نہیں۔ یہ عجیب بات ہے اگر نماز کی التحیات کو حکایت اس کی قرار دیں تو چاہئے کہ محکی عنہ کو اپنے قواعد کے موافق ثابت کریں یا مان لیں اور اگر محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں، اس کے کیا معنی کہ حکایت میں تو وہ زور وشور اور محکی عنہ سے بالکل انکار کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں ۔ الحاصل ہر مسلمان کو چاہئے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف متوجہ ہوکر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا ۔ کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہوگیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف میں ہوں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے ۔ اور اس میں تعلل ایسا ہوگا جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سجدہ میں تعلل کیا تھا۔ اب یہ بات معلوم کرنا چاہئے کہ جب اس سلام کا یہ رتبہ ہوا کہ ایک حصہ عبادت محضہ یعنی نماز کا اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں ہم لوگوں کو کس قدر اہتمام وادب چاہئے ۔ ہر چند عوام الناس اس قسم کے اُمور سے مرفوع القلم ہیں کیونکہ اُن کو تو اسی قدر کافی ہے کہ جتنا شارع نے ضرور بتایا اتنا کر دیا۔ مگر اہل عقل وتمیز کو چاہئے کہ ایسے اُمور میں غور وفکر کریں اور ادب سیکھیں۔ **العاقل تکفیہ الاشارۃ** ۔

قیام وقتِ سلام

الغرض جب کسی وقت خاص میں سلام عرض کرے تو چاہیئے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دست بستہ ہوکر **السلام علیک یا سیدنا رسول اللہ السلام علیک یا سیدنا سیدالاولین والآخرین** وغیرہ صیغہ جن میں حضرت کی عظمت معلوم ہو عرض کرے، اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام میں تشبیہ بالعبادت ہے اور وہ جائز نہیں تو جواب اُس کا یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو شبیہ بالعبادت میں کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جاوے کہ **قوموا اللہ قٰنتین** سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے چاہیئے ،تو ہم کہیں گے کہ بیشک نماز کا قیام خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اور اگر مطلق قیام کی اس میں تخصیص ہوتی تو لفظ اللہ کی ضرورت نہ تھی ، خلاصہ یہ کہ اس آیۃ شریفہ سے نماز کا قیام فرض ہوا نہ یہ کہ انحصار قیام کا اس میں ثابت ہوا اگر یہی بات ہوتی تو کوئی قیام درست ہی نہ ہوتا ، حالانکہ جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک علاوہ اور مقاموں کے کسی کے اکرام کے واسطے کھڑا رہنا بھی درست ہے۔۔

اکرامی قیام

چنانچہ اس مسئلہ کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں بشرح وبسط لکھا ہے ماحصل اُس کا یہ ہے: احکام قیام کے مختلف ہیں۔ ایک وہ کہ جیسے امراء وسلاطین مثلاً بیٹھے ہوتے ہیں اور خدام و اتباع اُن کے تعظیماً روبرو کھڑے رہتے ہیں یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ دوسرا وہ کہ جیسے کوئی سفر سے آئے یا کوئی خوش خبری یا تہنیت آنے والے کو دینا ہو ایسے مواقع میں قیام بالاتفاق جائز ہے۔ تیسرا کسی کے اکرام کے واسطے کھڑا رہنا جس کو ہمارے محاورہ میں تعظیم کہتے ہیں یہ صورت مختلف فیہ ہے ابن قیم اور ابوعبداللہ ابن الحاج کے پاس ناجائز ہے اور امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز اور امام بخاری اور مسلم ، ابوداؤد ، بیہقی ،طبرانی ، ابن بطال ، خطابی ، منذری ، تورپشتی اور امام نووی رحمہم اللہ کے اقوال سے اس کا جواز ثابت ہے۔ مانعین کے دلائل یہ ہیں:

(۱)عن معاویةؓ قال قال النبی صلی اللہ علیه و سلم من أحب أن یتمثل له الرجال امتثالا وجبت له النار۔

ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص دوست رکھے اس بات کو کہ لوگ اُس کے لئے کھڑے رہا کریں تو واجب ہے اس کے واسطے دوزخ۔

(۲) بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ابن زبیر اور ابن عامر بیٹھے ہوئے تھے کہ نکلے معاویہ رضی اللہ عنہ پس قیام کیا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اور بیٹھ رہے ابن زبیر، کہا معاویہ نے ابن عامر سے بیٹھ جاؤ کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے **من احب ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعده من النار** یعنی جو شخص دوست رکھے کہ لوگ کھڑے رہا کریں اُس کے لئے تو چاہئے کہ وہ شخص گھر اپنا دوزخ میں بنالے انتہیٰ۔

(۳)عن انسؓ قال انما هلک من کان قبلکم بأنهم عظموا ملوکهم بان قاموا وهم قعود رواہ الطبرانی۔ ترجمہ: روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے ہلاک ہوئے اسی وجہ سے کہ تعظیم کی اُنہوں نے بادشاہوں کی اس طور سے کہ کھڑے رہتے تھے وہ اور سلاطین بیٹھے رہتے تھے۔ انتہیٰ۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قیام اکرام درست نہیں۔ امام نوویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ مقصود اس سے زجر ہے اُن لوگوں کو جو کہ کبر ونخوت کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کے واسطے کھڑے رہیں، پھر خواہ لوگ کھڑے ہوں یا نہ ہوں صرف یہ دوست رکھنا قیام کا ممنوع ہے اور اس سے قیام کی ممانعت نہیں معلوم ہوتی۔ ابن الحاجؒ نے اس جواب کو رد کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قیام سے منع کرنا دلیل بین ہے نفس قیام کے منع ہونے پر۔ ابن حجرؒ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا حالانکہ امام نوویؒ کی طرف سے اس کا بھی جواب ہوسکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع میں جو حدیث **من احب ان یتمثل له الرجال قیاماً** پڑھی مقصود اس سے یہ نہ تھا کہ نفس قیام کی ممانعت ظاہر کریں بلکہ معلوم کرانا اس

بات کا منظور تھا کہ مثل سلاطین امم سابقہ کے لوگوں کا قیام مجھ کو پسند نہیں ، اس لئے کہ لغت میں مثول کے معنی دیر تک کھڑے رہنے کے ہیں نہ صرف اُٹھنا ، چنانچہ صحاح جوہری میں ہے **مثل بین یدیه مثولا ای انتصب قائما** اس موقع میں اس حدیث کے ساتھ استدلال کرنا دلیل ہے اس پر کہ اپنا ابرائے ذمہ اُنھیں مقصود تھا ، کیونکہ اس حدیث میں وعید اُس شخص کے واسطے ہے جس کو لوگوں کا کھڑا رہنا اچھا معلوم ہو۔ اگر نفس قیام سے منع کرنا منظور ہوتا تو کوئی ایسی دلیل لاتے جس سے اس فعل کی ممانعت معلوم ہو۔ مثل **لاتقوموا کمایقوم الأعاجم** کے۔ اور طبرانی کی حدیث مذکور میں اسی قسم کا قیام ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے قیام کو منع فرمایا۔ امام نوویؒ نے اُس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ منع کرنا فتنہ کے خوف سے تھا کہ کہیں تعظیم میں شدہ شدہ افراط نہ ہو جائے اسی واسطے **لاتطرونی** بھی فرمایا ہے ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت قیام فرمایا اور کبھی جو بعضوں نے قیام بھی کیا ہے اُس سے منع نہیں فرمایا۔ اور کسی موقع میں قیام کا امر فرمانا بھی ثابت ہے اور سوائے اس کے اس منع میں یہ بھی ملحوظ ہوگا کہ بعد رسوخ محبت وعقیدت کے تکلفات عرفیہ کی ضرورت نہیں۔

(۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ امام مالکؒ سے اس کا انکار منقول ہے کہ کسی شخص کے واسطے کوئی اُٹھے اور کھڑے رہے جب تک کہ وہ نہ بیٹھے اگرچہ آنے والا کسی کام میں مشغول رہے۔ اگرچہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب نہیں دیا مگر ظاہر ہے کہ نفس قیام کا انکار اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) چھٹی دلیل **عن أمامةؓ قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه و سلم متوکاً علی عصاً فقمنا له فقال لاتقوموا کما یقوم الأعاجم بعضهم لبعض**۔ ترجمہ: روایت ہے ابی امامۃ رضی اللہ عنہ سے کہ برآمد ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ ٹیکا دیئے ہوئے تھے عصا پر، پس کھڑے ہو گئے ہم لوگ ، فرمایا کہ مت کھڑے ہو جیسے عجمی ایک دوسرے کے

واسطے کھڑے ہوتے ہیں ۔انتہی ۔طبرانیؒ نے اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مضطرب السند ہے اور اس میں ایک راوی غیر معروف ہے۔

اور مجوزین قیام کی دلیلیں یہ ہیں: (۱) یہ حدیث جو بخاری شریف میں ہے **عن أبی سعید الخدری قال لمانزلت بنوقریظة علی حکم سعد بعث رسول الله صلی الله علیه و سلم إلیه و کان قریبا منه فجاء علی حمار فلمادنا من المسجد قال رسول الله صلی الله علیه و سلم للانصار قوموا الی سیدکم** ۔ترجمہ: روایت ہے ابوسعیدؓ سے کہ جب اُترے بنی قریظہ حکم پر سعد رضی اللہ عنہ کے بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو سعد بن معاذ کی طرف جو قریب تھے، پس حاضر ہوئے وہ سوار ہوکر جب مسجد کے نزدیک پہنچے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہ کھڑے رہو اور جاؤ اپنے سردار کی طرف ۔انتہیٰ ۔ابن الحاج نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ سعد مجروح تھے جب بحسب طلب حاضر ہوئے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہ اُٹھو! مقصود یہ کہ سواری سے اُن کو اتارلو جیسا کہ لفظ **الی سیدکم** سے معلوم ہوتا ہے، اگر اکرام مقصود ہوتا **لسیدکم** فرماتے۔تورپشتیؒ نے اُس کا جواب دیا کہ الی میں لام سے زیادہ مقصود پر دلالت ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُٹھو اور جاؤ اُن کی طرف جس سے کمال درجہ کا اکرام ظاہر ہو، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ **قوموا ألی سیدکم** ارشاد ہوا اور یہ ایسا ہے جیسا ترتب حکم کا کسی وصف پر ہوتا ہے جو مشعر بعلیت ہو۔پس یہ ارشاد گویا اس معنی میں ہوا کہ سیادت کی وجہ سے اُن کا اکرام کرو اگر اُن کو اتارنا مقصود ہوتا تو کسی ایک دو کو مامور فرماتے۔اور تخصیص انصار سے شاید یہ معلوم کرانا منظور ہو کہ ہر شخص اپنے سردار کے ساتھ بتکریم پیش آئے۔

دوسری دلیل

یہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے **أن النبی صلی الله علیه و سلم کان جالساً یوما فأقبل أبوه من الرضاعة فوضع له بعض ثوبه فجلس علیه ثم أقبلت أمه**

فوضع لهاثوبه من الجانب الآخر ثم أقبل أخوه من الرضاعة فقام فأجلسه بين يديه
ترجمہ: ایک روز آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے کہ والد رضاعی آپ کے حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی چادر مبارک اُن کے لئے بچھائی، پھر حاضر ہوئیں والدہ آپ نے چادر مبارک کی دوسری جانب اُن کے لئے بچھائی، پھر حاضر ہوئے آپ کے رضاعی بھائی پس اُٹھے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بٹھایا اُن کو روبرو اپنے۔ انتہیٰ۔ اس سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام بھی ثابت ہے، ابن الحاج نے کہا کہ اس سے قیام متنازع فیہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اکرام مقصود ہوتا تو والدین بطریق اولی مستحق تھے بلکہ یہ اُٹھنا توسیع محل کے لئے تھا۔ اگر چہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب نہیں دیا مگر بأ دنی تامل معلوم ہوسکتا ہے کہ لفظ حدیث میں **قام فاجلس بین یدیه** ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہی جائے پر تشریف رکھے اور اُن کو روبرو بٹھلایا، اس صورت میں توسیع محل کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی اور اگر ضرورت بھی تھی تو ہٹ جانا کافی تھا قیام کی ضرورت نہ تھی۔ رہا یہ کہ والدین کے واسطے قیام نہ فرمانا، اول تو نفی قیام کی تصریح نہیں، جائز ہے کہ قیام بھی فرمایا ہو، اور اگر نفی ثابت بھی ہوجائے جب بھی ان ہی کا اکرام بڑھا رہے گا اس لئے کہ خاص چادر مبارک ان کے خلاف عادت بچھانے میں کمال درجہ کی خصوصیت و اکرام ظاہر ہے، اور برادر رضاعی کے لئے صرف قیام فرمایا۔ الحاصل قیام آنخضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا ان کے آنے کے وقت ثابت ہے اور ظاہر الفاظ سے یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ قیام صرف ان کے آنے پر مرتب ہوا نہ تنگی محل پر، کیونکہ حدیث میں **اقبل اخوہ فقام** ہے اگر تنگی محل کی وجہ سے ہوتا تو **اقبل اخوہ و کان المکان ضیقا فقام** کہا جاتا **وھذا القدر یکفی للمناظر**۔۔

تیسری دلیل

یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز عکرمہ یمن کی طرف بھاگ گئے تھے اُن کی بی بی نے اُنھیں مسلمان کر کے خدمت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر کیا، حضرت اُن کو دیکھتے ہی کمال خوشی سے

اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح جب جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے حاضر ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے مجھ کو زیادہ خوشی ہوئی یا فتح خیبر سے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ جب مدینہ منورہ میں آئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے، اُنھوں نے دروازہ ٹھوکا اور حضرت ﷺ کھڑے ہوگئے اور گلے لگایا۔ ابن الحاج نے ان دلائل کا جواب دیا ہے کہ یہ قیام متنازع فیہ نہیں۔ اس لئے کہ قدوم کے وقت یا تہنیت وغیرہ کے واسطے قیام بالا تفاق درست ہے۔۔

چوتھی دلیل

عن أبی هريرةؓ قال كان النبی صلی الله عليه و سلم يحدثنا فاذاقام قمنا قياماً حتی نراه قد دخل . رواہ ابوداؤد۔ ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے پھر جب اُٹھتے تو ہم لوگ سب اُٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ حضرتؐ محل مبارک میں داخل ہوجاتے انتہی۔ ابن الحاج نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اُٹھنا اکرام کے واسطے نہ تھا بلکہ اس غرض سے تھا کہ ہر شخص جانے والا چلا جائے۔ ابن حجرؒ نے کہا کہ ٹھہرنے کی وجہ یہ تھی کہ شاید آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمالیں تو حاضر ہونے میں توقف نہ ہو۔

پانچویں دلیل

امام نوویؒ نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں مہمانوں کا اکرام اور بڑوں کی توقیر کی تاکید ہے۔ اور **تنزيل الناس منازلهم** یعنی ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق سابقہ کرنے کا امر وارد ہے۔ الحاصل ان عمومات سے بھی قیام کا جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ ابن الحاجؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگرچیکہ ان عمومات میں قیام داخل تھا مگر جب صراحۃً اس کی نہی ہوگئی تو اب اس کے حکم سے خارج ہوگیا۔ ابن حجرؒ نے اُس کا کچھ جواب نہیں دیا لیکن ظاہر ہے کہ قیام متنازع فیہ کی

نہی کا ثبوت غیر مسلم ہے اور جس قیام کی نہی ثابت ہوئی وہ متنازع فیہ نہیں۔ **کما عرفت انفاً۔**

چھٹی دلیل

ابن بطالؒ نے اس حدیث کے ساتھ استدلال کیا ہے **عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا رأی فاطمة ابنته قد أقبلت رحب بها ثم قام إلیها فقبلها ثم أخذ بیدها حتی یجلسها فی مکانه . رواہ ابو داؤد و الترمذی حسنه و صححه و ابن حبان و الحاکم .** ترجمہ: روایت ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ جب دیکھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہ آتی ہیں مرحبا فرماتے پھر کھڑے ہوتے اُن کی طرف اور بوسہ لیتے پھر ہاتھ پکڑ کے اپنی جائے پر اُن کو بٹھلاتے۔ ابن الحاجؒ نے کہا کہ شاید اپنی جائے پر بٹھلانے کے واسطے حضرت اُٹھتے ہوں خصوصاً اس موقع میں کہ جہاں تنگی مکان بھی ہو اور معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مکانات نہایت تنگ تھے اس صورت میں یہ قیام متنازع فیہ نہ ہوگا۔ اگر چہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب نہیں دیا مگر ظاہر ہے کہ اپنی جائے پر بٹھانے کے واسطے قیام کی ضرورت نہیں۔ صرف ہٹ جانا کافی ہے اور اگر تنگی مکان کی وجہ سے یہ اُٹھنا تھا تو لازم آتا ہے کہ اُن کو بٹھلا کر حضرت ﷺ کہیں اور تشریف لیجاتے ہوں حالانکہ یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ قطع نظر اس کے لفظ **قام الیها** سے قیام اکرام سمجھا جاتا ہے ورنہ لفظ **الیها** کی ضرورت نہ تھی، ابن حجرؒ نے اس بحث کو امام غزالیؒ کے قول پر ختم کیا اور اسی کو پسند کیا کہ **قیام علیٰ سبیل الاعظام** مکروہ ہے اور **علیٰ سبیل الاکرام** جائز۔ **حیث قال و قال الغزالیؒ : القیام علی سبیل الاعظام مکروہ و علی سبیل الاکرام لایکرہ ، وهذا تفصیل حسن . انتهی ماقال ابن حجرؒ فی الفتح ملخصا مع زیادة بعض الأجوبة۔** یہاں یہ بھی سمجھ رکھنا چاہئے کہ مستحق اکرام کے لئے قیام درست ہے مگر جس شخص کے لئے قیام کیا جائے اُس کو چاہئے کہ عجب اور کبر سے بچے اور اپنے کو مستحق اس کا نہ سمجھے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے لکھا ہے **القیام علی وجه الاکرام جائز کقیام الأنصار لسعد و طلحة**

لكعب و لا ينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلک . ذكره فی فتح الباری۔

ساتویں دلیل

عـن عـائشةؓ قالت مارأيت احداكان أشبه سمتا وهدياو دلا. وفی رواية : حديثا و كلاما . برسول الله صلى الله عليه و سلم من فاطمةؓ كانت إذا دخلت عليه قام إليها فـأخـذ بيـدهـا و أجـلسها فی مجلسه و كان إذا دخل عليها قامت إليه فأخذت بيده فقبلته و أجلسته فی مجلسها (رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ)۔ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ کہا نہیں دیکھا میں نے کسی کو جو زیادہ تر مشابہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طریقہ میں اور روش میں اور نیک خصلتی میں ۔ اور ایک روایت میں ہے بات کرنے اور کلام کرنے میں ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یعنی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان اُمور میں بہت ہی مشابہ تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) جس وقت داخل ہوتی تھیں فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ﷺ کے پاس کھڑے ہوجاتے اور متوجہ ہوتے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف اور بوسہ لیتے اُن کا یعنی دونوں آنکھوں کے درمیان میں اور بٹھاتے اُن کو اپنی جگہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جاتے اُن کے وہاں کھڑی ہوجاتیں اور بوسہ لیتیں دست مبارک کا اور بٹھلاتیں اپنی جگہ ۔ روایت کی اس کو ابوداؤد نے انتہی ۔ اس حدیث سے قیام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے ثابت ہے۔

آٹھویں دلیل

ذكـر السهمی فی الفضائل و كذا روى الطبرانی بسند حسن عن ابن عباس عن امه ام الفضل ان العباس اتی النبی صلى الله عليه و سلم فلما راٰه قام اليه و قبل ما بين عينيه ثم اقعده عن يمينه ثم قال : هذا عمی ، فمن شاء فليباه بعمه فقال العباس : نعم القول يا رسول الله ، قال ولم لا،اقول هذا انت عمی وصنوأبی و بقية اٰبائی و وارثی

و خیرمن اخلف من أهلی کذافی المواهب والزرقانی ترجمہ: عباس رضی اللہ عنہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ﷺ اُن کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں آنکھوں کے مابین بوسہ دے کر اپنے سیدھے طرف اُن کو بٹھلایا۔

نویں دلیل

عن ابی امامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لایقوم الرجل من مجلسہ إلالبنی هاشم رواه الخطیب کذافی کنزالعمال . ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ اُٹھے کوئی شخص اپنی جائے سے کسی کے واسطے سوائے بنی ہاشم کے۔ انتہی۔ یعنی اکرام بنی ہاشم اور سادات کا ضروری ہے اگرچہ اوروں کے واسطے اُٹھنا بظاہر اس سے ممنوع معلوم ہوتا ہے لیکن اتنا تو ضرور ہی ثابت ہوا کہ جولوگ مستحق اکرام فقط بنی ہاشم ہی کیوں نہوں ان کے واسطے اُٹھنا درست ہے۔

دسویں دلیل

عن أبان عن أنس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لایقومن أحدکم من مجلسہ إلاللحسن والحسین أو ذریتهما رواه ابن عساکر ۔ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اُٹھے کوئی تمہارا اپنی جائے سے کسی کے واسطے سوائے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کے۔ انتہی۔

گیارہویں دلیل

عن أبی أمامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقوم الرجل من مجلسہ لأخیہ إلابنی هاشم لایقومون لأحد . رواه الطبرانی والخطیب کذافی کنزالعمال ۔ ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُٹھے ہر شخص اپنی جائے سے اپنے بھائی کے واسطے مگر بنی ہاشم کہ کسی کے واسطے نہ اُٹھیں، انتہی۔ اس سے تو پوری تصریح جواز کی ہوگئی بلکہ استحباب ثابت ہوا کیونکہ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ امر سے استحباب ثابت ہو کما قال الشیخ عابد السندهی فی طوالع

الأنوار الأمر للوجوب فلا تنزل عن الاستحباب . ابن حجر ہیثمی نے فتاوائے حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنا اِن دنوں میں سبب عداوت اور فتنہ کا ہے، اس لئے اب وہ واجب ہے **کما قال بعض أئمتنافی القیام قال إن ترکه الاٰن صار علما علی القطعیة و وقوع الفتنة فیجب دفعا لذلک** ۔سوائے اس قیام کے جنازہ کو دیکھ کر قیام کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

جنازہ کے لیے قیام

کماوردعن أبی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم اذارأیتم الجنازة فقوموا لها . الحدیث رواہ الجماعة الاابن ماجه . ترجمہ: روایت ہے ابی سعید رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھو تم جنازہ کو تو اٹھ کھڑے رہو، روایت کی اس کو بخاری، مسلم، امام احمد بن حنبل، نسائی، ابوداؤد اور ترمذیؒ نے انتہیٰ ۔**وعن ابن عمر عن عامر بن ربیعة عن النبی صلی الله علیه و سلم قال اذارأیتم الجنازہ فقوموا لها حتی یخلفکم او یوضع . رواہ الجماعة .** ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھو تم کسی جنازہ کو تو کھڑے ہو جاؤ اس کے لئے یہاں تک تمہارے پیچھے ہو جائے وہ یا رکھا جائے ۔روایت کی اس کو بخاری مسلم امام احمد ابوداؤد نسائی ترمذی ابن ماجہ نے انتہیٰ ۔ **وعن سهل بن حنیف و قیس بن سعد انهما کاناقاعدین بالقادسیة فمروا علیها بجنازة فقاما فقیل لهما انهما من أهل الارض أی من أهل الذمة ، فقالا ان رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم مرت بجنازة فقام فقیل له انها جنازة یهودی فقال الیست نفسا . متفق علیه .** ترجمہ: روایت ہے کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ چند لوگ جنازہ لے کر ادھر سے گزرے پس وہ دونوں اسکو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ ذمی کا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سے ایک جنازہ گزرا آپ کھڑے ہو گئے، کسی نے عرض کیا کہ یہ جنازہ یہودی کا ہے ۔فرمایا کیا نہیں ہے وہ نفس، روایت کی

اس کو بخاری اور مسلم اور امام احمد بن حنبلؒ نے انتہیٰ ۔ ذکر کیا ان تینوں حدیثوں کو ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں ۔ **وعن ابی موسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذامرت بکم جنازة فقوموا لها فانما تقومون لمن معها من الملئكة طب كذافی كنز العمال .**
ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گزرے تم پر سے کوئی جنازہ تو کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ کھڑے ہوتے ہو تم ان فرشتوں کے لئے جو اس کے ساتھ ہیں ۔ روایت کی اس کو طبرانی نے انتہیٰ ۔ **وعن ابی موسی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذامرت علیکم جنازة مسلم أو یهودی أو نصرانی فقوموا لها فانا لیس لها نقوم انمانقوم لمن معهامن الملئكة . حم طب كذافی كنز العمال .** فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی گزرے تمہارے روبرو سے جنازہ مسلمان کا یا یہودی و نصرانی کا تو کھڑے ہو جاؤ اس کے لئے ، کیونکہ ہم اس کے واسطے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ ان فرشتوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ ہیں ۔ روایت کیا اس کو امام احمد نے اور طبرانی نے ، ابن قیمؒ نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور ترک قیام دونوں ثابت ہیں ، اس لئے بعضوں نے کہا ہے کہ قیام منسوخ ہے اور بعضوں نے کہا کہ قیام سے یہاں استحباب قیام اور اس کے ترک سے جواز ترک مقصود تھا اور یہی قول بہتر ہے ادعائے نسخ سے حیث **قال و صح انه صلی اللہ علیه و سلم قام للجنازة لمامرت به و امر بالقیام لها ، وصح عنه انه قعد ، فاختلف فی ذلک ، فقیل القیام منسوخ و القعود اٰخرالامرین ، و قیل بل الامران جائزان ، و فعله بیان للاستحباب و ترکه بیان للجواز ، و هذا أولی من ادعاء النسخ انتهیٰ۔**

الحاصل ان احادیث سے جنازہ کے واسطے بھی قیام ثابت ہوگیا خواہ جنازہ کا اکرام اس میں ملحوظ ہو یا فرشتوں کا ، اور لام و اِلی کا جھگڑا بھی یہاں طے ہوگیا جو ابن الحاج نے **قوموا الی سید کم** میں کیا تھا اس لئے کہ ان احادیث میں صراحتہً **قوموالها** وارد ہے ۔ اسی طرح قیام فرمانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارت قبور کے وقت ثابت ہے چنانچہ میاں شیخ مظہر صاحب نقشبندی دہلوی مہاجر نے **الدر المنظم فی القیام تجاہ القبر المکرم** میں لکھا ہے **اخرج الحافظ الحجة ابو زید عمر بن شعبة عن الحسن قال أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم علی بقیع الغرقد فقام فقال السلام علیکم یااھل القبور . الحدیث ، و عنه ان النبی صلی اللہ علیه و سلم قام علی أھل البقیع فقال ألسّلام علیکم یا أھل القبور من المؤمنین . الحدیث** ترجمہ: روایت ہے حسن رضی اللہ عنہ سے کہ تشریف لے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں کھڑے ہوئے اہل بقیع پر اور فرمایا **السلام علیکم یا أھل القبور** . انتہیٰ ملخصاً۔

الحمدللہ اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہوگئے اب یہ نہیں کہنا ، ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کے وقت کھڑے رہنے میں تشبہ بالعبادت ہے اور وہ جائز نہیں ، بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضرور ہوا تو یہاں بطریق اولیٰ ضرور ہوگا ، خصوصاً مواجہ شریف وغیرہ میں کہ نہایت ادب کے ساتھ قیام چاہئے۔

ادب

چونکہ یہ موقع ادب کا ہے اس لئے چند آیات واحادیث وآثار یہاں لکھے جاتے ہیں تا معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔

تعظیم وتوقیر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے یہ بات معلوم کرنا چاہئے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی اس سے ادب نہیں کیا جاتا ، اس لئے حق تعالیٰ نے عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تعظیم عموماً لازم فرمائی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿**إنا أرسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا باللہ و رسوله و تعزّروہ و توقّروہ**﴾ ترجمہ: البتہ بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شاہد اپنی امت کے احوال اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ رسالت پر قیامت کے روز گواہی دیں اور خوشخبری دینے والے اور

ڈرانے والے تا کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مدد کرو اور شریف و مفخم سمجھو اور تعظیم و توقیر کرو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، انتہیٰ۔

تفسیر در منثور میں لکھا ہے **قوله تعالیٰ إناأرسلنک الایه أخرج عبدبن حمید و ابن جریر عن قتادة إنا ارسلنک شاهدا قال شاهداً علی أمته و شاهداً علی الأنبیاء انهم قدبلغوا، ومبشرا یبشربالجنة من اطاع الله ـ و نذیرا ینذر النار من عصاه، لتؤمنوا بالله و رسوله قال بوعده و بالحساب و بالبعث بعد الموت، وتعزروه قال تنصروه، وتوقروه قال أمر الله تعالیٰ بتسویده و تفخیمه و تشریفه و تعظیمه، وکان فی بعض القراء ة و یسبحواالله بکرة و اصیلا ـ و أخرج عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن جریرعن قتادة، و تعزروه و توقروه أی لتعظموه، و أخرج ابن جریرو ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله وتعزروه و توقروه یعنی التعظیم یعنی محمداً صلی الله علیه و سلم۔**

اسی طرح امام بغویؒ نے تفسیر میں لکھا ہے **و تعزروه تعینوه و تنصروه و توقروه ای تعظموه، و تفخموه و هذه الکنایات راجعة الی النبی صلی الله علیه و سلم ظاهرا** سیاق آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مبعوث کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیم وتوقیر آپ ؐ کی ایک مقصود اصلی ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت میں بیان فرمایا اور دوسرے مقام میں فرمایا ﴿**فالذین اٰمنوا به و عزّروه و نصروه واتّبعوا النّور الّذی انزل معه أولئک هم المفلحون**﴾ ترجمہ: پس جو لوگ ایمان لائے ان پر یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تعظیم کی ان کی اور مدد دی ان کو اور پیروی کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے ان کے ساتھ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں انتہیٰ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے نجات بھی ممکن نہیں، کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب **أولٰئک هم المفلحون** حصر کے لئے ہے، یعنی رستگاری اور نجات خاص انہیں لوگوں کو ہے جن میں یہ سب صفات موجود ہوں

اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ ایسی مستولی تھی کہ باوجود اس خُلق عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوش اور وحشی صفت بیگانے مانوس ہوجاتے تھے اور باوجود اس کمال عشق ومحبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرۂ مبارک کونہیں دیکھ سکتے تھے۔اورکسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔اجنبی جہاں دیدہ لوگ صحابہ کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گزاری کو جب دیکھتے بلاتصنع آپس میں کہتے کہ اس قسم کی تعظیم نہ کسی بادشاہ کی ہوتی دیکھی نہ کسی اورکی، چنانچہ مواہب اللدنیہ میں مذکور ہے **قال عروۃ ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک و وفدت علی قیصر و کسری و النجاشی واللہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ مایعظم اصحاب محمد محمدا (صلی اللہ علیہ و سلم) واللہ ان یتنخم نخامۃ إلاوقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ ، وإذا امرھم ابتدروا امرہ ، واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ واذاتکلم خفضوا أصواتھم عندہ ومایحدون النظرإلیہ تعظیمالہ** ۔ترجمہ: کہا عروہ نے اے قوم قسم ہے خداتعالیٰ کی کہ میں نے بہت پادشاہوں کے دربار دیکھے اور قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی پیشگاہ میں گیا۔مگر جس قدر کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی تعظیم کرتے ہیں کسی بادشاہ کی تعظیم ہوتی نہیں دیکھی۔خدا کی قسم جب وہ ناک چھنکتے ہیں آبِ بینی لوگوں کی ہتھیلیوں میں گرتا ہے جس کو وہ لوگ اپنے منہ اور جسم پر ملتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اس پانی پر جو گرتا ہے اصحاب کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ شاید نوبت جدال وقتال کی پہونچ جائے۔اور جب وہ کسی کام کا حکم کرتے ہیں تو امتثال کے لئے ہر شخص پیش قدمی کرتا ہے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو آواز اُن لوگوں کی پست ہوجاتی ہے اور بوجہ تعظیم کے کوئی نگاہ جما کے ان کو دیکھ نہیں سکتا۔انتہیٰ۔اور زرقانیؒ نے شرح مواہب میں لکھا ہے **قال عمرو بن العاص ماکان احداحب إلی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ولا اجل فی عینی منہ وماکنت اطیق أن أملأ عینی منہ إجلالا لہ حتی لوقیل لی صفہ**

ماستطعت أن أصفه . اخرجه مسلم فی حديث طويل . ترجمہ: عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی سے مجھ کو محبت نہ تھی اور نہ کسی کی عظمت اور بزرگی حضرت ﷺ سے زیادہ میری آنکھوں میں تھی اجلال کی وجہ سے آنکھ بھر کے حضرت ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا اگر حلیہ مبارک کوئی مجھ سے پوچھے تو میں بیان نہ کرسکوں گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے، **وفی الشفا قاضی عياض و فی حديث طلحة رضی الله عنه ان اصحاب رسول الله عليه و سلم قالوالاعرابی جاهل سله عمن قضی نحبه و كانوا يهابونه ويوقرونه فساله فاعرض عنه إذطلع طلحة رضی الله عنه فقال رسول الله صلی الله عليه و سلم هذا ممن قضیٰ نحبه ۔قال علی القاری فی شرحه رواه الترمذی و حسنه عن طلحة .**

ترجمہ: روایت ہے طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہ صحابہ نے ایک جاہل اعرابی سے کہا آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھ کہ **من قضی نحبه** سے کون مراد ہے، اعرابی کے واسطے کی یہ وجہ تھی کہ صحابہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و وقار کا ایسا غلبہ تھا کہ آپ ﷺ سے بات خود پوچھ نہیں سکتے تھے اس نے پوچھا لیکن حضرت ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اسی عرصہ میں طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، حضرت ﷺ نے فرمایا یہ انہیں لوگوں سے ہیں یعنی جنہوں نے اپنی موت کو پوری کر چکا انتہیٰ ۔ واقع میں مقربانِ بارگاہِ نبوی ہی کے دل اس عظمت کو جانتے تھے جس سے نگاہیں پست ہوئی جاتی تھیں اور لبوں تک بات نہیں آ سکتی تھی، بیچارے جنگلیوں کو اس سے کیا علاقہ وہاں تو سادگی کچھ اس بلا کی ہے کہ جو بات دل میں آ گئی زبان پر آ ہی گئی، ادب اور بے ادبی کو کون پوچھتا ہے، **قال البراء بن عازب كماروی أبويعلی لقد كنت أريدأن أسال رسول الله صلی الله عليه و سلم عن الأمر فادخر سنتين من هيبته كذافی الشفا** ترجمہ: براء کہتے ہیں کہ کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں پوچھنا چاہتا تو ہیبت مجھ پر کچھ اس قدر غالب ہوتی کہ دو سال تک نہ پوچھ سکتا انتہیٰ ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے تعظیم اختیاری کے جس کا امر حق تعالیٰ نے کیا ہے من جانب

اللہ بھی عظمت و ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلوں پر صحابہ کے مستولی تھی ۔

سجدۂ جانوران

اور کیوں نہ ہو، یہ عظمت وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جماد و نبات پہچاننے اور سجدے کرنے لگے۔ اسی طرح جانور بھی سجدہ کیا کرتے تھے **كمافي المواهب اللدنية و الزرقاني عن أنس قال كان أهل بيت من الأنصار لهم جمل يسنون عليه و انه استصعب عليهم فمنعهم ظهره و ان الأنصار جاؤا إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقالوا انه كان لنا جمل نسني عليه و انه استصب علينا و منعنا ظهره وقد عطش النخل و الزرع ، فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم لإصحابه قوموا ! فقامو افدخل الحائط والجمل في ناحيته ، فمشي رسول الله صلى الله عليه و سلم نحوه فقالت الأنصار يارسول الله قدصار مثل الكلب الكلب وانا نخاف عليک صولته ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس على منه بأس ، فلما نظر الجمل إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم اقبل ونحوه حتى خرساجدابين يديه فأخذ رسول الله صلى الله عليه و سلم بناصيته اذل ماكان قط . الحديث رواه أحمد و النسائي بإسنادجيد۔**

ترجمہ: روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ کسی انصاری کے یہاں ایک اونٹ تھا جس سے زراعت کو پانی دیا کرتے تھے، ایک بار وہ سرکش ہوگیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہیں جاسکتا تھا، وہ انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعات بیان کر کے عرض کیا کہ زراعت اور نخلستان سوکھ جارہے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ اس باغ میں تشریف لے گئے جہاں وہ اونٹ تھا اس کی طرف بڑھے ۔ انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ اونٹ مثل دیوانہ کتے کے ہوگیا ہے ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کرے، فرمایا مجھے اس سے کچھ اندیشہ نہیں ۔ جب اونٹ نے حضرت ﷺ کو دیکھا خود آگے بڑھ کر سجدہ میں گرا حضرت

ﷺ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے اور وہ ایسا مسخر و مطیع ہوگیا کہ شاید ہی کبھی ہوا ہو انتہیٰ۔
وأیضا فی المواهب عن جابرؓ ان جملا جاء إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فلمّا كان قریبا منه خرالجمل ساجداً. الحدیث و فی آخره فقالوا یارسول الله نحن أحق ان نسجدلک من البهائم فقال لاینبغی لبشر أن یسجدالبشر. رواه الدارمی و البزار و البیهقی واللفظ له ۔ ترجمہ: روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ ایک اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر حضرت کو سجدہ کیا۔ جب دیکھا صحابہ نے کہ جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو سجدہ کیا کرتے ہیں تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو ان سے زیادہ تر مستحق ہیں کہ یہ خدمت و تعظیم بجالائیں اور آپ کو سجدہ کیا کریں، فرمایا کسی بشر کو سزاوار نہیں کہ بشر کو سجدہ کرے۔ انتہیٰ۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوانات کے دل میں بھی اس قدر تھی کہ آپؐ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور فرشتوں نے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اس میں بھی تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملحوظ تھی کہ نور مبارک آپؐ کا ان کی پیشانی میں تھا چنانچہ ابن حجر ہیثمیؒ نے درمنضود میں لکھا ہے **أمرهم بالسّجود لآدم إنما هو لأجل ما كان بجبهته من نور نبینا محمد صلی الله علیه و سلم. قاله الرازی** ۔ اور مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے **وقد كان حظ آدم من رحمته سجود الملٰئكة له تعظیماله إذكان فی صلبه، و نوح خروجه من السفینته سالماً و ابراهیم كانت النّار علیه برداً و سلاماً إذكان فی صلبه كما افادعباسؓ فی قصیدته** ۔ ترجمہ: آدم علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے یہ حصہ پہونچا کہ فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا اس لئے کہ حضرت ﷺ ان کی صلب میں تھے، اور نوح علیہ السلام جو کشتی سے صحیح و سالم اترے اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ جو سرد ہوگئی حضرت ﷺ ہی کی رحمت کا اثر تھا، اس لئے کہ حضرتؐ ان حضراتؑ کے صلب میں تھے۔ یہ بات عباس رضی اللہ عنہ کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتی ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھا اور

حضرت ﷺ سن کر خوش ہوئے ۔ یہ قصیدہ اس کتاب کے شروع میں لکھا گیا ہے ۔ اور بروایت انس بن مالک اور نبیط بن شریط یہ بات بھی باحادیث مرفوعہ ثابت ہوگئی کہ ہمنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں نہ جائے گا جس سے تمام اہل محشر پر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخوبی ظاہر ہوجائے گی ، اور آدم علیہ السلام کے بیان سے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ فرشتوں کے پاس حضرت ﷺ کی وہ عظمت ہے کہ ہمیشہ ذکر آپؐ کا کیا کرتے ہیں ۔ اس قسم کی کئی حدیثیں مذکور ہوئیں اور بہت سی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ لکھی جائیں گی ۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہوا کہ عناصر سے لے کر اجسام اور جمادات سے لے کر ملکوت اور زمین سے لے کر آسمان اور ازل سے لے کر ابد تک ہر چیز عظمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دے رہی ہے ، اب رہے جن و انس یہ بیچارے معرض امتحان میں کچھ ایسے پڑے ہیں کہ نہ ان کو اس قسم کے امور کا مشاہدہ ہے کہ جس کی بدولت واقعی حالات پر مطلع ہوں نہ ایسی عقل رسا کہ جس سے حقائق اشیاء اور مدارج وجود کو معلوم کر سکیں ۔ اگر غافل ہیں تو یہی دو ہیں ، سوائے ان کے ہر چیز یادالٰہی میں مصروف ہے کما قال تعالیٰ **وإن من شئ إلا يسبح بحمده ولكن لاتفقهون تسبيحهم** یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد میں مصروف ہے تم نہیں اس کو سمجھتے ہو ۔ جب خود اپنے پروردگار سے غفلت کرنے اور مالک حقیقی کے حقوق کو ضائع کرنے میں انہوں نے کوتاہی نہ کی تو دوسرے ابواب کس شمار میں ۔ بہ ایں ہمہ ان کو جس ذریعہ سے توحید پہنچائی گئی اسی ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی معلوم کرائی گئی ۔ چنانچہ ابتداء ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند شیث علیہ السلام کو اُس کی خبر دی پھر یہ خبر وراثۃً بنی آدم میں شائع ہوتی رہی اور اگر کبھی بے دینی نے اس کو چھپا دیا تو انبیاء علیہم السلام اُس کی تجدید کرتے رہے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا ، یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما ہوئے ۔ حضرت ﷺ نے بھی ارشاد حق تعالیٰ کا **لتؤمنوا بالله و رسوله وتعزّروه و توقّروه** وغیرہ عموماً پہنچا دیا ، اب اگر اس پر بھی کوئی شخص نہ مانے مختار ہے کسی

کا جبر نہیں کہ خواہ مخواہ مان ہی لے مگر عاقل کو چاہئے کہ پہلے اس اختیار کے انجام کو سونچ لے ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **فمن شاء فلیؤ من و من شاء فلیکفر انا اعتدنا للظٰلمین نارا** ۔ ترجمہ: پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ہم نے رکھی ہے ظالموں کے واسطے آگ موجود ۔ انتہیٰ ۔ تمام قرآن کو نہ ماننا اور ایک آیت کو نہ ماننا سزا میں دونوں برابر ہیں ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **أفتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض فماجزاء من یفعل ذلک منکم الاخزی فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم القیٰمۃ یردّون إلی أشد العذاب وماالله بغافل عما تعملون** ۔ ترجمہ: کیا ایمان لاتے ہو تم تھوڑی آیتوں پر اور نہیں مانتے تھوڑی آیتیں پھر کچھ سزا نہیں ہے اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچا جائیں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے تمہارے کام سے انتہیٰ ۔ الحاصل اگر عام جن وانس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو نہ مانیں تو انہیں کا نقصان ہوگا اس سے عظمت میں حضرت ﷺ کے کسی قسم کا دھبّہ نہیں آ سکتا ۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ باوجود اتنے معجزات اور کھلی کھلی دلیلوں کے کیا سبب تھا کہ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں کلام رہا ۔ کیا بات ہے کہ ہر نفس کی جبلّت میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ہم جنس پر اپنی تعلّی اور بڑائی ہو ۔ چنانچہ لڑکوں تک یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اگر ان کی ہم جنس کسی لڑکے سے انہیں اچھا کہے تو خوش اور بُرا کہے تو ناخوش ہوتے ہیں بلکہ رونے لگتے ہیں ۔

مثلیت حضرت ﷺ

چونکہ مرتبہ رسالت کا کفار کے ذہنوں میں نہایت جلیل القدر تھا اور تصدیق رسالت میں انبیاء کی ہر طرح ان پر فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے وہ اپنی کسر شان سمجھے تھے اس لئے نفوس پر ان کے یہ امر نہایت شاق ہوا اور کہنے لگے **إن أنتم إلا بشر مثلنا** یعنی تم تو ہم جیسے بشر ہی ہو، کچھ فرشتہ نہیں جو فضیلت تمہاری مانی جائے حالانکہ ابتداء دعوت انبیاء کی صرف توحید کی طرف تھی جس کے کفار بھی مقر تھے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ولئن سألتھم من خلق السّمٰوٰت والأرض**

لیقولنّ اللہ . ترجمہ: اگر پوچھیں آپ کہ کون پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو البتہ کہیں گے اللہ۔ **وقال اللہ تعالیٰ : ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ** ۔ترجمہ: اگر پوچھیں آپ ان سے کہ کون پیدا کیا ان کو البتہ کہیں گے اللہ۔ **وقال تعالیٰ ''قل تعالوا إلیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم ان لانعبد إلا اللہ''** ترجمہ: کہئے کہ آؤ طرف ایک بات کے جو برابر ہے تم میں اور ہم میں کہ نہ عبادت کریں ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے انتہیٰ ۔خلاصہ یہ کہ جو بات ان کے مسلمات سے تھی اس کو ماننا بھی ان کے نفوس پر شاق تھا کیونکہ اس سے رسالت کی تصدیق سمجھی جاتی تھی ۔ پھر اگر کوئی طالب حق عاقبت اندیش انبیاء علیہم السلام کی طرف مائل ہوتا تو اس کو بھی عار دلاتے کہ یہ تو مثل تمہارے کھانا کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں کچھ فرشتے نہیں جو ان کی تم پر فضیلت ہو اپنے ہم جنس کی اطاعت کرنا بڑی ذلت کی بات ہے **کما قال تعالیٰ حکایةً : قالوا ما لھذا الرسول یأ کل الطعام و یمشی فی الأسواق** ۔ترجمہ: اور کہنے لگے یہ کیا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور پھرتا ہے بازاروں میں انتہیٰ ایضاً۔ **فقال الملؤا الذین کفروا من قومہ ماھذا إلا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ولو شاء اللہ لانزل ملٰئکة** ۔ترجمہ: تب بولے سردار جو منکر تھے اس قوم کے یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم ۔ چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتارتا فرشتے انتہیٰ ۔ایضاً **وقال الملأ من قومہ الذین کفروا و کذبوا بلقاء الآخرة وأترفنٰھم فی الحیوٰة الدنیا ماھذا إلابشر مثلکم یأ کل ممّاتأ کلون منہ و یشرب مما تشربون ٥ ولئن اطعتم بشرا مثلکم إنکم إذالخٰسرون ٥** ترجمہ: اور بولے سرداران کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو جن کو آرام دیا تھا ہم نے دنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم ۔ کھانا کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو ۔ اور اگر اطاعت کی تم نے اپنے برابر کے آدمی کی تو تم بیشک خراب ہوئے انتہیٰ ۔ الحاصل خود بینی اور خود سری نے انہیں اندھا بنا دیا تھا۔ کسی نے یہ نہ سمجھا کہ

اگر خدائے تعالیٰ کسی خاص بشر کو اپنے فضل سے سب پر فضیلت دیدے تو کونسا نقصان لازم آجائے گا چنانچہ خود انبیاء علیہم السلام نے اس قسم کا جواب بھی دیا کما قال تعالیٰ **قالت لھم رسلھم ان نحن الابشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ** ۔ترجمہ: کہا اُن کو ان کے پیغمبروں نے کہ ہم بھی بشر ہیں جیسے تم لیکن اللہ تعالیٰ فضل کرتا ہے جس پر چاہتا ہے، مگر یہ جواب کب مفید ہوسکتا تھا وہاں تو مہار اختیار کی نفس امارہ کے ہاتھ تھی ۔ پھر اس کو کون ضرورت تھی جو خواہ مخواہ اپنی خاص صفت تعلّی کو چھوڑ کر ذلت اختیار کرے ۔ یہ تو انہیں کا کام تھا جنہوں نے پہلے پہل نفس پر ایک ایسا حملہ کیا کہ زمام اختیار کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا ۔ پھر اس کی اصلاح کے درپے ہوئے ۔ اور ماشاء اللہ خوب ہی اصلاح کی ۔ یا تو وہ تھا کہ نبی ﷺ کے مقابلہ میں اس کو ذلت ناگوار ہوتی تھی یا یہ حالت ہوئی کہ اپنے جنس والے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ہر مقابلہ میں ہمسری کا دعویٰ نہیں چنانچہ حق تعالیٰ ان کی صفت میں فرماتا ہے **اذلّۃ علی المؤمنین** جب عموماً مومنین کے ساتھ یہ حالت ہو تو خیال کرنا چاہئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا کس قسم کا معاملہ ہوگا ۔ ایک بات تو ابھی معلوم ہوئی کہ سب صحابہ حضرت ﷺ کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے ۔ اگر کسی کو عقل سلیم اور فہم مستقیم حاصل ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے پیش نظر ہوگی جس نے اس کمال تذلل کو جو سجدہ کرنے میں ہے آسان کردیا تھا، اب سمجھنا چاہئے کہ اس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں میں کیوں کر متمکن ہوئی حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بموجب ارشاد حق تعالیٰ فرمادیا ’’**قل انما أنا بشر مثلکم**‘‘ وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے جب دیکھا کہ کفار کو آیۂ شریفہ **ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ** کے مضمون کی طرف بالکل توجہ نہیں اور صرف دعوی ہمسری میں خراب ہوئے جاتے ہیں اس لئے برخلاف ان کے اس آیت کے مضمون کو اپنا پیش رو بنایا اور اس میں اس قدر استغراق حاصل کیا

کہ گویا **انما انا بشر مثلکم** کو سنا ہی نہیں یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سجدہ پر آمادگی ظاہر کی اور حضرتﷺ کو پھر بشریت کا مضمون یاد دلانے کی گویا ضرورت ہوئی۔ چنانچہ فرمایا کہ بشر کو بشر کا سجدہ کرنا مناسب نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

شاہ دیں را منگر اے ناداں بطیں
کیں نظر کردہ است ابلیس لعیں
نیست ترکیب محمد لحم و پوست
گرچہ در ترکیب ہر تن جنس اوست
گوشت دارد پوست دارد استخواں
ہیچ ایں ترکیب را باشد ہماں
کاندراں ترکیب باشد معجزات
کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

اس قسم کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے دل میں رہی جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ لکھا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانہ کے بعض مسلمانوں کے سروں میں سمایا۔ اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں تازہ ہو جائیں، کبھی **انما انا بشر مثلکم** میں خوض ہوتا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرتﷺ نے بھائی کہا ہے۔ اس لئے حضرت بڑے بھائی ہیں۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کیجاتی ہیں جس سے اُن کے زعم میں منقصت شان ہو۔ اور وہ احادیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ تواضع کچھ فرمایا ہے، اپنی دانست میں اُن کو کسر شان کے باب میں قرار دے کر شائع کی جاتی ہیں۔ ہم نے مانا کہ نقلاً اور عقلاً ہر طرح سے اس مسئلہ میں زور لگایا جائے گا، لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ انتہا اس کی کہاں تک ہوگی۔ ہم

یقین سمجھتے ہیں کہ آخر یہ حضرات بھی مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو اس سے تو ہرگز کم نہ بیان کریں گے کہ جس قدر کفار سمجھے تھے، یعنی بشر مثلنا ۔مگر معلوم نہیں اس سعی کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اتنی بات تو کافروں سے پوچھنے میں حاصل ہوجاتی ہے۔ اس میں نہ قرآن کی ضرورت ہے، نہ حدیث کی۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ہم لوگ جو آیات واحادیث سے استدلال کرکے بیان عظمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبالغہ کرتے ہیں، انتہا اس کی کہاں ہوگی؟

یہ بات ہر جاہل سے جاہل جانتا ہے کہ حضرتؐ مخلوق اور بشر ہیں اور حق تعالیٰ خالق ہے۔ اب انتہا اس مبالغہ کی یہی ہوگی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ قریب مرتبہ مسجودیت کے سمجھا جائے گا وہ بھی اس وجہ سے کہ ایک عالم آپ کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے تھے۔ غرض اس مبالغہ کی حد وہ ہوگی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی حسن عقیدت تھی۔ اب ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جس راہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم مدت العمر طئے کیا کئے، اور جس مقام پر عمر بھر سر لگائے رہے جہاں سے انھیں فتح یاب ہوا، اس مقام کو چھوڑ دیں اور اس راہ میں رجعۃ القھقری کرکے وہ راستہ چلیں جو کفار کی حد اعتقاد کو یعنی إن أنتم إلا بشر مثلنا کو پہنچا دے۔ جہاں سے کفار بڑھ نہیں سکتے۔ شعر:

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

کسی بزرگ نے ہم لوگوں کے اعتقاد کی شرح ایک چھوٹے سے جملہ میں نہایت ہی مبسوط کی ہے کہ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“۔ یقین ہے کہ اس تقریر سے اہل اِنصاف پر دونوں راستے اور ان کی انتہا اور حسن و قبح ہر ایک کی منکشف ہوگئی ہوگی۔ طالبِ راہِ حق کو چاہئے کہ جب کسی کو اپنا راہبر بنائے تو پہلے اس امر کی بخوبی تحقیق کرلے کہ کونسی راہ لے جائے گا۔ اگر بے چارے جاہل کوتاہی نظر سے دریافت نہ کرسکیں تو معذور ہیں۔ مگر اہل امتیاز انداز کلام اور طرز بیان سے معلوم

کر سکتے ہیں کہ وہ شخص کس راہ کی آمادگی کر رہا ہے۔ مثلاً کسی نے وہ حدیث پڑھی جس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متاخرین کو اپنا بھائی فرمایا ہے۔ یہاں ایک تو وہ شخص ہوگا کہ مارے شرم کے سر نہ اُٹھا سکے گا۔ کیونکہ اگر کوئی اچھی طرح آنکھیں مل کے اپنی حالت کو دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر آلودۂ عصیان ہے۔ اسی کتاب میں بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ جب کبھی اپنے احوال پر نظر ڈالتے، نفاق کا خوف آجاتا۔ معلوم نہیں کہ باوجود ان سچی بشارتوں کے کس چیز نے اُنھیں اس خوف میں ڈال رکھا تھا، جب ان حضرات کا یہ حال ہو تو پھر کس کا منھ ہے جو کچھ دعوے کر سکے۔ غرض کہ بھائی سمجھنا تو کہاں، ایسے خیالات کبھی تو نسبت غلامی سے بھی خجالت پیدا کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ نے کہا ہے ع......

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

منشاء اُس کا اگر دیکھئے تو صرف یہی ہے کہ نقشہ اپنے سارے اعمال کا آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا ہے جس سے ندامت کے پورے پورے آثار دِل میں نمایاں ہیں اور قریب ہے کہ دروازہ توبہ کا کھل جائے اور کبھی اشفاق و مراحم شفیع المذنبین ﷺ کا تصور ادائی شکریہ میں مصروف کر دیتا ہے کہ ہر چند ہم میں قابلیت نہیں، مگر شانِ رحمۃ للعالمینی ہے کہ اس درجہ قدر افزائی کی۔ ایسے آقائے مہربان پر قربان ہونا چاہئے کہ ہم جیسے غلاموں کو بھی یاد کیا اور اس سرفرازی کے ساتھ جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ الحاصل اس حدیث شریف کے ذکر کے وقت اُس شخص کی کچھ کیفیت ہی اور ہے اور وہ نورانیت کے آثار مرتب ہیں، جو عموماً اعمال پر غالباً مرتب ہوسکیں۔ اس قسم کے قدر افزائیوں کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بارگاہِ نبوی ﷺ کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کے لئے اجازت چاہی۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے کر فرمایا...... ''اے بھائی! اپنی دعاء میں ہمیں نہ بھولو''۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد مجھ میں اس قدر اثر کیا کہ اگر تمام روئے زمین میری ملک ہو جائے تو

ان الفاظ کے مقابلہ میں میرے پاس وہ کچھ چیز نہیں کـمـافـی کنزالعمال عن عمر رضی اللّٰہ عـنـہ قال استاذنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی العمرۃ فاذن لی وقال لاتنسنا أخی مـن دعـائک . أوقـال : أشـرکـنـا یـا أخی فی دعائک . کلمۃ ما أحب ان لی بھاما طلعت علیہ الشمس . ط وابن سعد حم د ت حسن صحیح ہ ع والشاشی ص ق۔

بظاہر یہ ارشادِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔صرف دعاء کرنے کوفرمایا تھا،مگراس کی وقعت کا اندازہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہی دِل کرسکتا تھا کہ تمام روئے زمین کی سلطنت ایک طرف تھی اوراس مختصرسی کلمہ کی شان دِلربائی ایک طرف۔غرض کہ اُس حدیث مذکورۂ بالا کوسن کر ایک شخص کے دِل کی وہ حالت ہوگی جو خارج از بیان ہے اورایک شخص وہ ہوگا کہ اسی حدیث شریف سے یہ بات نکالے گا کہ اخوۃ امراضافی ہے۔تقدم وتاخر زمانہ کے اعتبار سے اگرفرق ہےتو بڑے چھوٹے کا ہے۔یعنی حضرت بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی!! نعوذ باللہ من ذالک۔ایسے شخص کواس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سرمیں ہمسری سمائی اور یہ خیال بڑھتا چلا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان أنتـم الا بشـر تک پہنچادیا۔اب یہ شخص اس دُھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہےاوران کوبھی وہیں پہنچادے۔شایداس کے خیال میں یہ کبھی نہ آیا ہوگا کہ ہم کہاں اورشان رحمتہ للعالمین وسید المرسلین ﷺ کہاں؟ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک۔اکثر اکابر وسلاطین خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خوداحادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔

اگر بادشاہ کے کہنے سے یا اس حدیث سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی کہنے لگیں تو ظاہر ہے کہ نہایت بے ادب اوراحمق سمجھے جائیں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس قرابت کے جواظہر من الشمّس ہے،اپنے کوحضرت ﷺ کی غلامی کے ساتھ منسوب کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عبدہ کہنا

چنانچہ مستدرک میں حاکم نے روایت کیا ہے عـن سعید بن المسیب قال لمّا ولّی عمر

بن الخطاب خطب الناس على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فحمد الله وأثنى عليه ثم قال : ايها الناس انى قد علمت أنكم تونسون منى شدة و غلظة و ذلک إنى كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكنت عبده و خادمه و كان كما قال الله تعالىٰ بالمؤمنين رحيما فكنت بين يديه كالسّيف المسلول إلا أن يغمدنى أوينهانى عن أمر فاكف وإلا اقدمت على الناس لكان لينة . هذا حديث صحيح الإسناد.

ترجمہ: روایت ہے سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ پڑھا کہ آپ لوگ جو مجھ میں شدت اور سختی دیکھتے ہو، اس کا سبب یہ ہے کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور خادم تھا۔ چونکہ حضرت رحیم تھے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ’’وكان بالمؤمنين رحيمًا ‘‘ اورلوگ حضرت ﷺ کی نرمی کی وجہ سے جرأت کرتے تھے۔ اس سبب سے میں حضرت ﷺ کے روبرو مثل شمشیر برہنہ کے رہتا۔ اگر میان کرتے اور منع فرمادیتے تو باز رہتا تھا، ورنہ پیش قدمی کرتا۔ کہا حاکم نے کہ یہ حدیث صحیح ہے انتہی۔ اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست ہوتا تو البتہ والد اور پدر بزرگوار کہنے کے لئے ایک وجہ تھی۔ کیونکہ ازواجِ مطہرات کو حق تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین فرمایا ہے۔ كما قال الله تعالىٰ ’’وأزواجه امهٰتهم‘‘ اس صورت میں حضرت ﷺ سب کے والد ٹھہرے جسکی وجہ سے یہ شرافت ازواجِ مطہرات کو حاصل ہوئی۔ باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی۔ كما قال الله تعالىٰ ﴿ ما كان محمد أبا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبين وكان الله بكل شيء عليمًاo﴾

ترجمہ: نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ کسی کے تمہارے مردوں میں، لیکن رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے اور ختم کرنے والے ہیں تمام نبیوں کے انتہی۔ دیکھئے، باوجود قرینہ قطعیہ کے حضرت ﷺ کا والد ہونا ناگوار ہے تو اخوۃ کی تساوی کیونکر گوارا ہوگی۔ ارباب بصیرت سمجھتے ہوں گے کہ و كان الله

بکل شیئ علیمًا میں حضرت ﷺ کے علوشان کی طرف کیسا لطیف اِشارہ ہے۔ اس وجہ سے کہ **لکن** جو استدراک کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُبوۃ کی نفی میں کسی قسم کا توہم پیدا ہوتا تھا، جو اس سے دُور کیا گیا اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہ تھے۔ یہاں توہم کا کوئی محل نہیں۔ رہا کسی متبنّیٰ کے باپ ہونا تو اس میں بھی کوئی توہم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ متبنّیٰ لینے والے کو بھی عرف میں باپ کہا کرتے تھے۔ پھر جب صراحۃً اس کی نفی ہوگئی تو معلوم ہوگیا کہ یہ اطلاق شریعت میں درست نہیں۔ اس میں توہم کو کیا دخل جو **ولکن رسول اللہ** سے دفع کیا جارہا ہے اور ان صفات کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ توہم حضرت ﷺ کے منصب رسالت سے متعلق ہے۔ تا اُبوۃ و رسالت میں مناسبت ہو، ورنہ اس کی یہ مثال ہوگی **ما کان زید ابا عمر ولکنه کاتب** ، بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر شخص کے نزدیک اپنے باپ کی وہ وقعت ہوا کرتی ہے کہ عالی سے عالی اسی کا مرتبہ سمجھا کرتا ہے۔ اس سبب سے **یا أزواجه أمّهٰتهم** وغیرہ اسباب سے صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے والد سمجھتے ہوں گے۔ جب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ﷺ کسی کے باپ نہیں تو اب ایک قسم کا توہم پیدا ہوا کہ پھر کیا سمجھنا چاہئے۔ اِرشاد ہوا لکن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ پھر یہاں یہ شبہ پیدا ہوا کہ مخلوقات میں باپ سے زیادہ اور کیا رُتبہ ہوگا؟ تو گویا اس کے جواب میں اِرشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے کہ باپ کا کس قدر رُتبہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر۔ مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں مرتبوں میں کوئی نسبت نہیں۔ پہلے خیال کو چھوڑ دو اور حضرت ﷺ کو انہیں مراتب کے ساتھ متصف سمجھو اور فرق مراتب کو اللہ تعالیٰ پر سونپ دو۔ وہی ہر چیز کو جانتا ہے۔ تمہاری عقلیں ان امور میں نہیں پہنچ سکتیں۔ **هذا ما ظهر لی واللہ أعلم بمراده.**

مسئلہ مساوات میں ابن قیم کی تقریر

ابن قیمؒ نے مسئلہ مساوات میں جو تقریر لکھی ہے، وہ قابل دید ہے۔ انہوں نے زاد المعاد میں

لکھا ہے کہ فهذا خلقه و هذا إختياره وربک يخلق مايشاء ويختار وما ابين بطلان رأى يقتضى بأن مكان البيت الحرام مساولسائر الأمكنة وذات الحجر الأسود مساوية لسائر حجارة الأرض وذات رسول الله صلى الله عليه وسلم مساوية لذات غيره و انما التفضيل فى ذلک بأمور خارجة عن الذات والصفات القائمة بهاوهذه الأقاويل وامثا لهامن الجنايات التى جناها المتكلمون على الشريعة ونسبوها اليها وهى بريئة منها وليس معهم أكثر من اشتراک الذوات فى امر عام وذلک لا يوجب تساو يهافى الحقيقة لأن المختلفات قد تشترک فى امر عام مع إختلافها فى صفاتها النفسية وما سوى الله تعالىٰ بين ذات المسک وذات البول أبداولا بين ذات الماء وذات النار أبدا ، والتفاوت البين بين الأمكنة الشريفة وأضدادها والذوات الفاضلة وأضدادها أعظم من هذا التفاوت بكثير ، فبين ذات موسى عليه السلام وفرعون من التفاوة أعظم ، مابين المسک والرجيع ، وكذلک التفاوة بين نفس الكعبة و بين بيت السلطان أعظم من هذا التفاوت أيضًا بكثير ، فكيف يجعل البقعتان سواء فى الحقيقة والتفضيل باعتبار ما يقع هناک من العبادات والأذكار والدعوات انتهى۔

ترجمہ: بعضوں کی رائے ہے کہ مکان بیت الحرام مساوی تمام مکانات کے ہےاورحجر اسود تمام پتھروں کے مساوی ہےاور ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوروں کے مساوی ہےاور تفضیل باعتبار ان امور کے ہے جو ذات سے خارج ہیں۔ اگر چہ متکلمین نے اس کو شریعت کی طرف منسوب کردیا ہے، لیکن شریعت اس سے بالکل بری ہے۔ ان کے نزدیک کوئی دلیل نہیں، سوائے اس کے کہ ایک امر عام میں سب ذاتیں شریک ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقتیں سب کی مساوی ہوجائیں۔ کیونکہ بہت سی مختلف چیزیں ایک امر عام میں شریک ہیں۔ باوجود اس کے خاص خاص

صفتیں ہر ایک کی مختلف اور باہم ممتاز ہیں جس سے ان میں پورا امتیاز ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ذات مشک اور ذات بول کو کبھی برابر نہیں کیا۔ اور نہ پانی کی ذات اور آگ کی ذات کو۔ اور جو تفاوت شریف اور متبرک مقامات اور ان کے اضداد میں ہے۔ اور افضل ذاتوں اور ان کے اضداد میں ہے۔ اس سے بھی بدرجہا زیادہ ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں یا نفس کعبہ اور سلطان کے گھر میں جو تفاوت ہے، بدرجہا اس سے زیادہ جو مشک اور نجاست میں ہے۔ پھر جو کہا جاتا ہے کہ نفس کعبہ اور دوسری جگہ حقیقت میں برابر ہیں اور بزرگی کعبہ کی صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہاں عبادات اور اذکار اور دعائیں ہوتی ہیں سو یہ کیونکر ہوسکے؟ حق تعالیٰ فرماتا ہے...... **وربک یخلق مایشاء و یختار** ۔یعنی پیدا کرتا ہے رب آپ کا جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ انتہی ۔
خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ ہر چند بعض صفات دو چیزوں میں برابر پائی جائیں اور محسوس ہوں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں ایکساں ہو جائیں، بلکہ جس ذات کو کسی قسم کی خصوصیات عطا ہوں اور حق تعالیٰ اس کو برگزیدہ کر چکا ہے۔ وہ دوسرے کے برابر کبھی نہ ہو سکے گی، بلکہ دونوں کی حقیقتوں میں کچھ ایسا فرق ہوگا کہ گویا ان میں کچھ مناسبت ہی نہیں۔ اب ان بے وقوفوں کو جنہوں نے **إن أنتم الا بشر مثلنا** کہہ کر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمسری کا خیال جمایا تھا، اگر اندھے نہ کہیں تو کیا کہیں؟ کیوں کہ انہوں نے نہ اپنے آپ کو دیکھا نہ انبیاء علیہم السلام کو۔ مولانائے روم فرماتے ہیں......

یا تو پنداری کہ روے انبیاء
آنچناں کہ ہست می بینیم ما
گفت یزداں کہ تـرٰهم یـنظرون
نقش حمام اندھم لا یبصرون

مولاناؒ نے مضمون اس آیۃ شریفہ کا لکھا ہے ﴿**وترٰھم ینظرون إلیک وھم لا یبصرون**﴾ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ سلطان محمود غازیؒ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا

کہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں، کہا شیخ نے وہ وہ شخص ہیں کہ جس نے انھیں دیکھا ہدایت پائی اور سعادت کو پہنچا۔ سلطان نے کہا یہ کیا بات ہے۔ ابوجہل نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ شیخ نے کہا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا۔ اگر حضرت ﷺ کو دیکھتا، بے شک شقاوت سے نکل جاتا۔ دلیل اس کی قرآن شریف میں موجود ہے...... **وتـرٰ لهم ينظرون اليک وهم لا يبصرون**۔ پس معلوم ہوا کہ یوں دیکھ لینا مفید نہیں، جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں، وہ دیکھنا ہی کچھ اور ہے۔ شعر

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باشد
کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نمی شاید

غرض کہ جنھوں نے حضرت ﷺ کو دیکھا ہے اور خیال ہمسری جمایا، ویسوں کے حسب حال یہ شعر ہے

در خلا سنگے چمیں آلودہ پیش حاجئے
گفت دانی کیستم ہمسنگ کعبہ بودہ ام

ابن قیمؒ نے جو اعتبار حقائق کا کیا ہے، یہی مذہب اہل تحقیق کا بھی ہے۔ چنانچہ مولانائے جامیؒ فرماتے ہیں۔ شعر

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

تقریر دُور جا پڑی۔ کلام اس میں تھا کہ عام جن وانس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو نہیں مانتے۔ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ اس سے نفسِ عظمت میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ کیونکہ جملہ عالم میں یہ عظمت جب مسلّم ہوچکی تو چند عوام کالانعام کس شمار میں۔

فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم

البتہ اس موقع میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال معلوم کرنا ضرور ہے۔ کیونکہ افضل ترین اُمت ہونے پر ان کے خود حضرت ﷺ نے گواہی دی ہے۔ اگرچہ اس باب میں احادیث بہت وارد ہیں، مگر یہاں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے، جس کو دیلمیؒ نے فردوس میں ذکر کیا ہے۔ **عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزّ و جلّ نظر فی قلوب العباد فلم یجد قلبا انقی من قلوب أصحابی ولذلک اختارھم فجعلھم صحابًا فما استحسنوا فھو عنداللہ حسن وما استقبحوا فھو عنداللہ قبیح۔**

ترجمہ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے پاکیزہ تر نہیں دیکھا۔ اس لئے ان کو میری صحابیت کے لئے پسند فرمایا۔ جو کچھ وہ اچھا سمجھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور جو بُرا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔ ان کا حال کسی قدر ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ معلوم ہوگا کہ کیسی عظمت حضرتؐ کی ان کے دِلوں میں تھی۔ اور کس درجہ آداب کی رعایت رکھتے تھے۔ باوجود اس کے اگر کسی سے بمقتضائے بشریت یا سادگی سے کوئی ایسی حرکت ہو جاتی جس میں شائبہ بے ادبی کا ہوتا، ساتھ ہی کلام الٰہی میں تنبیہ اور زجر و توبیخ نازل ہوتی جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہو جاتے۔ چنانچہ کسی صحابی نے بلند آواز سے حضرت ﷺ کے روبرو کچھ بات کہی۔ غیرت الٰہی نے جوش کیا اور یہ عتاب نازل ہوا...... ﴿**یٰایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم وانتم لاتشعرون**﴾

ترجمہ: اے اِیمان والو! اُونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اور مت آواز بلند کرو اُن پر بات کرنے میں جیسے بلند آواز کرتے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت نہ ہو جائیں عمل تمہارے اور تم کو خبر نہ ہو۔ انتہی۔ جب یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ نے قسم کھائی کہ اب حضرت ﷺ سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات اس قدر آہستہ کیا کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے...... وروی کما أخرجه من طريق طارق بن شهاب ان أبابكر رضى الله عنه لما نزلت هذه الأية قال لااكلمك بعدها إلا كأخي السرار وان عمر كان إذاحدثه حدثه كاخي السرار ماكان يسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يستفهمه كذافي الشفا و شرحه لعلي القارى۔

﴿ لاترفعوا أصواتكم ﴾ کی تفسیر

اور تفسیر درمنثور میں ہے وأخرج احمد و عبد بن حميد والبخارى و مسلم و أبويعلى فى معجم الصحابة و ابن المنذرو الطبرانى و ابن مردويه والبيهقى فى الدلائل عن أنس قال لما نزلت يٰايها الذين اٰمنوا لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبى إلى قوله وانتم لاتشعرون ، وكان ثابت بن قيس بن شماس رفيع الصوت ، فقال أنا الذى كنت أرفع صوتى على رسول الله صلى الله عليه وسلم حبط عملى أنامن أهل النار ، وحبس فى بيته حزينا ، فتفقده رسول الله صلى الله عليه وسلم فانطلق بعض القوم اليه فقالوا فقدك رسول الله صلى الله عليه وسلم مالك ؟ قال أنا الذى أرفع صوتى فوق صوت النبى صلى الله عليه وسلم و أظهر له بالقول حبط عملى وأنا من أهل النار ، فأتوا النبى صلى الله عليه وسلم فأخبروه بذلك ، فقال بل هومن أهل الجنة ، فلما كان يوم يمامة قتل۔

ترجمہ: روایت کی بخاری اور مسلم وغیرہ نے کہ جب نازل ہوئی یہ آیۃ کریمہ...... يٰايها الذين اٰمنوا لا ترفعوا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری ہی آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بلند آواز تھے۔ اب میرے اعمال حبط ہوگئے اور میں دوزخی ہوگیا۔ اس غم میں گھرے کئی روز باہر نہیں نکلے۔ یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ تب چند صحابہ اُن کے گھر گئے اور یادفرمائی کا حال بیان کرکے پوچھا کہ تم حاضر کیوں نہیں ہوتے؟ کہا میری ہی آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہوا کرتی ہے، جس سے میرے اعمال حبط ہیں اور ٹھکانا دوزخ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، اِرشاد ہوا کہ یہ بات نہیں وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں وہ شہید ہوئے انتہی۔ اور ایک روایت ہے: **وأخرج ابن جرير والطبراني والحاكم وصححه وابن مردويه عن محمد بن ثابت بن قيس بن شماس قال لمانزلت هذه الأية يآيها الذين اٰمنوا لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولاتجهروا له بالقول قعد ثابت في الطريق يبكي فمر عاصم بن عدي بن عجلان فقال ما يبكيك يا ثابت ؟ قال هذه الأية اتخوف ان تكون فيّ نزلت واُنا صيّت رفيع الصوت ، فمضى عاصم بن عدى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبره خبره ، قال اذهب فادعه لي ، فجاء ه فقال ما يبكيك يا ثابت ؟ قال اناصيت اتخوف ان تكون هذه الأية نزلت فيّ ، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أماترضى أن تعيش حميدا وتدخل الجنة ؟ قال رضيت ولاأرفع صوتي أبداً على صوت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال فانزل الله إن الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله الأية۔**

ترجمہ: روایت کی ابن جریر اور حاکم وغیرہ نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس سے کہ جب نازل ہوئی آیۂ شریفہ **يآيها الذين اٰمنوا لا ترفعوا أصواتكم**، تو ثابت بن قیس پر نہایت صدمہ ہوا۔ یہاں تک کہ راستہ میں بیٹھ گئے اور زار زار رونے لگے کہ ہائے سب اعمال اکارت گئے۔ اس حالت میں کہیں عاصم ابن عدی کا ادھر سے گزر ہوا۔ پوچھا کیوں روتے ہوا ے ثابت! کہا کہ مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ میری ہی آواز بلند ہے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کا واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے

فرمایا اُن کو میرے پاس لے آؤ، جب وہ حاضر ہوئے حضرتؐ نے براہِ شفقت پوچھا کہ کس چیز نے تم کو رُلایا؟ کہا: یارسول اللہؐ میری آواز بہت بلند ہے۔ ڈرتا ہوں کہ میں شاید یہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں اس بات پر کہ عیش و زندگی تمہاری پسندیدہ ہو اور قتل کئے جاؤ تم اچھی حالت میں اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کہا راضی ہوں میں یارسول اللہؐ اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کروں گا۔ انتہیٰ۔ غور کرنے کی جا ہے کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز بلند ہو جائے، اس کی یہ سزا ٹھہرائی گئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تمام اعمال اور عمر بھر کی جانفشانیاں حبط اور اکارت ہو جائیں۔ جن کے ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابی کے ایک مُد بلکہ آدھی مُد کے برابر نہیں ہوسکتا، جس کا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر اس سزا کو دیکھئے تو یہ وہ سزا ہے جو کافروں کے واسطے مقرر ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **اولٰئک حبطت أعمالهم وفی النّار هم خٰلدون۔**

اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ منشاء اس کا کیا تھا؟ یہ بات ظاہر ہے کہ حلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بلند آواز سے بات کرنا تو کیا کافروں نے دندان مبارک کو شہید کر دیا اور اقسام کی اذیتیں پہنچائیں، مگر کچھ نہ کہا بلکہ اور دعائیں دیں، **کمافی الشفا وروی أن النبی صلی الله علیه وسلم لما کسرت رباعیتة و شج وجهه یوم أحد شق ذلک علیٰ أصحابه شدیدا وقالوا لودعوت علیهم فقال إنی لم ابعث لعانا ولکن بعثت داعیا ورحمة اللّٰهم اهدقومی فإنهم لایعلمون ، انتهیٰ . قال القاریؒ فی شرحه رواه البیهقی فی شعب الإیمان مرسلاوآخرون موصولاً۔**

اور تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات دست بوسی سے منع فرمادیا اس اِرشاد کے ساتھ کہ یہ

طریقہ عجمیوں کا ہے کہ اپنے سلاطین کی دست بوسی کیا کرتے ہیں اور میں ایک شخص تمہیں میں کا ہوں۔ **کمافی الشفاعن ابی ہریرة دخلت السوق مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتری سراویل وقال للوزان زن وارجح وذکر القصة ، قال فوثب إلی یدلنبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبلھا فجذب یدہ وقال ھذا تفعلہ الأعاجم بملوکھا ولست بملک إنما أنارجل منکم** ۔اور اگر کوئی تعظیم کے لئے اُٹھنا چاہتا تو منع فرمادیتے۔ **کمافی الشفاعن أبی أمامة قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکئا علی عصا فقمنا لہ فقال لاتقوموا کما یقوم الأعاجم یعظم بعضھم بعضاً** ۔حالانکہ خود احادیث سے عموماً اجازت اس قیام کی ابھی ثابت ہوئی اور احادیث سے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی ثابت ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کسی موقع میں اس کا بھی ذکر آجائے گا۔

الحاصل اس قسم کی صدہا حدیثیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی تواضع اور اخلاق دوسرے سے ممکن نہیں۔ اور کیونکر ہوسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اخلاق تھے جن کی تعریف میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إنک لعلی خلق عظیم** ۔یعنی یقیناً آپ بہت بڑے خلق پر ہو۔ اور خوش خلقی کا جزو اعظم یہی صفت ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تجربہ سے بھی ظاہر ہے کہ جس میں تواضع نہیں ہوتی۔ وہ شخص خوش خلق نہیں ہوتا اور جس شخص کے اخلاق درست ہوتے ہیں، اس میں تواضع ضرور ہوتی ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور خوش خلقی کی وجہ سے وہ آداب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعلق ہیں، مسلمانوں کو شرعاً معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ خود حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بیان فرمادے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آیۂ شریفہ میں ایک ادنیٰ سی بات کو ذکر فرمایا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پکار کے بات کرے، اس کی تمام کی کرائی محنتیں اور سارے اعمال اکارت اور برباد ہوجائیں گے۔ اب عاقل کو چاہیئے کہ اس پر قیاس کرلے کہ جب ادنیٰ سی بے ادبی اور گستاخی کا

انجام یہ ہوتو اور گستاخیوں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں اور ایک بات سمجھ رکھنا چاہئے کہ اتنی سی گستاخی کی جو اس قدر سخت سزا ٹھہرائی گئی۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی درخواست نہ تھی بلکہ منشا اس کا صرف غیرت الٰہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان کسی قسم سے نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ خائف وترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی حرکت کوئی صادر نہ ہو جس سے غیرت الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب حضرت اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق آگیا ہو۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہوگا، کیونکہ صفات الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ آیۃ موصوفہ: **أن تحبط اعمالکم وأنتم لاتشعرون** کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔

الحاصل بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بات کرنے والوں کی وہ سزا ٹھہری جو مذکور ہوئی۔

باادب لوگوں کی مدح

اور جو لوگ کمال ادب کے ساتھ دبی آواز سے بات کیا کرتے تھے، ان کی یہ سرفرازی ہوئی جو ارشاد ہوتا ہے: ﴿**إن الذین یغضون أصواتھم عند رسول اللہ أولٓئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم**﴾

ترجمہ: جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی ہیں وہ جن کے دِلوں کو آزمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے، واسطے پرہیزگاری کے۔ انھیں کے لئے مغفرت اور بخشش ہے اور ثواب ہے بڑا انتہیٰ۔ سبحان اللہ! کس قدر رحمت اور فضل الٰہی مؤدبوں کے لئے موج زن ہے کہ اگرچہ گنہگار ہوں۔ علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا جارہا ہے۔ شعر

سرمایہ ادب بکف آور کہ این متاع
آنرا کہ ہست فیض ابد آیدش بدست

اس آیۃ شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ یہ دولت ان لوگوں کے حصہ میں رکھی ہے جن کے دِل امتحان الٰہی میں پورے اُترے اور جن میں کامل طور پر صلاحیت تقویٰ کی موجود ہے، اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**ان الّذین ینادونک من وراء الحجرٰت أكثرهم لايعقلون o ولوا أنهم صبروا حتى تخرج إليهم لكان خيرا لهم والله غفور رّحيم**﴾

ترجمہ: جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے پیچھے سے یقیناً اکثر اُن کے عقل نہیں رکھتے اور اگر صبر کرتے وہ جب تک کہ نکلتے آپؐ ان کی طرف تو ان کو بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان انتہیٰ۔ اس آیۃ شریفہ میں جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کرکے پکارنا شروع کیا۔ ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا اُن کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے اُن کو مجنوں کہا جائے یا اور کوئی بات ہے۔ یہ تو کسی کتاب میں نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانہ تھے جو اتفاق کرکے آئے اور گڑبڑ کرکے چلے گئے، بلکہ کتب احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہوکر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں اور ذہن و ذکاوت کی داد دیں۔ باوجود اس کے بے وقوف بنائے جارہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی، بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہوسکے گی۔ اس لئے کہ یہ تو صرف حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

الحاصل بے وقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اسی وجہ سے ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں بے ادبی

سے پیش آئے۔ اگر کہا جائے کہ جائز ہے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہوا ہو جس سے عقل معاد کی نفی ہوگئی۔ تو ہم کہیں گے کہ اس آیۂ شریفہ میں کفر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ان لوگوں پر ہوا جو متصف اس بے ادبی کے ساتھ تھے اور علم بلاغت واُصول میں مصرح ہے کہ ایسے موقعوں میں وصف مسند الیہ کو تاثیر اور دخل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے بھی صارم مسلول میں لکھا ہے: **قلنا لاریب انه لابدّ لکلّ صفة تأثیر فی الحکم والافالوصف العدیم التأثیر لایجوز تعلیق الحکم به کمن قال من زنی واکل جلد** ۔ پس ثابت ہوا کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا بلکہ مدار اُس کا اسی بے ادبی پر ہے جو مذکور ہوئی۔

الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کو ٹھوکتے اور یہ لوگ کہیں سے آئے ہوئے تھے۔ ابوعثمان مغربیؒ کہتے ہیں کہ بزرگوں اور اولیاءاللہ کی خدمت میں براہ ادب پیش آنا آدمی کو مدارج علیا تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت علماء کا یہ حال تھا کہ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھے رہتے، جب تک کہ وہ خود نکلتے۔ ابوعبیدہ قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں ٹھوکا بلکہ جب جاتا بیٹھے رہتا جب تک وہ خود نکلتے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **ولو أنهم صبروا حتّی تخرج إلیهم**۔ انتہیٰ ملخصا من التفسیر۔

سبحان اللہ! علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے۔ بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اس آیۂ شریفہ سے استنباط کیا، ہر چند حدیث شریف **من لم یوقر کبیرنا** وغیرہ سے بھی اس موقع میں استدلال ہوسکتا تھا، مگر جب استناد خود آیۂ شریفہ پر ہوسکا تو نور علیٰ نور ہوگیا۔ بہرحال معلوم ہوا کہ اس آیۂ شریفہ سے عموماً بزرگانِ دین کی تعظیم اور ان کا ادب مستفاد ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بات شاید ہر ایک کے سمجھ میں نہ آئے گی۔ اس فہم کے لئے وہ لوگ خاص ہیں جن کی طبیعتیں ادب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ **وذلک فضل الله وهو الموفق والمعین** .

حضرت ﷺ کا نام لے کر پکارنے کا حال

اور بعض لوگ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحسب عرف و عادت صرف نام کے ساتھ پکارتے۔ ان کو ادب سکھایا گیا کہ **لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً**۔

ترجمہ: مت ٹھہراؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا درمیان اپنے اس کے برابر جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک انتہی۔ تفسیر درمنثور میں روایت ہے: **أخرج ابن أبی حاتم و ابن مردویه و أبو نعیم فی الدلائل عن ابن عباس فی قوله لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا قال کا نوا یقولون : یا محمد یأابا القاسم فنهاهم الله عن ذلک اعظاما لنبیه ،فقالوا یانبی الله یارسول الله . وأخرج أبونعیم فی الدلائل عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ لاتجعلوا دعاء الرسول الخ یعنی کدعاء أحدکم اخاه باسمه ، ولکن وقروه و عظموه وقولوا له یارسول الله یانبی الله وأخرج ابن أبی شیبة و عبد بن حمیدو ابن جریرو ابن المنذرو ابن أبی حاتم عن مجاهد فی الاٰیة قال أمر هم اُن یدعوه برسول الله فی لین وتواضع ولایقولوا یا محمد فی تجهم ، واخرج عبدالرزاق و عبد بن حمیدو ابن المنذرو ابن أبی حاتم عن قتادة فی الاٰیة قال امرالله أن یهاب نبیه وأن یجبل وأن یعظم وان یفخم و یشرف**۔

ترجمہ: بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے، جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ پس منع فرمایا حق تعالیٰ نے اس سے۔ مقصود یہ کہ کل عجز و نیاز کے ساتھ یارسولؐ اللہ اور یا نبیؐ اللہ کہہ کے پکارا کریں جس سے عظمت و شرف اور تعظیم و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوا کرے۔ انتہی ملخصاً۔

الحاصل حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی ناگوار ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص نام لے کر پکار لے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہ فرمایا بلکہ جب خطاب کیا یا ایھا النبی وغیرہ صفات کمالیہ ہی ذکر کئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم کرانا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیائے اولوالعزم علیہم السلام ہیں کہ جن کو باوجود اس جلالت شان کے نام ہی کے ساتھ برابر خطاب ہوا کیا، جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔ شعر

یا آدمؑ است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبیؐ خطاب محمدیؐ است

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک قسم کا التزام نعت نبوی کا کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ مقصود ندا سے یہی ہوتا ہے کہ منادا اپنی ذات سے ندا کرنے والے کی طرف متوجہ ہو، تو چاہئے کہ ندا ان الفاظ کے ساتھ ہو جو منادی کی ذات پر دلالت کریں۔ اس مقصود کے پورا کرنے میں علم یعنی نام درجہ اوّل میں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اصلی غرض اس سے یہی ہے کہ ذات پر دلالت کرے۔ پھر کسی خاص صفت کے ساتھ ندا جو جائز ہے اس کی یہی وجہ ہوگی کہ اس سے ذات پر دلالت ہو جاتی ہے جو اس مقام میں مقصود بالذات ہے۔ ورنہ معنی وصفی جو زائد علی الذات اور مقتضی نکارت ہیں، اس کو ندا کے ساتھ جو مقتضی تعین ہے، کوئی مناسبت نہیں۔ بہرحال منادی کا علم ذکر نہ کر کے اوصاف جو ذکر کئے جاتے ہیں، وہاں دو مقصود پیش نظر ہوتے ہیں۔ ایک توجہ منادی کی دوسری توصیف اگرچہ کہ باعتبار ندا کے توصیف ایک امر زائد ہے، لیکن اس وجہ سے کہ قصداً اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں، توصیف بھی وہاں ایک امر مستقل اور مقصود بالذات ہو جاتی ہے۔

اب اس تقریر کو مانحن فیہ پر منطبق کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جو اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ندا کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ اگرچہ کہ وہاں ندا مقصود بالذات ہے، مگر خاص اوصاف ہی کو ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ نعت بھی ایک مقصود اصلی اور مستقل برأسہ ہے، ورنہ مثل اور انبیاء علیہم السلام کے نام

مبارک کے ساتھ ندا فرماتا۔ پھر جب تمامی قرآنی شریف میں یہ التزام کیا گیا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو کس قدر نعت شریف کا اہتمام منظور ہے۔ شعر ؎

باوصافش رسیدن کے توانند انبیاء او را
کہ تا نعتش نمیگوید نمیخواند خدا او را

راعنا کہنے کی ممانعت

دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتا ہے: یٰایها الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا ۔ ترجمہ: اے وہ لوگو! جو اِیمان لائے، مت کہو راعنا اور کہو انظرنا انتہی ۔ درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں یہ روایتیں نقل کی ہیں ۔أخرج ابن المنذرو ابن أبی حاتم عن ابی صخر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أدبر ناداه من كانت له حاجة من المؤمنين فقالوا ارعنا سمعک فاعظم الله رسوله ان يقال ذلک وأخرج ابن جريرو ابن أبی حاتم والطبرانی عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ لاتقولوا راعنا قال كانوا يقولون للنبی صلی الله عليه وسلم ارعنا سمعک و انما راعنا كقولک خاطبنا وأخرج ابن جريرو ابن المنذر عن السدی قال كان رجلان من اليهود مالک بن الصيف ورفاعة بن زيد اذلقيا النبی صلی الله عليه وسلم قالاله وهما يكلمانه راعنا سمعک واسمع غير مسمع فظن المسلمون هذا شئ كان اهل الكتاب يعظمون انبياء هم فقالوا للنبی صلی الله عليه وسلم ذلک ، فأنزل الله يٰأيها الّذين اٰمنوا لا تقولوا راعنا الأية وأخرج أبونعيم فی الدلائل عن ابن عباس فی قوله لاتقولوا راعنا ذلک انه سب بلغة اليهود فقال تعالیٰ قولوا انظرنا يريد أسمعنا فقال المؤمنون بعدها من سمعتموه يقولها فاضربوا عنقه فانتهت اليهود بعد ذلک۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت ہے کہ بعض یہود جب آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے کلام کرتے تو اثنائے کلام میں لفظ راعنا کہا کرتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بات کی مراعات کیجئے اور سماعت فرمایئے۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی عمدہ بات ہے اور اہل کتاب اس کو انبیاء کی تعظیم میں کہا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال شروع کیا۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ کلمہ لغت یہود میں دشنام کے محل میں بھی مستعمل تھا۔ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ پھر تو مسلمانوں نے یہ حکم دے دیا کہ جس سے یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے یہ کلمہ نہ کہا۔ انتہیٰ ملخصا۔

حاصل یہ کہ ہر چند صحابہ رضی اللہ عنہم اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ دوسری زبان میں گالی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جس میں صراحۃً کسر شان ہو، کیونکر جائز ہوں گے! اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس لفظ کو استعمال نہ کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحۃً خاص مؤمنین کو ہوئی جن کے نزدیک یہ لفظ محل تعظیم میں مستعمل تھا۔ اس میں نہ یہود کا ذکر ہے، نہ ان کے لغت کا۔ اگر صرف یہی مقصود ہوتا تو مثل اور ان کی شرارتوں کے اس کا ذکر بھی یہیں ہو جاتا۔ صرف مؤمنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے، خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا، بے شک مارا جاتا، اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مراد لی تھی؟ اب غور کرنا چاہئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً، کس درجہ قبیح ہوگا۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجِبِ قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو

کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا یہ تاویلاتِ باردہ مفید ہوسکتیں؟ ہرگز نہیں، مگر اب کیا ہوسکتا ہے کہ سوائے اس کے کہ اس زمانہ کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر رویا کریں۔ اب وہ پرانے خیالات والے پختہ کار کہاں جن کی حمیت نے اِسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کردیئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانہ کی ہوا دیکھ نہ سکی۔ غرض میدان خالی پاکر جس کا جی چاہتا ہے، کمالِ جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزا تھیں، انہیں پر اِیمان کی بناء قائم کی جارہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تامل درکار ہے۔

آیۂ ولاتنکحوا کی تفسیر

اوراس آیت شریفہ میں بھی حق تعالیٰ نے ایک قسم کی تأدیب کی ہے: **قولہ تعالیٰ ''ماکان لکم ان تؤذوارسول اللّٰہ ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدًا ط ان ذٰلکم کان عنداللّٰہ عظیما o ان تبدوا شیئا أوتخفوه فان اللّٰہ کان بکل شیء علیمًاo۔**

ترجمہ: نہیں لائق ہے تم کو کہ ایذا دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو تم ان کے ازواجِ مطہرات کو کبھی بعد ان کے یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اگر ظاہر کرو تم کچھ یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ انتہیٰ درمنشور میں لکھا ہے: **أخرج البیهقی فی السنن عن ابن عباس قال قال رجل من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لوقدمات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تزوجت عائشة أوأم سلمة فأنزل اللّٰہ تعالیٰ ماکان لکم أن توذوا رسول اللّٰہ . الأیة۔**

ترجمہ: روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی شخص نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں گے تو عائشہ یا ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ آیۃ شریفہ نازل ہوئی **ماکان لکم أن تؤذوا رسول اللّٰہ** ۔ آخر تک انتہیٰ۔ اس میں شک نہیں کہ کسی کے وفات کے بعد اس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا عموماً جائز ہے۔

اور جنھوں نے سادگی سے یہ بات کہی تھی، صحابی رضی اللہ عنہ تھے جن کا نام بھی بعض روایات میں مذکور ہے۔ اب ان کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ کسی قسم کا خیال فاسد کیا ہو باوجود اس کے جو یہ عتاب ہو رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خیال بھی خالی از بے ادبی نہ تھا۔ کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و غیرت کا کچھ خیال نہ کیا اور یہ نہ سمجھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہے بعد وفات شریف کے بھی ابدالاباد وہی بات ہے۔ اب اس عتاب کو دیکھئے کہ اس میں کس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات کو صرف دِل میں لانا بھی ایک امر خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس موقع میں جو ارشاد ہے (کہ جو کچھ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے)۔ ظاہر ہے کہ مقصود اس سے تخویف ہے، ورنہ **کان اللہ بکل شیء علیمًا** کہنے کی ظاہراً کوئی ضرورت نہ تھی۔

الحاصل حرام ہونا ازواجِ مطہرات کا تمامی اُمت پر بعد وفاتِ شریف کے دلیل واضح اس پر ہے کہ حرمت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات شریف کے بھی بحال خود ہے۔ اگر کہا جائے کہ نکاح ازواجِ مطہرات کا بعد وفات شریف کے اس لئے درست نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ امر واقعی ہے ہمیں بھی اس میں کچھ کلام نہیں، لیکن اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو شہداء کی بیویوں کا نکاح بھی درست نہ ہوتا جن کی حیات بھی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ "ولا تحسبن الّذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل أحیاء عند ربّهم ـ"** پس معلوم ہوا کہ نکاح مذکور کی ممانعت اس وجہ سے تھی کہ حرمت و عزت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات کے بھی دِلوں میں متمکن رہے اور کوئی مسلمان اس قسم کا خیال بھی نہ کرے جس میں کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے اور اس آیۂ شریفہ میں بھی ادب کی تعلیم کی گئی ہے۔

﴿آیة لاتدخلوا بیوت النبی﴾ کی تفسیر

قال اللہ تعالیٰ ﴿یآیها الّذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النّبی إلا أن یؤذن لکم إلیٰ

طعام غیر نٰظرین إنٰه ولکن إذا دعیتم فادخلوا فإذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسین لحدیث ان ذٰلکم کان یؤذی النبی فیستحیٖ منکم واللہ لا یستحیٖ من الحق ﴾ .

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو اِیمان لائے، مت جاؤ گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، مگر جو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ انتظار کرنے والے اس کے پکنے کا، لیکن جب بلائے جاؤ تم تب جاؤ اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ اور مت بیٹھے رہو باتوں میں جی لگائے ہوئے۔ البتہ یہ کام ایذا دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور شرم کرتے ہیں وہ تم سے اور اللہ تعالیٰ نہیں شرم کرتا ہے حق بات سے۔ انتہیٰ۔

حاصل یہ کہ ایک بار بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کھانا کھانے کے بعد دولت خانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑی دیر ٹھہرے رہے۔ چنانچہ اس قسم کی عادت بھی ہے۔ ان کی وجہ سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے، نہ مروت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ امر کسی قدر باعث گرانی خاطر ہوا۔ ساتھ ہی حق تعالیٰ نے یہ حکم قطعی نازل فرما دیا، جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جس چیز سے گرانی خاطر مبارک یا کسی قسم کا ملال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے یہی غرض ہے اور قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی مثال ایسی سمجھی جاتی ہے جیسے کوئی شخص راستہ جاننے والا چلا جا رہا ہو، تو اس کے پیچھے پیچھے چلنا منزل مقصود تک پہنچ جانے کے لئے کافی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ پیچھے چلنے والے کو ضرور نہیں کہ اس کا ادب بھی کیا کرے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب بھی معلوم کراتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ یہ ادب منجملہ ان احکام کے ہے جن کے بیان کی کفالت قرآن شریف کر رہا ہے۔ اب یہاں قیاس کی ضرورت ہے کہ جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے کہ جن اُمور ذاتی میں شرم سے کچھ نہ فرما سکیں خود اپنے کلام قدیم میں مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مع شئے زائد بیان کر کے ان امور سے زجر فرما دیتا ہے، تو وہ سراسر کسر شان کی باتیں جن سے طبع غیور کو رنج پہنچے اور باعث ملال وغضب ہوں کس قدر غیرت وغضب الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ اس حدیث کو دیکھئے کہ بعض لوگ جو عطا وکرم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ظاہر کرتے نہ تھے، جس سے کسی قسم کا ملال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ عطیہ ان کے حق میں آتش دوزخ بنا دیا گیا۔ چنانچہ حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کیا ہے: **عن عمرؓ قال دخل رجلان علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألا فی شئ فدعالھما بدینارین فاذا ھما یثنیان خیراً افقال صلی اللہ علیہ وسلم لکن فلان مایقول ذلک ولقد أعطیته مابین عشرۃ إلی مائة ، فما یقول ذلک فان أحدکم لیخرج بصدقة من عندی متأبطاو انما ھی له نار،فقلت یارسول اللہ کیف تعطیه وقد علمت انه له نار قال فما أصنع یأبون إلا أن یسألونی ویأبی اللہ لی البخل۔**

ترجمہ: روایت ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کچھ مانگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو دینار منگوا دئے جس پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء وصفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دو ہی دینار پر ثناء کرتے ہیں۔ میں نے فلاں شخص کو دس سے سو تک دئے، مگر اس نے اس قسم کی ایک بات نہ کہی۔ جو شخص مجھ سے صدقہ لے کر بغل میں دبائے ہوئے باہر جاتا ہے، وہ اس کے حق میں آگ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر آپ ایسے لوگوں کو کیوں دیتے ہو؟ حالانکہ آپ جانتے ہو کہ وہ ان کے حق میں آگ ہے۔ فرمایا کیا کروں، لوگ مجھ سے مانگنا نہیں چھوڑتے اور حق تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مجھ میں بخل پایا جائے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ حاکم نے

مستدرک میں یہ حدیث اور اس کے کئی شواہد نقل کئے ہیں۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ادنیٰ گرانی خاطر اور ملال میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو ایذا رسانی کا کیا حال ہوگا؟ دیکھ لیجئے!

﴿إنّ الّذين يؤذون الله ورسوله﴾

خود حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ **إنّ الّذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدّنيا والاٰخرة وأعدّ لهم عذاباً مهيناً o** ﴾

ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لعنت کی اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے عذاب رسوائی کا۔ انتہیٰ۔ اگرچہ کہ بظاہر حق تعالیٰ نے اپنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے، مگر درحقیقت کس کی مجال ہے کہ حق تعالیٰ کو ایذا پہنچا سکے۔ **قال الله تعالیٰ " له مافى السّمٰوت والأرض كل له قٰنتون ."** اور اِمام بخاریؒ کتاب خلق افعال عباد میں نقل کرتے ہیں **عن حذيفةؓ قال قال النبى صلى الله عليه وسلم إن الله يصنع كل صانع و صنعة وتلا بعضهم عند ذٰلک "والله خلقكم وما تعملون " فاخبر ان الصناعات وأهلها مخلوقة۔**

ترجمہ: روایت ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے ہر صانع کو اور اس کی صنعت کو اور پڑھی بعضوں نے یہ آیت: **والله خلقكم وما تعملون** ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔ اس میں خبر دی کہ سب کام اور کام کرنے والے مخلوق ہیں۔ انتہیٰ۔ اس صورت میں یہ سزا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی ہوئی اور حق تعالیٰ نے جو اپنا نام مبارک اس آیۃ شریفہ میں ذکر فرمایا، مقصود اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بیضاوی شریف میں ہے: **إن الّذين يؤذون الله و رسوله بان يرتكبوا مايكرهانه من الكفرو المعاصى اويؤذون رسول الله صلى الله عليه وسلم بكسر رباعيته و قولهم شاعر مجنون و نحوذلک وذكر الله للتعظيم له۔ يا**

یوں کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا حق تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: **عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من آذی شعرۃ منی فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ ، رواہ ابن عساکر کذافی کنز العمال۔**

ترجمہ: روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے ایذا پہنچائی میرے ایک بال کو تو اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ انتہیٰ۔ رہی وہ مثال جس کا مطلب یہ تھا کہ مقصود کو پہنچنے کیلئے صرف ہادی کا اتباع کافی ہے، نہ محبت و تعظیم۔ سو یہ مثال یہاں بالکل صادق نہیں آ سکتی۔ اس لئے کہ اس مثال کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اگر اس قسم کے ہادی کا اتباع کرنے والا دِل میں اس سے بغض بھی رکھے، مگر پیچھے پیچھے چلے جائے تو بھی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔ اور یہاں یہ بات بالکل ممکن نہیں۔ کیونکہ یہاں بغض تو کیا، اگر محبت اور جان نثاری میں کسی قدر کسر رہ جائے تو مقصود تک پہنچنا تو ایک امر دور دراز ہے، سر دست ایمان ہی کے صادق آنے میں دشواری پڑ جائے گی۔ دیکھ لیجئے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں: **عن عبداللہ بن ھشام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لایؤمن أحدکم حتیٰ أکون أحب إلیہ من نفسہ ، رواہ أحمد ذکرہ فی کنز العمال ۔**

پس اس سے معلوم ہوا کہ راہِ خدا کا چلنے والا مثل اس شخص کے نہیں ہوسکتا جو ضرورۃً ہر کس و ناکس کے ساتھ ہولے اور کسی گاؤں کو پہنچ جائے۔ دوسری خرابی اس مثال میں یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ راستہ معلوم ہو جائے، جس کو بیان فرما دیا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ غرض اور احتیاج باقی نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی انبیاء تک قیامت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ حدیث شفاعت سے جو مشہور اور صحاح میں وارد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سختی اور پریشانی کی حالت میں تمام اولین وآخرین انبیاء سے اِلتجا کریں گے کہ کچھ راستہ نکالیں، مگر

کسی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ آخر سب محتاج اس بات کے ہوں گے کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لب شفاعت ہلا دیں۔ چنانچہ یہیں سے ان کی سب مشکلیں آسان ہوں گی۔ اور حرام ہے کہ جنت کا دروازہ کسی دوسرے کے واسطے کھلے جب تک حضرتؐ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حرمت الجنة علی الأنبیاء کلھم حتی أدخلھا و حرمت علی الأمم کلھم حتی تدخلھا أمتی ، قط فی الافراد قال الحافظ ابن حجر فی أطرافه وھو صحیح علی شرط ک کذافی کنز العمال** ۔ ترجمہ: روایت ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت حرام ہے انبیاء پر جب تک میں اس میں داخل نہ ہوں اور حرام ہے تمام امتوں پر جب تک میری امت اس میں داخل نہ ہو، اور حافظ ابن حجرؒ نے اطراف میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط حاکم پر انتہیٰ اب بتائیے کونسا مسلمان اولین و آخرین سے ہوگا جس کو منزل مقصود تک پہونچنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احتیاج نہ ہو۔ اس مضمون کی احادیث انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع آئندہ لکھی جائیں گی۔ اور اس آیۂ شریفہ میں بھی ایک قسم کے ادب ہی کی تعلیم ہے۔

﴿ لا یؤمنون حتی یحکموک ﴾

قال اللہ تعالیٰ ''فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما''. ترجمہ پس قسم ہے کہ آپ کے رب کی کہ ان کو ایمان نہ ہوگا یہاں تک کہ حاکم جانیں آپ کو اس چیز میں کہ جھگڑیں آپس میں اور نہ پائیں جی میں تنگی اس چیز سے کہ حکم کریں آپ اور مان لیں فرمانبرداری کے ساتھ انتہیٰ ۔ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہوگا کہ مقدمہ ہار دینے والے کے دل پر کس قدر صدمہ گذرتا ہوگا کہ صرف اس خیال سے بے دریغ روپیہ صرف کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں ہوتا اور بعض وقت غیرت وحمیت والوں کو طرف مقابل کے غلبہ اور اپنی مغلوبی کے وقت جان سے گذر جانا بھی آسان دکھائی دیتا ہے۔

خصوصاً اہل عرب کو جس کی غیرت وحمیت کے وقائع سے کتابیں بھری ہوئی ہیں ۔ایسے حمیت والوں کو یہ حکم ہورہا ہے کہ اگر کسی کے خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمادیں جس میں جیت طرف ثانی کی رہی تو بھی لازم ہے کہ اُس حکم کو اس طور سے مانے کہ دل کی کیفیت بدلنے اور تنگ دلی آنے نہ پائے ۔اور اس کے ساتھ تصریح اس امر کی بھی کی گئی کہ جہاں دل کی کیفیت بدلی تو سمجھ جاؤ کہ ہنوز اس دل میں ایمان آیا ہی نہیں ۔ ہر چند یہ بات سمجھ میں نہ آئے گی کہ باوجود اس کے کہ تنگدلی کا سبب موجود ہو یعنے حکم خلاف مرضی پایا جائے اور دل کی کیفیت نہ بدلے یہ کیوں کر ہو سکے گا ، اس لئے کہ یہ مسئلہ قابل تسلیم ہے کہ دل کی کیفیتیں مثل خوشی غمی وغیرہ آدمی کے اختیار سے باہر ہیں ۔لیکن اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جب کسی کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے تو اس کی کوئی بات بُری نہیں معلوم ہوتی مثل مشہور ہے **ضرب الحبیب زبیب** پھر صحابہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبت کو مدار ایمان سمجھتے تھے ان کو حکم عالی سے تنگدلی کیوں کر ہوسکتی تھی ۔الحاصل یہ آیۃ شریفہ اہل اسلام کو ایک محک امتحان عطا فرمائی ہے جس سے نقد محبت وایمان کا امتحان ہوجایا کرے ۔اور ضعیف الایمان لوگوں کو اس میں یہ ادب سکھایا گیا کہ اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو چاہئے کہ بتکلف اپنے باطن کو ادب کے ساتھ آراستہ کیا کریں ۔کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ناراضی ظاہر کرنا یا دل میں رکھنا کمال درجہ کی بے ادبی ہے ۔اور اس آیۃ شریفہ میں بھی ادب سکھایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ **ولولا اذسمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحٰنک ھذا بھتان عظیم o یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین** ترجمہ : اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات ، اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان ہے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر ہو تم ایمان والے انتہیٰ ۔ منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ایک ایسی بات مشہور کی تھی جس کی حکایت بھی مذموم سمجھی جاتی ہے جب ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا صحابہ نے بھی اس خبر کو حیرت

سے آپس میں ذکر کیا ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں نہایت حلم کو کام فرمایا مگر حق تعالیٰ کو یہ کب گوارا تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس میں کسی قسم کا دھبہ مسلمانوں کے خیال میں لگے ساتھ ہی غیرت کبریائی جوش میں آئی اور کمال عتاب سے فرمایا کہ اس خبر کے سنتے ہی تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے پھر فرمایا کہ خدا کا فضل تھا کہ تم بچ گئے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا کئے جاتے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **ولولا فضل الله عليكم و رحمته في الدنيا و الأخرة لمسّكم فيما افضتم فيه عذاب عظيم o اذتلقونه بالسنتكم و تقولون بافواهكم ماليس لكم به علم و تحسبونه هينا وهوعندالله عظيم** . ترجمہ: اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر دنیا اور آخرت میں تو البتہ پہنچتا تم کو اس چرچا کرنے میں عذاب بڑا جب لینے لگے تم اس خبر کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑی ہے انتہیٰ۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے یہ خبر اڑائی تھی منافق تھے جیسا کہ اس آیۃ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے **والذی تولی کبره منهم له عذاب عظيم** جس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مراد اس سے عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے جو سرغنہ منافقوں کا تھا۔ مگر صحابہ یہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ وہ لوگ منافق ہیں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جن کو دشمنوں کی بھی پردہ دری منظور تھی) منافقوں کے نام عموماً بتلائے نہ تھے جس سے سننے والے جان لیتے کہ منشا اس خبر کا انہیں موذیوں کا خبث باطن ہے، پھر ان حضرات کے نزدیک کونسی دلیل تھی جس سے اس خبر کی قطعاً تکذیب کر دیتے اور اس عام شہرت کو باطل سمجھتے۔ اگر نفس خبر کو دیکھئے تو شرعاً اور عرفاً ہر طرح سے محتمل صدق و کذب ہے اور اگر مخبروں کے تعدد اور خبر کی شہرت کا لحاظ کیجئے تو دوسری جانب کی ترجیح ہوئی جاتی ہے۔ باوجود اس کے کلام الٰہی جو زجر و توبیخ کر رہا ہے کہ اسکی تکذیب میں تامل کیوں کیا، پھر اس پر علاوہ یہ سرزنش کہ خدائے تعالیٰ کا فضل تھا جو بچ گئے ورنہ اس معاملہ میں سخت عذاب نازل ہوتا، اس کی کوئی وجہ ظاہر معلوم نہیں ہوتی سوائے اس

کے کہ پاس ادب میں تساہل کیا گیا، مقتضائے ادب اور حسن عقیدت یہی تھا کہ صاف کہہ دیتے کہ ازواج مطہرات جن کو ایک خاص نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل ہے ان کی شان میں ہم ایسا گمان فاسد ہرگز نہیں کرسکتے، اس خبر کی تکذیب کے واسطے یہ ایک قرینہ ایسا کافی ووافی تھا کہ اس کے مقابل اگر ہزار شہرت ہو قابل التفات نہیں۔ الحاصل اس معاملہ میں ایک قسم کی کسرشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم آتی تھی۔ اس لئے ان آیات میں مسلمانوں کی تادیب کردی گئی اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ہمیشہ اس قسم کے امور سے احتراز اور اجتناب کیا کریں چنانچہ ارشاد ہے **یعظکم الله ان تعودوا لمثله ابدا ان کنتم مومنین** اگرچہ سوائے اس کے اور بہت آیات ہیں جن میں تعلیم ادب کی گئی ہے۔ مگر چونکہ طالب حق کو اس قدر بھی کافی ہوسکتی ہیں اس لئے اسی پر اکتفا کرکے اب چند وہ حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جن سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنا ثابت ہے اگر اہل ادب ان احادیث کو اپنا پیشوا بنالیں تو بیشک بلاخوف و خطر منزل مقصود تک پہونچ سکتے ہیں۔

طہارت برائے سلام

دارقطنیؒ نے کتاب المجتبیٰ میں روایت کیا ہے **عن ابی جهم قال أقبل رسول الله صلی الله علیه و سلم من بیر جمل اما انه من غائط اوبول فسلمت علیه فلم یرد علی السلام فضرب الحائط بیده فمسح بها وجهه ثم ضرب اخری فمسح ذراعیه الی المرفقین ثم رد علی السلام ، و فی حدیث ابن عمر و قال انه لم یمنعنی ان ا رد علیک السلام الا انی لم اکن علی طهور** ترجمہ: روایت ہے ابی جہم سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہوکر بیر جمل کی طرف سے تشریف لارہے تھے میں نے سلام عرض کیا حضرتؐ نے جواب اس وقت نہ دیا پھر تیمّم کرکے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام کا جواب دینے سے کوئی چیز مانع نہ تھی سوائے اس کے کہ مجھے طہارت نہ تھی۔ انتہیٰ ملخصاً۔ ظاہر

ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کوئی آیت قرآنی نہیں جس کے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام کیا جائے اگرچہ حدث اصغر سے طہارت قرأت آیت کے واسطے بھی شرط نہیں۔مگر چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلاطہارت اس کو زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا۔اور گویا اس سے تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اجازت ہو احتراز کرنا اولی اور انسب ہے۔

تورات کا ادب

اور سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال اتی نفرمن یهود فدعوا رسول الله صلی الله علیه و سلم الی القف فاتاهم فی بیت المدراس فقالوا یا اباالقاسم ان رجلاً منا زنا بامرأة فاحکم بینهم فوضعوا لرسول الله صلی الله علیه و سلم وسادة فجلس علیها ثم قال ایتونی بالتوراة فاتی بها ، فنزع الوسادة من تحته و وضع التوراة علیها و قال اٰمنت بک وبمن انزلک ثم قال ایتونی باعلمکم ، فاتی بفتی شباب ثم ذکر قصة الرجم نحوحدیث مالک عن نافع** ترجمہ: روایت ہے ابن عمرؓ سے چند شخص قوم یہود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ قف تک تشریف لے چلیں (جو ایک مقام مدینہ کے قریب ہے) چنانچہ حضرتؐ بیت مدراس میں تشریف لے گئے اور مسند پر تشریف رکھے جو حضرتؐ کے لئے بچھائی گئی تھی پھر انہوں نے عرض کی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس بات میں آپ حکم فرمائیں کہ کیا سزا دی جائے۔حضرتؐ نے ان سے توریت منگوائی جب وہ لائی گئی تو حضرتؐ مسند سے علیحدہ ہوکر اس پر توریت رکھدی پھر فرمایا کہ میں تجھ پر اور جس نے تجھ کو نازل کیا اس پر ایمان لایا، پھر فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تم میں بڑا عالم ہو چنانچہ ایک جوان آیا اور رجم توریت سے ثابت کردیا جس کا یہود کو انکار تھا انتہیٰ ملخصا۔اس حدیث سے ثابت ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ میں توریت تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی مگر حضرتؐ نے اس کا بھی ادب کیا۔اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت

ہے کہ جس کو کنز العمال میں نقل کیا ہے عن جابرؓ قال دخلنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مکۃ و فی البیت وحول البیت ثلثمائۃ و ستون صنما ، تعبد من دون اللہ فامربھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فکبت کلھا بوجوھھا ثم قال ﴿ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ﴾ ثم دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم البیت فصلی فیہ رکعتین فرایٰ فیہ تمثال ابراھیم و اسمعیل و اسحق قدجعلوا فی یدابراھیم الازلام یستقسم بھا،فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتلھم اللہ ماکان ابراھیم یستقسم بالأزلام ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بزعفران فلطخہ بذلک التماثیل .ش. ترجمہ روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ ہم مکہ معظّمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پرستش ہوا کرتی تھی ۔ حضرتؐ نے حکم فرمایا جتنے بت تھے سب سرنگوں ہوگئے ۔ پھر فرمایا: ﴿جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ﴾ اس کے بعد خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھا کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی تصویریں رکھی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں تیر دے رکھے ہیں جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے اور فرمایا خدا ان کو قتل کرے ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے، پھر حضرت ﷺ نے زعفران منگوا کر تصویروں کو لگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہوگئیں انتہیٰ ۔ ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کے قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم ہو چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسے چاہا بنالیا تھا ۔ مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ نام ان حضرات کا وہاں آ گیا تھا جس کے لحاظ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اگر مٹایا بھی تو معطر زعفران سے ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی ۔ سبحان اللہ کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آ گیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے

ساتھ بھی خاص ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑا ہوا ہے۔ ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظ نام رعایت ادب کریں۔ تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہئے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں۔ مگر آخر نام تو آ گیا اس کا لحاظ بھی ضرور ہے جیسا کہ اس حدیث سے ابھی ثابت ہوا۔ طرفہ یہ ہے کہ اس عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں اگر سلسلہ اس کلام کا بڑھایا جائے تو ظاہر ہے کہ انتہاء اس کی کہاں ہوگی۔

قبلہ کا ادب

اور بروایت ابی ایوب انصاریؓ وغیرہ یہ حدیث صحاح ستہ میں وارد ہے کہ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا اتیتم الغایط لاتستقبلوا القبلۃ و لاتستد بردھا ببول ولا غایط** یعنی پیشاب پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ اور منہ کرنے سے حضرتؐ نے منع فرمایا، اس سے صرف ادب قبلہ کا پیش نظر تھا چنانچہ یہی بات صراحۃً بھی وارد ہے **کما فی کنزالعمال عن سراقۃ بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا اتی احدکم الغائط فلیکرم قبلۃ اللہ فلایستقبلن القبلۃ رواہ حرب بن اسمعیل و الطبری و ابو حاتم و عبدالرزاق موقوفاً و مسنداً**۔ ترجمہ: طبری اور ابوحاتم اور عبدالرزاق وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جائے کوئی شخص قضائے حاجت کو تو اللہ تعالیٰ کے قبلہ کی تکریم اور بزرگی کرے اور منہ نہ کرے اس طرف، اور اسی میں یہ روایت بھی ہے **عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من جلس یبول قبالۃ القبلۃ فذکر فتحرف عنھا اجلالاً لھا لم یقم من مجلسہ حتی یغفرلہ رواہ الطبرانی و فیہ کذاب**۔ ترجمہ: فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص سہواً پیشاب کے

وقت قبلہ کی طرف منہ کرے پھر یاد آتے ہی پھر جائے بخیال تعظیم قبلہ کے تو قبل اٹھنے کے بخشے جاتے ہیں گناہ اس کے انتہیٰ اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع کیوں ہوا۔ خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس دور ہو۔ اگر اس موقع میں کوئی شخص کہے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے اور اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا ہمیشہ اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور سوائے حالت نماز کے بھی اس کا ادب کرنا کیا ضرور؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کے سمجھ کو کچھ دخل نہیں جو لوگ آداب داں ہیں ان کی خود طبیعت گواہی دیتی ہے کہ ذوات فاضلہ اور اماکن شریفہ کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضرور ہے اور جس کی طبیعت میں یہ بات نہ ہو اگر طالب صادق ہے تو اس کو اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کے تعلیمات میں غور اور فکر کیا کرے تا کہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ کسی بزرگ کامل بالغ النظر نے کہا ہے:

اذّبوا النفس ایہا الاحباب
طرق العشق کلہا آداب

مایۂ دولت ابد ادب است
پایۂ رفعت خرد او بست

چیست آنداد بندگی دادن
بر حدود خدائے استادن

قول و فعل از شنیدن و دیدن
بموازین شرع سنجیدن

باحق و خلق و شیخ و یار و رفیق
رہ سپردن بمقتضائے طریق

حرکات جوارح و اعضا
راست کردن بحکم دین ہدا

خطرات و خواطر و اوہام
پاک کردن ز شوب نفس تمام

دین و اسلام در ادب طلبی است
کفر و طغیاں ز شوم بے ادبی است

جب بیت اللہ شریف کو بسبب شرافت اضافت یہ رتبہ حاصل ہو کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس قسم کا ادب ضرور ٹھہرایا گیا تو جس کو ذری بھی بصیرت ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی۔

آدابِ صحابہ رضی اللہ عنہم

ہر چند سوائے اس کے اور بہت آیات واحادیث وارد ہیں جن میں تعلیم ادب کی، کی گئی ہے مگر چونکہ طالب حق کو اس قدر بھی کافی ہوسکتی ہیں اس لئے اسی پر اکتفا کر کے اب چند آداب صحابہ کے نقل کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ممکن نہیں کہ آداب ان حضرات کے کماینبغی تحریر میں آسکیں اس لئے کہ ادب ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جس سے اقسام کے آثار وافعال ظہور میں آتے ہیں اس کو بیان کرنا امکان سے خارج ہے، مگر ان چند آثار کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ اہل اسلام اُن حضرات کی کیفیت قلبی کو پیش نظر رکھ کر اس قسم کی کیفیت قلبی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

آداب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بخاری شریف میں ہے عن سهل بن سعد الساعدی ان رسول الله صلی الله علیه و سلم ذهب الی بنی عمروبن عوف لیصلح بینهم فحانت الصلوة فجاء المؤذن الی ابی بکرؓ فقال اتصلی للناس فاقیم ، قال نعم فصلی ابوبکر فجاء رسول الله صلی الله علیه و سلم والناس فی الصلوة فتخلص حتی وقف فی الصف فصفق الناس و کان ابوبکر لایلتفت فی صلوته ، فلما اکثر الناس التصفیق التفت فرأی رسول الله صلی الله علیه و سلم فأشار الیه رسول الله صلی الله علیه و سلم ان امکث مکانک ، فرفع ابوبکر رضی الله عنه یدیه فحمدالله علی ماامره به رسول الله صلی الله علیه و سلم ، فلما انصرف قال یا ابابکر مامنعک ان تثبت اذ أمرتک ؟ فقال ابوبکر : ماکان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول الله صلی الله علیه و سلم ، فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم مالی رأیتکم اکثرتم التصفیق من رأی به شئ فی صلوته فلیسبح فانه اذاسبح التفت الیه و انما التصفیق للنساء ترجمہ: روایت ہے سہلؓ بن سعد ساعدی سے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے واسطے تشریف لے گئے ، جب نماز کا وقت ہوا مؤذن نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی ، اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوگئے اور صف میں قیام فرمایا جب مصلیوں نے حضرتؐ کو دیکھا دستکیں دینے لگے ، اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ خبردار ہوجائیں کیونکہ ان کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف دیکھتے نہ تھے ۔ جب صدیق اکبرؓ نے دستکوں کی آواز سنی گوشۂ چشم سے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں ، پیچھے ہٹنے کا قصد کیا حضرتؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی ہی جائے پر قائم رہو صدیق اکبرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس نوازش پر کہ حضرتؐ نے امامت کا امر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور

پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے فرمایا کہ اے ابوبکر جب خود میں تمہیں حکم کر چکا تھا تو تم کو اپنی جائے پر کھڑے رہنے سے کون سی چیز مانع ہوئی؟ عرض کیا رسول اللہ ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

ادب حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور مسلم شریف میں ہے **عن ابی سحاق قال سمعت البراء بن عازب یقول کتب علی بن ابی طالبؓ الصلح بین النبی صلی اللہ علیہ و سلم و بین المشرکین یوم الحدیبیة، فکتب ھذا ما کاتب علیه محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیه و سلم) فقالوا لاتکتب رسول اللہ (صلی اللہ علیه و سلم) فلونعلم انک رسول اللہ لم نقاتلک، فقال النبی صلی اللہ علیه و سلم لعلی امحه! فقال ماانا بالذی امحاہ، فمحاہ النبی صلی اللہ علیه و سلم بیدہ . الحدیث** ترجمہ: روایت ہے براء بن عازبؓ سے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب وہ صلحنامہ لکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی **ھذا ما کاتب علیه محمدؐ رسول اللہ** مشرکوں نے کہا کہ لفظ رسول اللہ مت لکھو کیوں کہ اگر رسالت مسلم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹادو، انہوں نے عرض کیا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں، حضرتؐ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا۔ انتہیٰ۔

اب یہاں تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور علی کرم اللہ وجہہ کو لفظ موصوف مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر ان حضرات سے امتثال نہ ہوسکا، حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنه فانتھوا** ترجمہ: جو دیں تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لو اس کو اور جس چیز سے منع کریں باز

رہو۔انتہیٰ ۔اور دوسرے محل میں ارشاد ہوتا ہے **وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبینا** ترجمہ: اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا نہ عورت کا جب ٹھہراوے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے سو راہ بھولا صریح چوک کر۔انتہیٰ ۔ یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے دفعیہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہوسکتا کہ اُن حضرات سے عدول حکمی عمل میں آئے وہ بھی کس موقع میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس روبرو سے حکم فرمارہے ہیں اور اس کا بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اُن حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا اس سے بڑھ کر انقیاد کیا ہو کہ ایک اشارہ پر جان دینا اُن کے پاس کوئی بڑی بات نہ تھی ۔اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خلاف مرضی خدا و رسول تھی ، کیوں کہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضرتؐ ان کو زجر فرمادیتے بلکہ کوئی آیت نازل ہوجاتی اس لئے کہ ان حضرات کی تادیب کا لحاظ بیش از بیش مرعی تھا اس وجہ سے کہ ایک عالم کے مقتدا ہونے والے تھے ،غرض ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے پریشانی ہوتی ہے ،مگر یہ خلجان اس طرح سے دفع ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ کچھ ایسا بافروغ تھا کہ اس کے مقابلہ میں وہ عدول حکمی قابل التفات نہ ہوئی ۔ اگر اس حالت کو خیال کیجئے بشرطیکہ دل میں وقعت وعظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل طور پر ہوتو معلوم ہوگا کہ اُن حضرات کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا ۔اُدھر خود بنفس نفیس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم روبرو سے حکم فرمارہے ہیں اور ایک طرف سے آیات و احادیث بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ خبردار امر واجب الانقیاد سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے اور اِدھر ادب کا دل پر اس قدر تسلط ہے کہ امتثال کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں ، آخر ان دونوں صدیقوں کو ادب نے اس قدر مجبور کیا کہ امتثال امر ہو ہی نہ سکا اور انہوں نے وہی کیا جو مقتضائے ادب تھا۔اب ہر

شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں آخر ادب ہی کی ترجیح ہوئی تو دین میں اس کو کس قدر باوقعت اور ضروری چیز سمجھنا چاہئے۔ شعر

شد ادب جملہ طاعت محمود

طاعت بے ادب ندارد سود

ادب امام شافعیؒ

اسی طرح امام شافعیؒ کا ادب ہے جو امام سیوطیؒ نے تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ الاغبیاء میں امام سُبکیؒ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضرتؐ نے اس کے قطع ید کا ارادہ فرمایا اور کسی نے سفارش کی، پھر وہ حدیث نقل کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چراتیں ان کا بھی ہاتھ قطع کرتا۔ امام سُبکیؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام مصرح ہے، اگر بعینہ حدیث نقل کردیتے تو کوئی بے موقع بات نہ تھی، لیکن از راہ کمال ادب صراحۃً نام مبارک کو ذکر نہ کیا۔ سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ **لو** کے تحت میں ہے جو محال پر علی سبیل فرض محال آتا ہے مگر باایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحۃً ذکر کریں، گو حدیث شریف میں وارد ہے، سچ ہے جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں انہیں کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں اور کنز العمال میں یہ روایت ہے **قال ابن الاعرابی روی ان اعرابیا جاء الی ابی بکر فقال انت خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم ؟ قال لا،قال فما انت ؟ قال الخالفة بعده** ترجمہ: روایت ہے کہ ایک اعرابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہو؟ فرمایا نہیں۔ کہا پھر کیا ہو؟ کہا خالفہ ہوں بعد

حضرتؐ کے ۔ انتہیٰ ۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے **فلان خالفة اهل بيته اذا كان لا خير فيه** یعنی خالفۃ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر کے سب لوگوں میں ایسا ہو جس میں کچھ خیر نہ ہو، چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں صدیق اکبرؓ کو ادب نے اجازت نہ دی کہ اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق سمجھیں اور اس کو ایسے طور سے بدلا جس میں مادہ خلافت باقی رہے اور ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے ۔ حالانکہ خلافت آپؓ کی قطع نظر اجماع کے خود احادیث سے کنایۃً بلکہ صراحۃً ثابت ہے ۔ جب صدیق اکبرؓ اپنے کو حضرتؐ کے خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو اب ان لوگوں کو کیا کہنا چاہئے جو کمال فخر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھائی پنے کی نسبت لگائے جاتے ہیں ۔ معلوم نہیں کہ اس برابری سے مقصود کیا ہے، اگر اپنے کو اُدھر ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا منظور ہے تو وہ خصوصیات کہاں جو نہ کسی نبی مرسل کو نصیب ہوئیں اور نہ کسی فرشتہ مقرب کو ۔ اور اگر تنزل شان اور اپنے ساتھ برابر کر دینا مطلوب ہے تو **ان انتم الا بشر مثلنا** کا مضمون صادق آ جائیگا ۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا ۔ اور پھر ان ازلی سابقوں کو کیا کریں گے جنہوں نے ذات والا کو تمامی کائنات سے منتخب کر کے ابدالآباد کے لئے علوشان اور برتری منزلت کا خاتمہ اور منتہیٰ بنا دیا، غرض دونوں صورتوں میں کوئی ایسی بات نہ نکلے گی جس سے مقصود حاصل ہو سکے، اس صورت میں مثل عمرؓ کے نسبت عبدیت اور غلامی کی کیوں نہ جمائیں جس سے کچھ کام نکلے ۔

قباث رضی اللہ عنہ کا ادب

اور بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے **عن ابی الحويرث قال سمعت عبدالملك بن مروان يقول لقباث بن اشيم الكنانی ثم الليثی : ياقباث انت اكبر ام رسول الله صلى الله عليه و سلم ؟ قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اكبر منی و انا اسن منه ، ولد رسول الله صلى الله عليه و سلم عام الفيل و وقفت بی امی علی روث الفيل محيلا اعقله** ترجمہ: روایت ہے ابی الحویرث سے کہ پوچھا عبدالملک بن مروان نے قباثؓ

بن اشیم سے کہ تم اکبر یعنی بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تھے؟ کہا رسول اللہ ﷺ بڑے تھے اور میں عمر میں زیادہ ہوں اس لئے کہ ولادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام فیل میں ہے اور مجھے یاد ہے کہ میری والدہ اسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لے کر کھڑی تھیں۔ انتہیٰ ملخصاً اور یہ روایت بھی اسی دلائل النبوۃ میں ہے **سأل عثمان بن عفان قباث بن اشیم اخا بنی یعمر بن لیث انت اکبر أورسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی و انا اقدم منہ فی المیلاد، ورایت خذق الفیل احضر محیلا. ورواہ محمد بن بشارعن وھب بن جریر فقال خذق الطیر اخضر۔**

(قولہ محیلا یقال احالت الدار واحولت اتی علیہ حول و کذلک الطعام وغیرہ فھومحیل ۱۲ صحاح) خلاصہ مضمون اس روایت کا یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں قباث سے اسی قسم کا سوال کیا تھا جو روایت سابق میں ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ حضرتؐ اکبر تھے اور ولادت میری پیشتر ہے۔ اور عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی ادب ملحوظ رکھا چنانچہ ابن عساکر اور ابن نجار نے روایت کیا ہے۔۔

عباس رضی اللہ عنہ کا ادب

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما قال قیل لِلعباس رضی اللہ عنہ: انت اکبر أو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم؟ قال ھو اکبر منی وأنا ولدت قبلہ. کرو ابن النجار کذافی کنزالعمال ترجمہ: روایت ہے کہ ابن عباسؓ سے کہ پوچھا کسی نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہ آپ اکبر ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ کہا اکبر حضرتؐ تھے، لیکن میں حضرتؐ سے پیشتر پیدا ہوا انتہیٰ۔ اور صدیق اکبرؓ نے بھی کمال ادب سے یہی عرض کیا **عن یزید بن الاصم ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال لأبی بکرانا أکبر اوانت؟ قال انت اکبر و اکرم وانا الاسن منک. حم فی تاریخہ و خلیفۃ بن خیاط کر قال ابن کثیر مرسل غریب**

جدا کذافی کنز العمال ترجمہ: روایت ہے یزید بن الاصم سے کہ استفسار فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ میں بڑا ہوں یا تم ؟ عرض کیا کہ آپ اکبر اور اکرم ہیں اور عمر میری زیادہ ہے ، روایت کیا اس کو امام احمد بن حنبل نے تاریخ میں اور خلیفہ بن خیاط اور ابن عساکر نے انتہیٰ ۔ اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسن دونوں کے ایک معنی ہیں ۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے صراحۃً اس کی نفی کردی اور مجبوراً لفظ اسن کو ذکر کیا ، کیونکہ صراحۃً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا ۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی تعظیم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے اور

براء رضی اللہ عنہ کا ادب

سنن ابی داؤد میں ہے **عن عبد بن فیروز قال سألت البراء بن عازب مالا یجوز فی الأضاحی ؟ فقال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و اصابعی اقصر من اصابعه و انا ملی اقصر من انامله فقال اربع لاتجوز فی الأضاحی العوراء بین عورها والمریضة بین مرضها والعرجاء بین ظلعها والکسیر التی لاتنقی . الحدیث** ترجمہ: روایت ہے عبد بن فیروز کہتے ہیں کہ براء بن عازبؓ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں ، کہا کھڑے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں اور میری انگلیاں چھوٹی ہیں حضرتؐ کی انگلیوں سے پھر فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں ، ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو اور جو سخت بیمار ہو اور جس کا لنگ ظاہر ہو اور جو نہایت دبلا ہو ۔ انتہیٰ ۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں پہلے دست مبارک کے اشارہ سے تعین فرمادیا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں ، پھر ان کی تفصیل کی براء بن عازبؓ نے

جب اس واقعہ کو بیان کیا ۔ ادب نے اجازت نہ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں ، آخر عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے، ظاہرانہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے نہ سوئے ادب، باوجود اس کے ادب صحابیت نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی تھی ۔ اب دوسرے آداب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے ۔ ہر چند اعتراض کی نگاہ سے دیکھنے والوں کو یہاں شاید موقع مل جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کب فرمایا کہ اس قسم کے آداب کیا کریں ۔ مگر جو لوگ منجانب اللہ موفق ہیں صحابہ کے عمل پر کبھی اعتراض نہ کریں گے بلکہ بمقتضائے حدیث شریف **اصحابی کالنجوم** کے ان کے عمل کو اپنا مقتدا بنا کر ہر بات میں اس امر کا لحاظ رکھیں گے کہ اس بارگاہ مقدس میں کوئی ایسی نسبت نہ لگائی جائے جس سے کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے ۔ اس مضمون کو کسی بزرگ نے کیا ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا ہے شعر:

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ادب

اور کنز العمال میں یہ حدیث ہے **عن عثمانؓ قال لقد اختبأت عنداللہ عشرا انی لرابع الاسلام قدزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ابنتیہ و قدبایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بیدی ھذہ الیمنی فمامسست بھاذکری ولاتغنیت ولاتمنیت ولاشربت خمراً فی جاھلیة ولا اسلام ، وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من یشتری ھذہ الربعة ویزیدھافی المسجد ولہ بیت فی الجنة فاشتریتھا و زدتھافی المسجدش و ابن ابی عاصم فی السنة** ترجمہ: روایت ہے عثمان بن عفان رضی

اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ امانت رکھی ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس دس چیزیں ۔ اسلام میں میں چوتھا شخص ہوں اور میرے نکاح میں دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی پھر دوسری اور جب سے کے بیعت کی ہے میں نے اور ملایا سیدھا ہاتھ حضرتؐ کے دست مبارک سے تو پھر کبھی نہ چھیا اس سے شرمگاہ کو ۔ الی آخر الحدیث ۔ اور اسی مضمون کی کئی روایتیں کنز العمال میں مذکور ہیں ۔ اور کنز العمال ہی میں یہ روایت بھی ہے ۔ **عن انس قال جاء النبی صلی اللہ علیہ و سلم فدخل الی بستان فأتیٰ آت فدق الباب فقال یا انسؓ قم فافتح له و بشره بالجنة و بالخلافة من بعدی ، قلت یا رسولؐ الله اعلمه ، فقال اعلمه ، فخرجت فاذا ابوبکر قلت له ابشر بالجنة و بالخلافة من بعد رسول الله صلی الله علیه و سلم ، ثم جاء ات فدق الباب فقال یا انسؓ قم فافتح له الباب و بشره بالجنة و بالخلافة من بعد ابی بکر ، قلت اعلمه قال اعلمه ، فخرجت فاذا عمر ، فقلت ابشربالجنة وابشر بالخلافة من بعد ابی بکر ، ثم جاء آت فدق الباب فقال یا انس قم فافتح له الباب و بشره بالجنة و بالخلافة من بعد عمروانه مقتول ، فخرجت فاذا عثمان قلت ابشر بالجنة و بالخلافة من بعد عمر وانک مقتول ، فدخل علی النبی صلی الله علیه و سلم فقال یا رسول الله والله ماتغنیت ولاتمنیت ولامسست ذکری بیمینی منذبایعتک بها ، قال هوذاک یا عثمان . کر ورواه ع کر من طریق عبدالله بن ادریس .** ترجمہ: روایت ہے انسؓ سے کہ تشریف لے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی باغ میں ۔ پس آیا کوئی شخص اور ٹھونکا دروازہ فرمایا حضرتؐ نے اے انسؓ دروازہ کھولدو اور خوشخبری دو ان کو جنت کی اور یہ کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے میں نے عرض کیا ان کو یہ بات کہدوں یا رسولؐ اللہ فرمایا کہدو جب میں نکلا تو دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں ۔ میں نے وہ بشارت ان کو دی ۔ پھر کسی شخص نے دروازہ ٹھونکا فرمایا حضرتؐ نے اے انس دروازہ کھولدو اور ان کو جنت کی

خوشخبری دو اور یہ کہ بعد ابی بکرؓ کے وہ خلیفہ ہوں گے۔ میں نے عرض کیا معلوم کرادوں ان کو یا رسول اللہ، فرمایا معلوم کرادو۔ دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو بھی وہ بشارت سنادی۔ پھر اور کسی نے دروازہ ٹھونکا۔ فرمایا حضرتؐ نے اے انس دروازہ کھولدو اور خوشخبری دو ان کو جنت کی اور یہ کہ بعد عمر کے وہ خلیفہ ہوں گے اور قتل کئے جائیں گے۔ جب میں نکلا تو عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھڑے ہیں ان سے بشارت اور قتل کا حال ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کبھی نہ تغنی کی اور نہ جھوٹی بات بنائی اور نہ کبھی سیدھے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھپا جب سے کے اس ہاتھ سے بیعت کی ہے، فرمایا حضرتؐ نے یہ وہی بات ہے اے عثمان۔ انتہیٰ۔

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ جو دیا تھا اس سے کس قسم کا اثر دست مبارک کا اُن کے ہاتھ میں رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔ باطن کا حال تو وہی لوگ جانیں جن کی باریک بین نظریں غوامض شرعیہ میں بلند پروازیاں کرتی ہیں۔ لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوتی جس کو عقل متوسط تسلیم کرلے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا وہ دوسری بات ہے۔ اور وہ ہر کسی کو کب نصیب ہوسکتا ہے۔ غرض کچھ بھی سہی کسی مسلمان سے یہ تو نہ ہوسکے گا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اعتراض کرے اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُنہیں کا تھا بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بتصریح معلوم ہوجائے گا کہ اس قسم کی باتیں اکثر کبار صحابہ وتابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہوسکے لیکن اعتقاداً مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے لمس سے شرافت حاصل ہوگئی اس میں کسی نہ کسی قسم کی فضیلت ضرور آگئی۔

دوسری یہ بات بحث طلب ہے کہ شرمگاہ میں کونسی بُرائی رکھی تھی جس کو وہ متبرک ہاتھ لگانا مذموم

سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے مثل اور اعضا کے چنانچہ موطا میں ہے **عن قیس بن طلق ان اباه حدثه ان رجلا سأل رسول الله صلی الله علیه و سلم عن رجل مس ذکره أیتوضّؤ ؟ قال هل هو الا بضعة من جسدک** ترجمہ: روایت ہے طلقؓ سے کہ پوچھا کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کیا مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے فرمایا وہ تو ایک مضغہ ہے تیرے جسد کا۔ انتہیٰ۔

اسی بناء پر علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں **عن علیؓ ابن ابی طالب ما أبالی ایاه امس او انفی او اذنی کذافی الموطاللامام محمدؒ** ترجمہ: فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے کچھ پروانہیں کہ ذکر کو مس کروں یا ناک کو یا کان کو یعنی ان تمام اعضاء کے چھونے کا ایک حکم ہے۔

عن ابراهیم ان ابن مسعودؓ سئل عن الوضوء من مس الذکر فقال ان کان نجسا فاقطعه . کذافی الموطا ترجمہ: روایت ہے ابراہیم سے کہ کسی نے پوچھا ابن مسعودؓ سے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، کہا اگر وہ نجس ہے تو کاٹ ڈال انتہیٰ۔ اس مضمون کی اور بہت سی روایتیں ہیں۔

الحاصل شرعاً مس ذکر میں نجاست کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر کراہت ہے تو طبعی ہے۔ پھر اس کراہت طبعی کو ادب نے وہاں اس درجہ بڑھایا کہ مشابہ بلکہ زیادہ کراہت شرعی سے کردیا، جس کی وجہ سے عمر بھر اس فعل سے بچتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا پورا اثر کرنے میں نہ منتظر امر ہے نہ محتاج نظیر۔ بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ ہے۔ جس کو خاص ایمان کے ساتھ تعلق ہے اور منشا اس کا عظمت و وقعت اس شخص یا اس چیز کی ہے جس کے آگے ادب کرنے والا اپنے کو کم درجہ اور ذلیل سمجھتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادب

اور بخاری شریف میں ہے: **عن ابی رافع عن ابی هریرةؓ ان النبی صلی الله علیه و سلم لقیه فی بعض طریق المدینة وهو جنب فانخنست منه فذهب فاغتسل ثم جاء فقال**

این کنت یا اباھریرۃ ؟ قال کنت جنبا فکرھت ان اجالسک وانا علی غیر طھارۃ ، فقال سبحان اللہ ان المؤمن لاینجس ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا چونکہ جنب تھا چھپ گیا اور غسل کر کے حاضر خدمت شریف ہوا فرمایا کہاں تھے تم اے ابوہریرہؓ ؟ عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی اس لئے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا، فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ انتہیٰ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں جو الگ ہو گئے اس سے ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرتؐ کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ آخر سمجھتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا ایک امر حکمی ہے حسی نہیں جس سے دوسرے کو کراہت ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہوسکتا۔ ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرمادیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے کو انہیں کونسی چیز مانع تھی۔ اگر نعوذ باللہ طبیعت میں بیباکی ہوتی تو خیال کر لیتے کہ اس حالت میں مجالست سے کوئی ممانعت نہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی خیال آسکتا تھا کہ چل کر تو دیکھئے اگر حضرتؐ ہی منع فرمادیں تو ایک مسئلہ معلوم ہو جائے گا خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہر روز نئے نئے مسائل معلوم ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی، غرض کہ ادب نے ان کو جرأت کرنے نہ دیا پھر حضرتؐ نے جو مسئلہ کہ بیان فرمایا اس سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ شرعیہ معلوم ہو جائے ان کے ادب سے اس میں کچھ تعرض نہیں، حالانکہ حضرتؐ جانتے تھے کہ صرف ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہوسکے۔ اگر یہ حرکت ان کی ناگوار طبع مبارک ہوتی تو بتصریح اس سے زجر فرمادیتے۔

اسلع رضی اللہ عنہ کا ادب

اور زرقانیؒ نے شرح مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے **روی الطبرانی من طریق الھیثم ابن زریق عن ابیہ عن الاسلع بن شریک قال کنت ارحل ناقۃ رسول اللہ**

صلی اللہ علیہ و سلم فاصابتنی جنابۃ فی لیلۃ باردۃ فارادصلی اللہ علیہ و سلم الرحلۃ فکرھت ان ارحل ناقۃ وانا جنب ،و خشیت ان اغتسل بالماء البارد فأموت اوامرض ، فامرت رجلامن الأنصار فرحلھا ووضعت احجاراً فاسخنت بھاماء ًفاغتسلت ثم لحقت برسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و اصحابہ ، فقال یا اسلع مالی اری راحلتک تغیرت ، فقلت یا رسولؐ اللہ لم ارحلھا رحل رجل من الانصار ، قال ولم؟ فقلت انی اصابتنی جنابۃ فخشیت القرعلی نفسی فامرتہ فرحلھا و وضعت احجاراً فاغتسلت بہ ، فانزل اللہ تعالی ”یآیھاالذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوۃ و انتم سکاری . الیٰ قولہ . عفواً غفورا انتھیٰ ۔ترجمہ:اسلع بن شریکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضرتؐ نے کوچ کا ارادہ فرمایا اس وقت مجھے نہایت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہالوں تو مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارانہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں ۔مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہدیا کہ کجاوہ باندھے ۔پھر میں چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جاملا ۔حضرت نے فرمایا اے اسلع کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو متغیر پاتاہوں ؟ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں باندھا تھا ۔فرمایا کیوں ؟ عرض کیا :اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا اس لئے کسی کو باندھنے کے لئے کہدیا تھا ۔اسلع کہتے ہیں کہ اسی کے بعد آیۂ شریفہ یآیھاالذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ الاٰیۃ ۔نازل ہوئی جس سے سفر میں تیمّم کرنے کی اجازت ملی ۔انتہیٰ ۔

امام سیوطیؒ تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں کہ روایت کی اس حدیث کوحسن ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور قاضی اسمٰعیل نے احکام میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں اور بغوی اور ماوردی اور دارقطنی اور طبرانی اور

ابونعیم نے معرفت میں اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے سُنن میں اور ضیائے مقدسی نے مختارہ میں انتہیٰ ۔

سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کردئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحۃً ترغیب وتحریص۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت ایمان تحقیقی کا دعویٰ کر کے کہے کہ یہ خیالات ایام جہالت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ایماندار اس کلام کی طرف التفات کرے گا یا بطیّب خاطر جواب دے گا۔ کیوں کر ہوسکے کہ چودہویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ پھر اگر کسی قدر نظر بڑھائی جائے تو معلوم ہو کہ سلسلہ اس الزام کا کہاں منتہیٰ ہوگا۔ کیونکہ جس امر کا ذکر خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے حضور میں ہوجائے اور اسی کے بعد کلام الٰہی اسی کے مناسب نازل ہو ویسے خیال میں آخری زمانہ والوں کی اصلاح کی نعوذ باللہ اگر ضرورت سمجھی جائے تو دینداری کے نہایت خلاف ہوگا۔ الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہے۔

عموماً صحابہ کا ادب

اور مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے **عن عبداللہ بن بریدة عن ابیه قال کنا اذاقعدنا عندرسول اللہ صلی اللہ علیه ولم نرفع رؤوسناالیه اعظاما له . هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولا احفظ له علّة .** ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضرت ﷺ کی طرف سر نہ اٹھاتا۔ انتہیٰ، کہا حاکم رحمتہ اللہ علیہ نے کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط شیخین پر۔ حضرت کے روبرو تو اس قسم کا ادب ہوتا ہی تھا وہ حضرات حدیث شریف کے

حلقوں میں جب بیٹھتے تے تو اس خضوع وخشوع کے ساتھ سر جھکائے بیٹھتے تھے کہ گویا گردنوں پر سر ہی نہیں چنانچہ مستدرک ہی میں ہے: **عن عبدالرحمٰن بن قرط قال د خلت المسجد فاذا حلقة کا نما قطعت رؤوسهم واذارجل يحدثهم فاذا هو حذيفة . قال کان الناس يسألون رسول الله صلی الله عليه و سلم عن الخير و کنت أسأله عن الشر. و ذکر الحديث بطوله** ۔ ترجمہ: عبدالرحمٰن بن قرط کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردن پر سر ہی نہیں اور ایک شخص حدیث بیان کررہے ہیں دیکھا تو وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ۔ انتہیٰ ملخصا ۔ یعنی سب حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ سر جھکائے بیٹھے تھے کہ گردنوں پر سر نہیں دکھائی دیتے تھے ۔ اب ذرا زمانہ کے انقلاب اور طبیعتوں کی رفتار کو دیکھنا چاہئے کہ بعد خیرالقرون نے ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کردیا ہے ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ معاملہ بالکل بالعکس ہوگیا ہے ۔ اس زمانہ میں حالانکہ ان امور کی تعلیم عموماً نہ تھی مگر دل ہی کچھ ایسے مہذب اور مؤدب تھے کہ اقسام کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال ایجاد کرلیتے اور اصول شرعیہ پر اُن کو منطبق کردیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانہ میں بآسانی نہ ہوسکے ، کیوں نہ ہو ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا تھا ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

عن انس قال قال رسول الله صلی الله عليه و سلم ان الله عزوجل نظر فی قلوب العباد فلم يجد قلبا انقی من قلوب اصحابی و لذلک اختار هم فجعلهم اصحابا فمااستحسنوا فهو عندالله حسن وما استقبحوا فهو عند الله قبيح رواه الديلمی ، یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا تو میرے اصحاب کے دلوں سے پاکیزہ تر کوئی دل نہ پایا اسی واسطے ان کو میرے اصحاب ہونے کے لئے پسند فرمایا جو کام وہ اچھا سمجھتے ہیں

اللہ کے نزدیک بھی وہ اچھا ہے۔ اور جس کو وہ برا سمجھتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وہ برا ہے۔ انتہیٰ۔

غرض وہ ہر قسم کے آداب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا۔ اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی پڑی نہ تھی۔ اور اگر چند خودسروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ قریب معلوم ہوگا تو اس وجہ سے کہ ان کی بداعتقادیوں نے ان کو دائرہ اتباع سے خارج اور دوسرے نام کے ساتھ مشتہر کردیا تھا۔ ان کی باتیں کسی کی سمع قبول تک پہنچی ہی نہ تھیں۔

الحاصل خیرالقرون کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب ایجاد کئے جاتے تھے اور اس آخری زمانہ کا یہ حال ہے کہ باوجود یکہ اُن حضرات نے جن کا اتباع بحسب ارشاد شارع علیہ الصلوۃ و السلام ضروری ہے اقسام کے آداب تعلیم کرگئے اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہوجائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔ اور صرف اعتراض ہی نہیں شرک تک نوبت پہنچادی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔

اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے **وقال مالک رحمہ اللہ وقدسئل عن ابی ایوب السختیانیؒ ماحدثتکم عن احد الاوایوب افضل منه وقال و حج حجتین فکنت ارمقه ولا اسمع منه غیرانه کان اذا ذکر النبی صلی اللہ علیه و سلم بکی حتی ارحمه فلما رأیت منه مارأیت کتبت عنه** ترجمہ: کسی نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ ابوایوب سختیانیؒ کا کیا حال تھا کہا میرے اساتذہ میں جن کی روایتیں تم نے مجھ سے سنی ہیں ان سب سے وہ افضل ہیں۔ انہوں نے دو حج کئے اور میں ان کا حال دیکھا کیا اس مدت میں کوئی روایت ان سے نہ لی مگر حالت ان کی یہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آجاتا۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو ان کی شاگردی اختیار کی اور ان کی حدیثیں لکھ لیں۔ انتہیٰ۔

امام مالکؒ ابوایوب سختیانیؒ کو بنظر اس حالت کے جو ترجیح دیتے ہیں اور سب اساتذہ سے افضل کہتے ہیں تو اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خیالات محدثین اور اکابردین کے اس بارے میں کس

قسم کے تھے۔ اب ذرا سختیانیؒ کے دل کی کیفیت کو خیال کیجئے کہ کس درجہ کی عظمت و محبت اور خدا جانے کون کونسی چیزیں ان کے دل پر پورا تسلط کرلیتی تھیں جس سے وہ حالت پیدا ہوجاتی تھی جو ادب سے بھی بڑھی ہوئی ہے، یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کردیا کرتا ہے۔ سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہورہی ہے جو بڑے بڑے فاضل معاصروں سے افضل بنادیتی ہے اور یہاں ہنوز اس کے جواز وعدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کے مجلسیں نہ ہونے پائیں۔ بھلا ذرا تو سوچنا چاہیئے ذکر شریف کے مجلسیں ہوا کریں اور برکات اس کے مسلمانوں پر فائض ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہوگا۔ حق تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں کی کج فہمیوں کو دفع فرمادئے۔

مناظرۂ امام مالکؒ و ابوجعفرؒ

اور درمنظّم میں ابن حجر ہیثمیؒ اور شفا میں قاضی عیاضؒ نے بسند متصل روایت کی ہے عن ابن حمید قال ناظر ابوجعفر امیر المؤمنین مالکافی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال له یا امیرالمؤمنین لاترفع صوتک فی هذا المسجدفان الله تعالیٰ ادب قوماً فقال ﴿ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﴾ و مدح قوماً فقال ﴿ ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله ﴾ الاٰیة و ذم قوماً فقال ﴿ ان الذین ینادونک من وراء الحجرٰت ﴾ الآیة وان حرمته میتاً کحرمته حیا ، فاستکان لها ابوجعفر وقال یاابا عبدالله استقبل القبلة وأدعوأم استقبل رسول الله صلی الله علیه و سلم ؟ فقال ولم تصرف وجهک عنه و هووسیلتک ووسیلة أبیک آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة ، بل استقبله واستشفع به فیشفعک الله ، و قال الله تعالیٰ ﴿ ولوانهم اذظلموا انفسهم جاء وک ﴾ الآیة۔

ترجمہ: امیر المؤمنین ابوجعفر منصور نے (جو خلفائے عباسیہ سے دوسرے خلیفہ ہیں) امام مالکؒ کے ساتھ مسجد نبوی میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا جس میں ان کی کچھ آواز بلند ہوگئی۔ امام مالکؒ نے کہا اے امیر المومنین اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے کیونکہ حق تعالیٰ نے تأدیب کی ایک بہتر قوم کی اس آیۂ شریفہ میں ﴿یآ یھاالذین اٰمنوالا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی﴾۔ اور مدح کی ان لوگوں کی جو حضرتؐ کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے فرماتا ہے ﴿ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ﴾ الاٰیۃ اور مذمت کی اس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضرتؐ کو پکارتے تھے چنانچہ فرماتا ہے ﴿ان الذین ینادونک من وراء الحجرٰت اکثرھم لایعقلون﴾ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت بعد انتقال کے وہی ہے جو قبل انتقال تھی۔ امیر المومنین یہ سنتے ہی متادب اور متذلل ہوگئے۔ پھر پوچھا اے اباعبداللہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوں؟ کہا حضرت سے کیوں منہ پھیرتے ہو وہ وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے روز، تو حضرت کی طرف متوجہ ہوکر شفاعت و سفارش طلب کیجئے کہ حق تعالیٰ شفاعت حضرت ﷺ کی قبول کرے گا، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولو انھم اذظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ و استغفرلھم الرسول لوجد وا اللہ توابا رحیما﴾ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اپنی ذاتوں پر اگر آئیں آپؐ کے پاس اور مغفرت چاہیں اللہ تعالیٰ سے اور مغفرت چاہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لئے تو پائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کو مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا۔ انتہیٰ۔

اب اُن حضرات کے اعتقادوں کو دیکھئے کہ امام مالکؒ نے آواز بلند کرنے کے باب میں ان آیات پر استدلال کیا یآیھا الذین اٰمنوالا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ اور ان الذین ینادونک من وراء الحجرٰت اور خلیفۂ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فوق صوت النبی اور ینادونک کے معنی یہاں کیوں کر صادق آتے ہیں، اور اگر اجتہاد کیا گیا تو طریقہ اُس کا

کیا ہے پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف کچھ جاہل ہوں کیونکہ تاریخ خمیس وغیرہ کتب تواریخ میں مصرح ہے کہ وہ نہایت کامل العقل اور فقیہ النفس عالم جید اور ادیب و متدین تھے مگر معلوم نہیں اس استدلال میں کس درجہ کی قوت تھی جس نے خلیفۂ وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کر دیا۔ اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صدہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہوسکے گا کہ معترض کی رائے کو امام مالکؒ کی رائے پر ترجیح دے، کیونکہ امام مالکؒ وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری و مسلم وغیرہ اکابر محدثین رحمہم اللہ کو فخر ہے بلکہ یہ سمجھنا اُس کا اُس کی غباوت اور بے علمی پر محمول ہونا چاہئے، بات یہ ہے کہ جیسے قوت ایمانیہ میں ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے ویسا ہی قوت نظری و فکری میں بھی روز بروز کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کر کے کچھ دعویٰ کرے تو اس کا ابطال ان احادیث شریفہ سے ہوجائے گا جن میں خیر القرون ہونا اُس زمانہ کا اور کم ہوجانا علم کا آخری زمانہ میں وارد ہے۔

اور ابن تیمیہؒ نے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں لکھا ہے:

بل الذين كانوا قبل جمع هذه الدواوين كانوا أعلم بالسنة من المتأخرين بكثير لأن كثيرا مما بلغهم وصح عندهم قدلايبلغنا إلاعن مجهول أوباسناد منقطع أولا يبلغنا بالكلية ، كانت دواوينهم صدورهم التى تحوى اضعاف مافى الدواوين و هذا امر لايشك فيه من علم القضية یعنی کوئی عالم اس میں شک نہیں کرسکتا کہ قدماء متأخرین سے بہت زیادہ علم رکھتے تھے بہت سی حدیثیں ہم تک پہنچی ہی نہیں اور اگر پہنچی تو ضعیف ہوکر ان کے نزدیک وہی حدیثیں صحیح تھیں۔

اگرچہ اس روایت سے کئی مباحث متعلق ہیں مگر بخوف تطویل صرف اسی پر اکتفا کیا گیا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحسب موقع ذکر کی جائیں گی، یہاں اسی قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ امام مالکؒ نے

ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ قیامت تک اہل ایمان جس کی بدولت بہرہ اندوز اور متمتع رہیں گے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ادب

بخاری شریف میں روایت ہے **عن السائب بن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فائتنی بهذین فجئته بهما قال من انتما اومن این انتما قالا من اهل الطایف قال لو کنتما من اهل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه و سلم** ترجمہ: سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، کہا جاؤ اور ان دوشخصوں کو لے آؤ جب ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو یا کہاں والے ہو؟ کہا طائف والے فرمایا اگر تم اس شہر والے ہوتے تو میں ضرور تم کو اذیت پہنچاتا اور مارتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم آواز بلند کرتے ہو۔ انتہیٰ۔

اس خبر سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کرسکتا تھا اور اگر کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا، باوجودیکہ سائب بن یزید چنداں دور نہ تھے مگر اسی ادب سے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل بلد کے لئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے، اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں۔ اس سے بھی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صادق آ گیا جو خلیفہ منصورؒ سے کہا تھا **ان حرمته میتا کحرمته حیا**۔

اور بخاری شریف میں روایت ہے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا

کی عادت تھی کہ جب کبھی ذکر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتیں بــأبـی کہتیں فرماتی ہیں **وقلماذكرت النبی صلی اللہ علیه و سلم الاقالت بابی** یعنی کم اتفاق ہوتا تھا کہ ذکر شریف کے وقت یہ لفظ نہ کہتی ہوں معنی اس کے یہ ہیں کہ میرے باپ فدا ہوں حضرتؐ پر سے۔ صحابہ اکثر **بابی انت وامی یا رسول اللہ** (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے، چنانچہ کتب صحاح میں موجود ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کے اشفاق ومراحم کے روبرو مہر مادری و پدری کی کچھ حقیقت نہیں ان دونوں کو آپؐ پر سے فدا کرنا چاہیئے۔ سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف کے بھی وہ ادب مرعی تھا کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے نام مبارک کو ذکر نہیں کرتے تھے، کیوں نہ ہو یہ نام مبارک وہ تھا کہ کفار بھی جس کے ذکر میں بساوقت متأدب ہو جاتے تھے۔

چنانچہ قسطلانیؒ نے مواہب میں اور زرقانیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ایک جماعت قبیلہ کندہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظ تحیت کے ادا کئے جو اس زمانہ میں سلاطین کے حضور میں کہے جاتے تھے یعنی **ابیت اللعن** حضرت نے فرمایا میں بادشاہ نہیں ہوں ''محمد بن عبداللہ'' ہوں کہا ہم آپ کو نام لے کر نہ پکاریں گے، فرمایا میں ''ابوالقاسم'' ہوں، کہا اے ابوالقاسم فرمایئے کہ ہم نے اپنے دل میں کیا چھپایا ہے؟ فرمایا یہ تو کاہنوں کا کام ہے اور کاہن اور ان کا پیشہ دوزخی ہے، کہا پھر کیوں کر معلوم ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا دیکھو یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ساتھ ہی کنکریاں دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں۔ پھر تو سب کے سب گھبرا اٹھے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور سب مشرف باسلام ہوئے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ قبل امتحان مشرف باسلام نہیں تھے باوجود اس کے نام لینے میں ترک ادب سمجھا۔ کیا تعجب ہے کہ یہی ادب پسند آ گیا ہو جس سے ابدالآباد کے لئے عزت وشرافت حاصل ہوگئی۔ ہر چند کہ نام پاک خود ایک ایسا جامع لقب ہے جس میں تمام القاب پسندیدہ اور محامد برگزیدہ

شامل کردیئے گئے ہیں مگر بااین ہمہ ادب والوں کی زبانیں وہاں خودبخود رک جاتی ہیں۔اورجن کی زبانوں نے خیرہ سری کی اور بیباکانہ نام لینا شروع کیا۔حق تعالیٰ کی جانب سے ان کی تادیب ہوگئی۔ چنانچہ امام سخاویؒ نے بروایات متعددہ ثابت کیا ہے کہ بعض لوگ جو نام لے کر حضرتؐ کو پکارتے تھے ان کو حق تعالیٰ نے منع فرمادیا جس سے عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم ہو۔

کما قال فی القول البدیع قال الضحاک عن ابن عباس انهم کا نوا یقولون یا محمد یا اباالقاسم فنها هم الله عزوجل اعظاماً لنبیه صلی الله علیه و سلم فقال قولوا یا نبی الله یارسول الله و کذاقال مجاهد و سعید بن جبیروقال مقاتل ابن حبان لاتسموه اذا دعوتموه یا محمد ولاتقولوایاابن عبدالله ولکن شرفوه تقولوایا رسول الله یا نبی الله و قال قتادة امر الله ان یهاب نبیه صلی الله علیه و سلم و ان یبجل وان یعظم وان یسودوقال مالک عن زید بن اسلم امر هم ان یشرفوه ، وقیل فی معنی الآیة غیر هذا .

یہاں یہ بات معلوم کرنا چاہئے کہ اہل اسلام پہلے ہی سے جانتے تھے کہ نام لینا بے ادبی ہے اس لئے بکمال ادب یا رسول اللہ وغیرہ القاب کے ساتھ خطاب کیا کرتے تھے، البتہ کفار جو اس بےادبی کے مرتکب ہوتے تھے ان کے لئے آیۂ شریفہ **لاتجعلوا دعاء الرسول** نازل ہوئی ابن قیمؒ نے جلاءالافہام میں لکھا ہے **حیث قال ان الله تعالیٰ قال "لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا". فامر سبحانه ان لایدعی رسوله بما یدعوالناس به بعضهم بعضا بل یقال یا رسول الله ولایقال یامحمد ، و انما کان هذا فی خطابه تسمیة باسمه وقت الخطاب للکفار و أماالمسلمون فکانوایخاطبونه بیارسول الله .**

نقله القسطلانی فی مسالک الحنفاء عن جلاء الافهام لابن قیم ۔

دعاء قضائے حاجات

یہاں ایک اعتراض کوگنجائش مل سکتی ہے کہ ابی امامہ بن سہل سے روایت ہے کہ ایک شخص کسی

ضرورت سے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہر روز حاضر ہوا کرتا تھا مگر آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز انہوں نے عثمان بن حنیف سے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو۔ اور پھر یہ دعا کرو **اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد صلی اللہ و سلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فیقضی لی حاجتی**۔ اور پھر اپنا مقصود بیان کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کے حضور میں گئے وہ ہنوز وہاں پہنچے نہ تھے کہ بواب سبقت کر کے ان کے پاس آیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کے عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو باعزاز تمام قالین پر بٹھا کر حال دریافت کیا، جب انہوں نے اپنی احتیاج بیان کی فرمایا میں نے اب تک سمجھا نہ تھا کہ تمہاری یہ حاجت تھی اور فوراً وہ حاجت روا کر کے فرمایا کہ جب کبھی تمہیں کچھ احتیاج ہو کہہ دیا کرو، راوی کہتے ہیں کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے سیدھے عثمان بن حنیف کے پاس آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آپ کی سفارش سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ نہ میری طرف دیکھتے تھے نہ میری حاجت کی طرف۔ کہا مجھ سے ان سے تو بات ہی نہیں ہوئی۔ یہ اثر اسی نماز و دعا کا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی اس قسم کا واقعہ درپیش ہوا تھا کہ ایک نابینا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بصارت اپنی پھر عود کرے، حضرتؐ نے اسی نماز و دعا کی تعلیم فرمائی چنانچہ وہ شخص فوراً بینا ہوگیا، امام سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ اور ترمذی اور امام احمد بن حنبل اور ابن خزیمہ اور حاکم اور بیہقی نے اور کہا حاکم نے کہ یہ حدیث صحیح اور شرط شیخین پر ہے۔ انشاء اللہ کسی مقام پر یہ حدیث بعینہ بھی نقل کی جائے گی۔

مقصود یہاں اسی قدر ہے کہ اس دعا میں صراحتہً نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا لقب کے مذکور ہے حالانکہ ابھی ممانعت اس کی ثابت کی گئی ہے، جواب اس اشکال کا امام سخاویؒ نے قول بدیع میں دیا ہے کہ وہ دعا جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی تھی بعینہ انہیں الفاظ کے ساتھ عثمان

بن حنیف نے بھی تعلیم کی ، اس لئے کہ دعاوؤں کے الفاظ میں تصرف اور کمی و زیادتی نہیں چاہئے اور جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال ہر مسلمان کے دل میں ہوا کرتی ہے۔ **حیث قال یحتمل ان یکون الصحابی و من نحا نحوہ فهم اختصاص هذا الموطن بما ارشد الیه صلی الله علیه و سلم ورأی ان الفاظ الدعوات و الأ ذکار لایتصرف فیها بالزیادة و النقص بل یقتصر فیها علی النص وا کتفی بماوقر فی قلب کل مسلم من تعظیم النبی صلی الله علیه و سلم و اجلاله و الله الموفق** امام سخاویؒ نے جولکھا ہے کہ الفاظ دعا میں کمی وزیادتی نہیں چاہئے اسی بناء پر بزرگان دین اور مشائخین کے نزدیک جواعمال واشغال یا عزائم وغیرہ سینہ بسینہ چلے آتے ہیں اس میں کمال درجہ کا احتیاط کیا جاتا ہے کہ کمی وزیادتی بالکل نہ ہونے پائے اور تجربوں سے بھی ثابت ہے کہ اگر ان الفاظ معینہ میں فرق کر دیا جائے یا بغیر اجازت کے وہ اعمال عمل میں لائے جائیں تو کچھ تاثیر بھی نہیں ہوتی ، الحاصل اس دعا میں نام مبارک ضرورۃً بلا لقب ذکر کیا گیا ورنہ صحابہ وتابعین جب کبھی نام مبارک کو ذکر کرتے لقب کے ساتھ ذکر کیا کرتے۔

لفظ سیدنا

اسی وجہ سے متاخرین رحمہم اللہ نے مستحسن سمجھا ہے کہ نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب لیا جائے خواہ درود شریف میں یا سوائے اس کے لفظ **سیدنا** کہنا چاہئے خصوصاً حرمین شریفین کے علماء ومشائخین کوتو اس میں نہایت ہی اہتمام ہے اور چونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان کا مرجع مدینہ منورہ ہی ہوگا **کمافی المشکوة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ان الایمان لیأرزالی المدینة کماتأرزالحیة الی جحرها متفق علیه** ،اس لئے طالبین حق کو چاہئے کہ جن امور کو وہاں کے علماء دینی حیثیت سے مستحسن سمجھتے ہیں اس میں ان کا اتباع کیا کریں۔

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفد

بنی عامر میں تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا، میں نے عرض کیا **انت سیدنا** ، فرمایا **السید اللہ تبارک و تعالیٰ** ظاہراً اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے اس لفظ کو جائز نہیں رکھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس موقع میں تواضعاً یہ فرمایا ہوگا ورنہ اطلاق اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں پر کئی حدیثوں میں وارد ہے چنانچہ حدیث **قوموا الی سید کم** بخاری شریف سے بحث قیام میں بھی نقل کی گئی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کو بلفظ **سیدنا** ذکر کیا چنانچہ کنز العمال میں یہ روایت ہے **عن عمر قال أبو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالا ابن سعدؓ ش ح ک و الخراطی فی مکارم الاخلاق** یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سید ہیں اور ہمارے سید یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا۔ جب اطلاق اس لفظ کا صحابیوں پر جائز ہوا تو سید الانبیا و المرسلین پر جائز و مستحسن ہونے میں کیا کلام، خود حضرتؐ فرماتے ہیں **کمافی المستدرک للحاکم عن جابر بن عبداللہ قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم المبنر فحمد اللہ و أثنی علیہ ثم قال من انا ؟ قلنا رسول اللہ ، قال نعم و لکن من انا ؟ قلنا انت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ، قال : اناسید ولدآدم ولا فخر، قال الحاکم ھذا صحیح الاسناد .** ترجمہ: روایت ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر چڑھے اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ کے رسول ہیں، پھر وہی سوال فرمایا: ہم نے عرض کیا آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہیں، فرمایا میں سید اولاد آدم ہوں اور کچھ فخر نہیں، کہا حاکمؒ نے یہ حدیث صحیح ہے۔ انتہیٰ۔ اور مواہب اللدنیہ اور زرقانی میں ہے **و قد روی الترمذی و قال حسن صحیح و أحمد و ابن ماجه و صححه الحاکم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انا سید ولد آدم یوم القیامة ولافخر، وفی حدیث ابی ھریرة مرفوعا عندالبخاری و مسلم والترمذی و**

احمد : انا سید الناس یوم القیامة و فی روایة لبیهقی : انا سیدالعالمین . انتھیٰ ملخصاً . ان احادیث سے سید اولاد آدم بلکہ سید الناس بلکہ سید العالمین ہونا حضرتؐ کا ثابت ہے، غرض حضرتؐ کی سیادت اور لفظ سیدنا کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا ، البتہ اس میں کلام ہوسکتا ہے کہ ہم میں صلاحیت ہے یا نہیں ۔اس وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے ؎

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

مگر چونکہ یہ بارگاہ رحمۃ للعالمینی ہے اس لئے امید قوی ہے کہ اس قسم کی بے ادبی کا لحاظ نہ ہوگا۔ اب رہا یہ کہ صاحب قاموس مجدالدین فیروز آبادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جن درودوں کی تعلیم حضرتؐ نے کی ہے اس میں لفظ سیدنا نہیں ہر چند تواضعاً یہ لفظ نہ فرمایا ہوگا مگر تاہم امتثال امر اولیٰ ہے ۔ اور اسی طرح شیخ اسنویؒ نے لفظ سیدنا کی زیادتی میں اس وجہ سے تردد کیا ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس مسئلہ کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ امتثال امر افضل ہے یا سلوک ادب ، امام سخاویؒ نے قول بدیع میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ادب بلفظ سیدنا شرعاً مطلوب ہے چنانچہ بہ روایت صحیحین ثابت ہے کہ **قوموا الی سید کم** خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اطلاق اس لفظ کا عموماً درست ہے ۔ پھر اگر یہ لفظ درود شریف میں زیادہ کیا جائے تو امتثال امر میں کوئی نقصان لازم نہ آئے گا ۔ اور ایک ایسے امر واقعی کا بیان ہوگا جس میں ادب ملحوظ ہے اس لئے زیادتی اس لفظ کی افضل ہے ۔ **قال و قرأت بخط بعض محققی من اخذت عنه مانصه ان الادب مع من ذکر مطلوب شرعاً بذکر "السید" ففی الصحیحین قوموا الی سید کم ای سعد بن معاذ و سیادته بالعلم والدین ، و قول المصلین اللهم صل علی سیدنا محمدفیه الاتیان بماأمرنا به وزیادة الاخبار بالواقع الذی هوادب فهو افضل من ترکه فیما یظهر من الحدیث السابق وان ترددفی افضلیته الشیخ**

الاسنوی ذکر ان فی حفظه قدیماان الشیخ عزالدین بن عبدالسلام بناه علی ان الافضل سلوک الادب او امتثال الامر و الله المعین .

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر لفظ **سیدنا** زیادہ کیا جائے تو امتثال امر میں کس قدر فرق لازم آئے گا جس کی وجہ سے صاحب قاموس نے اس لفظ کو ترک کرنا مناسب سمجھا ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ مقصود درود شریف کے پڑھنے سے یہ ہے کہ بارگاہ ربوبیت میں ظاہر کیا جائے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا گو اور خیر خواہوں میں ہم بھی شریک ہیں ورنہ خود حق تعالیٰ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ صلوۃ بھیجتا ہو تو ہماری دعا و صلوۃ کس شمار میں ہے۔

سوائے انبیاء کے کسی پر درود جائز نہیں

دوسرا یہ کہ اگر درود دعا ہی ہوتا تو ہر شخص پر درود پڑھنا درست ہوتا حالانکہ کئی روایتوں سے کراہت اور ممانعت اس کی ثابت ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر درود پڑھنا نہیں چاہئے۔ اور ایسا ہی سفیان ثوریؒ بھی اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی عامل کو لکھا کہ قصہ گویوں نے بادشاہوں اور امیروں پر درود بھیجنا ایجاد کیا ہے ان کو حکم کردو کہ صلوۃ خاص انبیاء پر پڑھا کریں اور عام مسلمانوں کے حق میں دعا کریں چنانچہ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے:

عن ابن عباس قال ماا علم الصلوة ینبغی علی احد من احد إلا علی النبی صلی الله علیه و سلم ولکن یدعی للمسلمین و المسلمات اخرجه ابن ابی شیبة و اسمعیل القاضی فی احکام القرآن و الصلوة النبویة له والطبرانی و البیهقی و سعد بن منصور و عبدالرزاق بلفظ لاینبغی الصلوة من أحدعلی احد الا علی النبی صلی الله علیه و سلم ، ورجاله رجال الصحیح و قال سفیان الثوری یکره ان یصلی علی غیرالنبی صلی الله علیه و سلم . اخرجه البیهقی ، و فی روایة اخرجها هو و

عبدالرزاق ایضاً یکره ان یصلی إلا علی نبی ، وجاء عن عمر بن عبدالعزیز فیما رویناه فی فضل الصلوة لاسمعیل القاضی و احکام القرآن له من طریق إبی بکر بن ابی شیبة باسناد حسن ان عمر کتب : امابعدفان ناسامن الناس قدالتمسوا عمل الدنیا بعمل الآخرة وان ناسامن القصاص قداحدثوافی الصلوة علی خلفائهم وامرائهم عدل صلوتهم علی النبی صلی اللہ علیه و سلم فاذاجاءک کتابی فمرهم ان تکون صلوا تهم علی النبیین خاصة و دعاؤهم للمسلمین عامة ویدعواماسوی ذلک انتهیٰ

اور یہ بھی قول بدیع ہی میں لکھا ہے قال البیهقیؒ عقب حدیث ابن عباسؓ و قول الثوری بالمنع ما نصه و انماارادوا واللہ اعلم اذاکان علی وجه التکریم عند ذکره تحیته فانما ذلک للنبی صلی اللہ علیه و سلم خاصة ، فامااذاکان ذلک علی وجه الدعاء والتبرک فانه ذلک جائز لغیره انتهیٰ هذا عبارته فی الشعب و قال نحوه فی السنن الکبری .

یعنی بیہقیؒ نے شعب الایمان اور سنن کبری میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری سے غیر انبیاء پر درود کی ممانعت جو مروی ہے مقصود اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تکریم وتحیت نہ چاہئے کہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، اگر بطور دعا وتبرک ہوتو کچھ مضائقہ نہیں انتہیٰ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلوۃ جو مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے وہ صرف دعا نہیں جس سے حضرتؐ کی بھلائی مقصود ہو۔ بلکہ مقصود اس سے ہماری بھلائی ہے اور فائدہ اس کا ہماری طرف ہی عود کرتا ہے چنانچہ امام فاکہانیؒ نے الفجر المنیر فی الصلوۃ علی البشیر النذیر میں لکھا ہے :

فان قلت اذاکان اللہ صلی علیه فمافائدة طلب الحاصل و ایجاد الموجود قلت صلوتنا علیه صلی اللہ علیه و سلم عبادة لنا و زیادة حسنات فی أعمالنا و ترقی البرکات المبثوثة فینا المنزلة علینا یعنی اگر کوئی کہے کہ جب حق تعالیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجتا ہے تو پھر دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت پر صلوۃ بھیجے اس سے کیا فائدہ یہ تو

تحصیل حاصل اور ایجاد موجود ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ صلوۃ طلب کرنا ہمارے لئے عبادت ہے جس سے اعمال ناموں میں ہماری زیادتی حسنات کی ہو اور ہم پر برکات نازل ہوں ۔ اسی طرح ابن حجر ہیثمیؒ نے درمنضود میں لکھا ہے **فان جميع فائدتها للمصلى لدلالتها على وضوح العقيدة و خلوص النية و اظهار المحبة و المداومة على الطاعة و الاحترام للواسطة الكريم فهى محبة له و توقيره من اعظم شعب الايمان لمافيها من اداء شكره الواجب علينا بعظيم منّة علينا بنجاتنا من الجحيم و فوزنا بالنعيم المقيم** یعنی فائدے درود شریف کے درود پڑھنے والے کے لئے ہیں اس لئے کہ اس سے حسن اعتقاد اور خلوص نیت معلوم ہوتا ہے اور اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ ہم محبت اور اطاعت اور احترام میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگرم ہیں جو مکرم واسطہ ہیں ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں اور اس سے محبت و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی جاتی ہے جو ایک بڑا شعبہ ایمان کا ہے کیونکہ اس سے حضرتؐ کے احسانوں کی شکر گذاری ہوتی ہے جو ہم پر ثابت ہیں ۔ انتہیٰ ۔

الحاصل مقصود درود شریف سے اپنی بہبودی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہوں اور دعا گویوں میں شریک ہوکر مغفرت ذنوب کا استحقاق حاصل کریں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **اكثروا الصلوة علىّ فان صلٰوتكم علىّ مغفرة لذنوبكم ، الحديث ابن عساكر عن الحسن بن على ت ك عن ابى هريرة رواه فى كنز العمال** ترجمہ: ابن عساکر نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے اور ترمذی و حاکم نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھ پر تم زیادہ درود پڑھو اس لئے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہارے گناہوں کی مغفرت ہے ۔ انتہیٰ ۔ جب مقصود یہ ٹھہرا تو جس قدر ثنا و صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درود شریف میں کی جائے بے موقع نہ ہوگی ، مؤید اس کی یہ حدیث شریف بھی ہوسکتی ہے **قال النبى صلى الله عليه وسلم انكم تعرضون علىّ بأسمائكم و سيماكم فاحسنوا الصلوة علىّ**

عبدالرزاق عن مجاهد مرسلا صحیح کذافی کنز العمال ترجمہ: مجاہدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ پیش کئے جاتے ہو مجھ پر ناموں اور علامتوں کے ساتھ اس لئے اچھی طرح سے مجھ پر درود بھیجا کرو یہ روایت صحیح ہے۔انتہیٰ۔

الحاصل لفظ سیدنا کی زیادتی میں اس اعتبار سے تو کوئی تقصیر لازم نہیں بلکہ من وجہ مقصود کی تائید ہی ہوگی۔ ہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو الفاظ زبان مبارک سے نکلے تھے ان میں فرق پڑ گیا۔مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امتثال امر میں کوئی بے اعتنائی ہوئی ہو۔اس لئے کہ جتنے الفاظ کہنے کا ارشاد ہوا تھا اس زیادتی سے ان میں کوتاہی نہ ہوئی۔ اگر کہا جائے کہ خاص ان الفاظ کی برکت اس میں نہ ہوگی تو ہم کہیں گے کہ اس برکت کے لئے وہ الفاظ بعینہا موجود ہیں اگر صرف اس لفظ زائد میں وہ برکت نہیں تو ادب و تعظیم و توقیر جو اس لفظ سے معلوم ہوتی ہے خالی از برکت نہ ہوگی، اور اس وجہ سے کہ مقصود اس لفظ سے ادب ہے تو اس کے زیادہ کرنے میں کوئی محل تردد نہیں، اس لئے کہ جہاں قطعاً امتثال امر میں کوتاہی لازم آتی تھی صدیق اکبر اور علی رضی اللہ عنہما نے ادب ہی کو ترجیح دی جس کا حال ابھی معلوم ہوا تو پھر یہاں ادب کے اختیار کرنے میں کیا کلام۔ بأدنی تامل یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اولین و آخرین بلکہ تمام عالم کا سردار بنادیا ہے جس کی خبر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو ہم کو بھی چاہئے کہ اس سیادت کا اقرار ہر وقت حق تعالیٰ کے روبرو یعنی بحضور قلب کیا کریں، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان حشر میں حق تعالیٰ کے روبرو عرض کریں گے بلکہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا القا ہوگا۔ چنانچہ کنز العمال میں مسند امام احمد اور دارمی اور ابن راہویہ اور حارث اور ابویعلیٰ اور ابوعوانہ اور صحیح ابن حبان وغیرہ کتب حدیث سے ایک روایت طویل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس میں اس کی تصریح ہے **فیفتح اللہ علیہ من الدعاء شیئالم یفتحہ علی بشر قط فیقول ای رب خلقتنی سید ولد آدم ولافخر الحدیث** یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و

سلم شفاعت کی اجازت لینے کا قصد فرمائیں گے اس وقت حق تعالیٰ ایک ایسی دعا کا الہام حضرت کو فرمائے گا کہ کسی کو وہ الہام نہ ہوا ہو عرض کریں گے ''اے رب تو نے مجھے سردار بنی آدم کا پیدا کیا اور کچھ فخر نہیں'' وغیرہ وغیرہ اس سے اور ایک بات معلوم ہوئی کہ سیادت حضرتؐ کی تخلیق ہی کے وقت ملحوظ تھی۔ جو لفظ خلقتنی سے ظاہر ہے، پھر اس سیادت کا کون انکار کر سکے۔ الحاصل لفظ سیدنا سے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی تعظیم مقصود ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے **کما قال تعالیٰ وتعزّروہ و توقروہ** اس میں کسی مسلمان کو کلام کی گنجائش نہیں۔

جس کا نام محمد ہو اس کی تعظیم

بطفیل حضرت ﷺ کے اس شخص کی تعظیم کی ضرورت ہے جس کا نام محمد ہو جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذاسمیتم محمداً فلاتضربوہ ولاتحرموہ رواہ البزار** ترجمہ: روایت ہے ابی رافع سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس کو مت مارو اور مت محروم کرو۔ انتہیٰ۔ **وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذاسمیتم الولدمحمدافاکرموہ واوسعوا لہ فی المجلس ولاتقبحوالہ وجھاخط** ترجمہ: روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی بزرگی کرو اور مجلس میں اس کے لئے جائے کشادہ کرو اور مت کرو اس کی مذمت اور توہین انتہیٰ **وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذاسمیتم محمدا فلاتخیبوہ و لاتحرموہ ولا تقبحوہ بورک فی محمد و فی بیت فیہ محمد و بمجلس فیہ محمد رواہ الدیلمی**. ترجمہ: روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس کو بے نصیب اور محروم مت کرو برکت دی گئی ہے محمد میں اور اس گھر میں جس میں محمد ہو اور جس مجلس میں محمد ہو انتہیٰ **وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تسمون**

محمداً ثم تسبونه رواه عبدبن حمید ترجمہ روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ نام محمد رکھتے ہو پھر اس شخص کو گالیاں دیتے ہو **و عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تسمون اولاد کم محمداً ثم تلعنونهم البزار ع ک** ترجمہ: روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو پھر ان پر لعنت کرتے ہو انتہیٰ یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔

الحاصل ان روایتوں سے ثابت ہے کہ علاوہ نام مبارک کی بزرگی کے جس شخص کا وہ نام رکھا جائے اس شخص کی بزرگی اور اس سے ادب کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اب بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نام والے کی بزرگی کیوں کی جائے اگر نام کی توہین کا لحاظ ہے تو صرف نام لے کر بدگوئی کرنا ممنوع ہوتا تا کہ ابہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ **عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی قال نظر عمر بن الخطاب إلی ابی عبدالحمید و کان اسمه محمداً و رجل یقول له فعل اللہ بک و فعل و جعل یسبه فقال عندذلک یا ابن زیداُدن منی الاٰاری محمداً یسب بک واللہ لاتدعی محمدا مادمت حیا و سماہ عبدالرحمٰن ثم ارسل الی بنی طلحة و هم یومئذ سبعة و اکبرهم و سیدهم محمد بن طلحة فاراد أن یغیر اسمه فقال محمد بن طلحة یا امیر المؤمنین انشدک اللہ ان سمانی محمدا الا محمد فقال عمر قوموا فلاسبیل الی شیئ سماہ محمد صلی اللہ علیه و سلم ابن سعد حم و ابو نعیم فی المعرفة ذکره فی کنز العمال** ترجمہ: روایت ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص ابی عبدالرحمٰن کو جن کا نام محمد تھا۔ سخت سست کہہ رہا ہے ان کو اپنے نزدیک بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ محمد تمہاری وجہ سے گالیاں دیئے جاتے ہیں قسم خدائے تعالیٰ کی آج سے تم بنام محمد کبھی نہ پکارے جاؤ گے اور ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا پھر فرزندان طلحہ کو بلوایا جن میں بڑے فرزند کا

نام محمد تھا اس غرض سے کہ ان کا بھی نام بدل دیں محمد بن ابی طلحہ نے کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام محمد رکھا ہے فرمایا جب حضرت نے یہ نام رکھا ہے تو اس کے بدلنے کی کوئی سبیل نہیں اور ان کو اجازت دی انتہی ۔

اگرچہ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کا گالیاں دیئے جانا گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس شخص نے نام لے کر گالیاں نہیں دیں جس میں شائبہ توہین نام کا ہوتا اس نے تو خطاب کر کے فعل اللہ بک وفعل کہا تھا نہ یہ کہ فعل اللہ بمحمد وفعل اگر باوجود ان کی حضوری کے نام لے کر یہ کہتا تو عمر رضی اللہ عنہ بے سزاء دیئے اس کو کبھی نہ چھوڑتے ، بہر حال عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ملال جو ہوا سو اس شخص ہی کی توہین سے ہوا اور مذکورہ احادیث سے بھی ثابت ہے کہ اس نام والے کی تعظیم وتوقیر چاہئے کیونکہ اس کو مجلس میں کشادہ جگہ دینا اور محروم نہ کرنا ذات سے متعلق ہے، نام سے ان امور کو کچھ تعلق نہیں ۔نہیں معلوم اس قدر شرافت اس شخص کی ذات میں کہاں سے آ گئی کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ذات میں سرایت کر جائے وہ تو ایک لفظ ہے جو زبان پر جاری ہوتا ہے مسمی سے اس کو کیا علاقہ ، پھر اس نام کی شرافت عقلاً ثابت ہونا دشوار ہے، جب خود اس نام کی شرافت ثابت نہ ہو سکے تو دوسرا شخص اس نام کی وجہ سے کیونکر مشرف ومکرم ہو سکے گا۔مگر چونکہ اسباب میں صراحۃً حدیثیں وارد ہوگئیں تو اہل ایمان سے پھر یہ کب ہوسکتا ہے کہ ارشاد کے مقابلہ میں عقل کی سنیں ، ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مان لیا پھر اگر وہ مطابق عقل کے بھی ہے تو فبہا ، ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کر دیا۔غرض کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس کا مکرم ہونا شارع علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہے۔

تعظیم وبرکت نام مبارک

اب نام مبارک کی برکت کو دیکھئے **وفی الحلیة لأبی نعیم عن وهب بن منبه قال كان رجل عصى الله مائة سنة ای فی بنی اسرائیل ثم مات فاخذوه فالقوه فی مزبلة**

فأوحی اللہ تعالیٰ إلی موسیٰ علیه الصلوة و السلام ان اخرجه فصل علیه قال یارب ان بنی اسرائیل شهدوا إنه عصاک مائة سنة فأوحی اللہ الیه هکذا إلا انه کان کلما نشر التوراة و نظر الی اسم محمد صلی اللہ علیه و سلم قبله و وضعه علی عینیه فشکرت له ذلک و غفرت له وزوجته سبعین حورا انتهیٰ ذکره فی سیر الحلبی ترجمہ: وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہگار تھا جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی ۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کو لوگوں نے کسی مزبلہ میں پھینک دیا جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی ۔ ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس شخص کو وہاں سے نکال لاؤ اور اس پر نماز پڑھو، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص سو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا، ارشاد ہوا یہ سچ ہے لیکن اس کی عادت تھی کہ جب توریت کو کھولتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دیکھتا تو بوسہ دے کر اس کو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا اس لئے میں نے اس کی شکر گزاری کی اور اس کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں ۔ انتہیٰ ۔

اب یہاں کس کس چیز کا بیان کیا جائے اگر ان بزرگوار کی بیبا کی کو دیکھئے تو موسیٰ علیہ السلام کے سے نبی کے وقت میں عمر بھر نافرمانی کر کے ایمان سلامت لے جانا بغیر کسی تائید باطنی کے ایک امر خطرناک ہے اور اگر خوش اعتقادی کو سوچئے تو باوجود اس ظاہری بیگانگی اور معاصی کے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ ایسے عملوں کے ساتھ اس قسم کے ادب سے کیا ہوگا اور سابقہ ازلی کی طرف نظر بڑھائی جائے تو کیسا مقبول ذریعہ قائم کیا گیا کہ سو برس کے گناہ ایک طرف رکھے رہے اور اس سے وہ کام نکالا گیا کہ تمام عمر کی جانفشانی سے نکلنا دشوار ہو ۔ اگر اس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والا عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوالینا اسی کا کام تھا غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گذشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرا دے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی ۔ اس پر بھی اگر ہم نام مبارک کو دیکھ کر اور سن کر کبھی بوسہ نہ

لیں تو اتنا ضرور چاہئے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔

تقبیل وقت سماع نام مبارک

اگر فضل الٰہی شامل حال ہو اور ہم لوگ حضرتؐ کا نام مبارک سن کر تقبیل کیا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ برکات دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں چونکہ یہ مسئلہ اس زمانہ میں مختلف فیہ ہو رہا ہے اس لئے کسی قدر اس میں بحث کی جاتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ اہل انصاف کو اس سے حظ وافر نصیب ہوگا۔

تفسیر روح البیان میں قہستانی کی شرح کبیر اور محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب مؤذن **اشھدان محمد رسول اللہ** کہے تو سننے والے کو مستحب ہے کہ **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** کہے اور دوسرے بار میں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھے اور **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہہ کر یہ دعا پڑھے **اللھم متعنی بالسمع و البصر** ۔اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنے آنکھوں پر رکھے ،اور مضمرات میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے مشتاق ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کو ان کے دونوں ابہام کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمایا انہوں نے اس پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جب جبرئیل علیہ السلام نے یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا فرمایا حضرتؐ نے جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔ پوری عبارت تفسیر روح البیان کی یہ ہے:

قال القھستانی فی شرحہ الکبیر نقلاعن کنزالعباد اعلم یستحب ان یقال عند سماع الأولیٰ من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقال اللھم متعنی بالسمع و البصربعد وضع ظفرالابھامین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ و سلم یکون قائداً لہ الی الجنۃ انتھیٰ .

(**قال بعضهم**) پشت ابہامین برچشم مالیدہ ایں دعا بخواند: اللہم متعنی الخ و در صلوات نجمی فرمود کہ ناخن ہر دو ابہام را برچشم نہد بطریق وضع نہ بطریق مد، و در محیط آوردہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم بہ مسجد درآمد و نزدیک ستون بہ نشست وصدیق رضی اللہ عنہ در برابر آن حضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چون گفت اشہدان محمدا رسول اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ چوں بلال رضی اللہ عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند چنیں کہ تو کردی خدا بیامرزد گناہاں جدید و قدیم اورا، گر بعمد بودہ باشد و گر بخطا، و حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ درقوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد درآمد در دہئہ محرم و بعد اذاں کہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گرفت وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ و چوں بلال رضی اللہ عنہ را از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ اے ابا بکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے درگذارد گناہاں ویرا انچہ باشد نو و کہن خطا و عمد نہاں و آشکارا و من درخواستگیم جرایم ویرا۔ و در مضمرات بریں وجہ نقل کردہ:

و فی قصص الانبیاء وغیرها ان آدم علیه السلام اشتاق الی لقاء محمد صلی الله علیه و سلم حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالیٰ الیه هومن صلبک و یظهر فی آخر الزمان فسأل لقاء محمد صلی الله علیه و سلم حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالیٰ الیه فجعل الله النور المحمدی فی إصبعه المسبحة من یده الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الاصبع مسبحة کمافی الروض الفایق اواظهر الله تعالیٰ جمال حبیبه فی صفاء ظفری ابهامیه مثل المرآة فقبل آدم ظفری ابهامیه و مسح علی عینیه فصار أصلا لذریته فلما أخبر جبرئیل النبی صلّی الله علیه و سلّم

بهذه القصة قال عليه السلام من سمع اسمى فى الأذان فقبل ظفرى ابهاميه و مسح علـى عينيه لم يعم أبدا قال الإمام السخاوى فى المقاصد الحسنة ان هذا الحديث لـم يـصح فى المرفوع و المرفوع من الحديث هوما اخبرالصحابى عن قول رسول الله عليه السلام و فى شرح اليمانى ويكره تقبيل الظفرين و وضعهاعلى العينين لانه يـردفيـه حـديـث والـذى فيه ليس بصحيح انتهىٰ . يقول الفقير قد صح عن العلماء تـجـويـز الاخـذ بـالـحـديـث الـضعيف فى العمليات فكون الحديث المذكور غير مـرفـوع لايستـلـزم تـرک الـعـمـل بـمـضـمـونه و قداصاب القهستانى فى القول باستحبابه و كفانا كلام الامام المكى فى كتابه فانه قد شهدالشيخ السهروردیؒ فى عـوارف الـمـعـارف بوفور عمله و كثرة حفظه و قوة حاله و قبل جميع ما اورده فى كتابه قوت القلوب و لله در ارباب الحال فى بيان الحق و ترک الجدال انتهىٰ .

اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے حـديـث مسـح الـعيـنين ببـاطن انـملتى السبابتين بعد تقبيلهما عندسماع قول المؤذن اشهدان محمداً رسول الله مع قوله اشهدان محمداً عبده و رسوله رضيت بالله ربا وبالا سلام دينا و بمحمدصلى الله عـلـيـه و سلم نبياذكره الديلمى فى الفردوس من حديث ابى بكر الصديق انه لماسمع قـول الـمـؤذن اشهـدان محمداً رسول الله قال هذا و قبل باطن الانملتين السبابتين و مسـح عيـنيـه فـقـال صـلـى الله عـليه و سلم من فعل مثل مافعل خليلى فقدحلت عليه شـفـاعـتـى ولايـصـح و كـذامـا اورده ابـوالـعـبـاس احـمـد بن ابى بكر الرداداليمانى الـمنضوف فى كتابه موجبات الرحمة و عزائم المغفرة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عـن الـخضرعليه السلام انه من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهدأن محمداً رسول الله مـرحـبـا بـحبيبى و قرة عينى محمد بن عبدالله صلى الله عليه و سلم ثم يقبل ابهاميه

ویجعلهما علی عینیه لم یرمد ابدا، ثم روی بسندفیه من لم أعرفه عن اخیه الفقیه محمد بن البابافیما حکی عن نفسه انه هبت ریح فوقعت منه حصاة فی عینه و عیاه خروجهاو المته اشدالالم و انه لماسمع المؤذن یقول اشهدان محمداً رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاة من فوره ، قال الرداد وهذایسیرفی جنب فضائل الرسول صلی اللہ علیه و سلم و حکی الشمس محمد بن صالح المدنی امامها و خطیبها فی تاریخه عن المجد احد القدماء من المصریین انه سمع یقول من صلی علی النبی صلی اللہ علیه و سلم اذا سمع ذکره فی الأذان و جمع اصبعیه المسبحة والابهام و قبلهما و مسح بهما عینیه لم یرمد ابدا قال ابن صالح و سمعت ذلک ایضاً من الفقیه محمد بن الرزندی عن بعض شیوخ العراق اوالعجم . انه یقول عند مایمسح عینه صلی اللہ علیک یاسیدی یا رسول اللہ یاحبیب قلبی ویانور بصری ویاقرة عینی ، وقال لی کل منهما منذفعلته لم ترمدعینی ، قال ابن صالح و انا ولله الحمد و الشکر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عینی وارجوان عافتیهما تدوم وأنی اسلم من العمی انشاء اللہ . قال وروی عن الفقیه محمد بن سعید الخولانی قال اخبرنی الفقیه العالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید الحسینی اخبرنی الفقیه الزاهد البلالی عن الحسن علیه السلام انه قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشهدأن محمداً رسول اللہ مرحبا بحبیبی و قرة عینی محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیه وسلم و یقبل ابهامیه و یجعلهما علی عینیه لم یعم ولم یرمد ، وقال الطاؤسی انه سمع من الشمس محمد بن ابی نصرالبخاری خواجه حدیث من قبّل عندسماعه من المؤذن کلمة الشهادة ظفری ابهامیه و مسهما علی عینیه و قال عندالمس اللهم احفظ حدقتی و نورهما ببرکة حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و نور همالم یعم ولایصح فی المرفوع

من کل هذا شئ ۔انتھیٰ ۔

ترجمہ: روایت کی دیلمیؒ نے فردوس میں کہ جب ابوبکر صدیقؓ نے موذن سے اشہدان محمداً رسول اللہ سنتے تو کہتے اشھدان محمداً عبده و رسوله رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد صلى الله عليه و سلم نبيا اور بوسہ دیتے کلمہ کی انگلیوں کے باطن پر اور ملتے ان کو اپنی آنکھوں پر اور کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کرے جیسا کہ کیا خلیل نے میرے تو ثابت ہوگی اس کے لئے شفاعت میری، لیکن یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی اور ایسا ہی وہ روایت جس کو ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ میں خضر علیہ السلام سے ذکر کیا ہے کہ جو شخص مؤذن سے أشھدان محمداً رسول الله سن کر مرحبا بحبيبي و قرة عيني محمد بن عبدالله صلى الله عليه و سلم کہے پھر بوسہ دے انگوٹھوں پر اپنے اور رکھے ان کو آنکھوں پر تو اس کی آنکھوں میں رمد (آشوب چشم) کی بیماری کبھی نہ ہوگی ۔اس حدیث کی روایت میں بعض مجاہیل ہیں اور انقطاع بھی ہے، پھر روایت کی ابوالعباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد بن البابا سے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک کنکری ان کی آنکھ میں گری بہتیرا اس کو نکالا نہ نکلی اور شدت سے آنکھ میں درد ہونے لگا، جب مؤذن سے أشھدان محمداً رسول الله سنا حدیث مذکور پر عمل کیا فوراً آنکھ سے کنکری نکل پڑی، رداد کہتے ہیں کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اور شمس محمد بن صالح مدنی اپنی تاریخ میں مجدؒ سے جو قدمائے مصر میں سے ہیں حکایت کرتے ہیں کہ جو شخص نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان میں سن کر درود پڑھے اور انگشتان شہادت آنکھوں پر جمع کر کے ان پر بوسہ دے پھر ملے دونوں آنکھوں پر تو مرض رمد میں کبھی مبتلا نہ ہوگا ۔ابن صالح مذکور کہتے ہیں کہ فقیہ محمد بن الرزندی سے بھی میں نے ایسا ہی سنا ہے لیکن وہ روایت کرتے تھے بعض شیوخ عراق سے کہ آنکھوں پر انگوٹھے ملنے کے وقت کہتے تھے يا سيدى يا رسول الله يا حبيب قلبى و

یانور بصری و یاقرۃ عینی ۔ابن صالح کہتے ہیں کہ وہ دونوں شیخ کہتے تھے کہ جب سے ہم نے یہ شروع کیا ہے کبھی ہمیں آشوب چشم نہ ہوا۔اور الحمدللہ جب سے میں نے سنا ہے میرا بھی عمل اس پر جاری ہے اور مجھے بھی کبھی آشوب چشم نہ ہوا۔

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی ہو ضرور ہے کہ تدین میں اس کے کچھ نہ کچھ علت ہوگی۔سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں گستاخانہ انا خیر منه کہا اور ابدالاباد کے لئے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا اُسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا۔ کما قال ﴿ولاغوینهم اجمعین﴾ الأیة ۔اقسام کی تدابیر سوچیں مگر اس غرض کو پوری کرنے میں اس سے بہتر کونسی تدبیر ہوسکتی ہے جس کا تجربہ خود اسی کی ذات پر ہوچکا ہے، یعنی دعویٰ انانیت اور ہمسریٔ بزرگان دین۔

بے ادبی کی ابتداء

جب دیکھا کہ اگر گستاخی اور بے ادبی کو مردود بنانے میں نہایت درجہ کا اثر اور کمال ہے اس لئے ﴿ ان انتم الابشر مثلنا﴾ کی عام تعلیم شروع کردی چنانچہ ہر زمانہ کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی کہا کئے ،اب اس کلام کو دیکھئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو انا خیر منه میں تھی ۔اور اگر کسی قدر فرق ہے تو وہ بھی بے موقع نہیں ۔ کیونکہ تابع ومتبوع کی ہمتوں میں اتنا فرق ضرور ہے جس پر تفاوت درجات و درکات مرتب ہو ۔غرض کہ انبیاء علیہم السلام نے ہزارہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی ، پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہوئے ان سے کسی قدر اُس کو مایوسی ہوئی ۔ کیونکہ اُن سے تو وہ بیبا کی نہیں ہوسکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی ، یہاں اس فکر کی ضرورت ہوئی کہ وہ چیز دکھائی جائے جو دین میں بھی محمود ہو آخر یہ سونچا کہ راست گوئی کے پردہ میں یہ مطلب حاصل ہوسکتا ہے ۔بس یہاں سے دروازہ بے ادبی کا کھول دیا ۔اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں

آراستہ کر کے احمقوں کے فہم میں ڈال دیتا ہے اور کچھ ایسا بیوقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت وتوقیر کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام کا اندیشہ، چنانچہ کسی بیوقوف نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ جو یہ مال بانٹتے ہیں اس میں عدل و انصاف کیجئے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و ھو یقسم قسما اذ اتاہ ذوالخویصرۃ و ھورجل من بنی تمیم فقال یارسول اللہ اعدل ! فقال و یلک و من یعدل اذ الم اعدل قدخبت و خسرت ان لم اکن اعدل ، فقال عمرؓ یا رسول اللہ ائذن لی فیہ فاضرب عنقہ ، فقال دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلوٰتہ مع صلوٰتھم و صیامہ مع صیامھم یقرؤون القرآن لایجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کمایمرق السھم من الرمیۃ ینظرالی نصلہ فلایوجدفیہ شئ ثم ینظر الی رصافہ فلایوجدفیہ شئ ثم ینظرالی نضیہ وھو قدحہ فلایوجد فیہ شئ ثم ینظر اِلی قذوہ فل ایوجد فیہ شئ قدسبق الفرث والدم آیتھم رجل اسود احدی عضدیہ مثل ثدی المرأۃ اومثل البضعۃ تدردر ویخرجون حین فرقۃ من الناس : قال ابوسعید فاشھد انی سمعت ھذاالحدیث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و اشھدأن علی بن ابی طالب قاتلھم وأنا معہ ، فأمر بذلک الرجل فالتمس فأتی بہ حتی نظرت الیہ علی نعت النبی صلی اللہ علیہ و سلم الذی نعتہ .

ترجمہ۔ روایت ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے اور حضرت کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ آیا جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ اور کہا یا رسول اللہ عدل کیجئے حضرتؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو جب میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور جب میں نے عدل نہ کیا تو تو محروم اور بے نصیب ہو گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی

یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ اس کی گردن ماروں! فرمایا جانے دو۔ اس کے رفقاء ایسے لوگ ہیں کہ ان کی نماز اور روزوں کے مقابلہ میں تم لوگ اپنی نماز و روزوں کو حقیر سمجھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے کہ باوجودیکہ اس جانور کے پیٹ کی آلائش وخون میں سے پار ہوتا ہے مگر نہ اس کے پیکاں میں کچھ لگا ہوتا ہے نہ اس کے بدن میں جس سے پیکاں باندھا جاتا ہے، نہ لکڑی میں نہ پر میں۔ نشانی ان کی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیہ فام ہوگا جس کی ایک بازو مثل عورت کی پستان کے یا مثل گوشت پارہ کے حرکت کرتی ہوگی۔ وہ لوگ اس وقت نکلیں گے جب لوگوں میں تفرقہ ہوگا۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس حدیث کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے ان لوگوں کو قتل کیا اور میں بھی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انہوں نے بعد فتح کے حکم کیا کہ اس شخص کی تلاش کی جائے جس کی خبر حضرتؐ نے دی تھی، چنانچہ جب اس کی لاش لائی گئی دیکھا میں نے کہ جتنی نشانیاں اس کی حضرتؐ نے کہی تھیں سب اس میں موجود تھیں انتہیٰ۔

الحاصل شیطان نے اس احمق کے ذہن میں یہی جمایا کہ عدل بیشک عمدہ شئے ہے اگر صاف صاف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کہہ دیا جائے تو کیا مضائقہ، اس بیوقوف نے یہ نہ خیال کیا کہ بات تو چھوٹی ہے۔ مگر بہ نسبت شان نبوی کتنی بڑی بے ادبی ہوگی اور انجام اس کا کیا ہوگا، چنانچہ اس بے ادبی پر واجب القتل ہوگیا تھا۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے اپنے تمام مشربوں کے ساتھ مارا جائے۔ اس لئے باوجود عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست کے اُس وقت اغماض فرمایا، چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے:

عن نبیط بن شریط قال لما فرغ من قتال اهل النهروان قال قلّبوا القتلی! قلبنا هم حتی خرج فی آخر هم رجل اسود علی کتفه مثل حلمة الثدی فقال علی : الله

اکبر واللہ ماکذبت ولاکذبت کنت مع النبی صلی اللہ علیہ و سلم و قد قسم فجاء ھذا فقال یا محمدؐ اعدل فواللہ ما عدلت منذ الیوم فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم ثکلتک امک ومن یعدل علیک اذا لم اعدل ! فقال عمر بن الخطاب : یارسول اللہ الااقتلہ ؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم ، لا دعہ فان لہ من یقتلہ ، فقال صدق اللہ . خط کذا فی کنزالعمال ترجمہ روایت ہے عبیط بن شریط سے کہ جب فارغ ہوئے علی رضی اللہ عنہ اہل نہروان کے قتل سے ، کہا کشتوں میں اس شخص کو تلاش کرو ، جب ہم نے خوب ڈھونڈا تو سب کے آخر میں ایک شخص سیہ فام نکلا جس کی شانہ پر ایک گوشت پارہ مثل سر پستان کے تھا ، یہ دیکھتے ہی علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اکبر قسم ہے خدا کی نہ مجھے جھوٹی خبر دی گئی نہ میں اس کا مرتکب ہوا ، ایک بار ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم عدل کیجئے کہ آج آپ نے عدل نہیں کیا ۔ حضرتؐ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر رووے جب میں عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ کیا اس کو قتل نہ کروں ؟ فرمایا نہیں چھوڑ دو اس کو قتل کرنے والے کوئی اور شخص ہیں ۔ علی نے یہ کہہ کر کہا صدق اللہ ۔ انتہیٰ ۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے وہی شخص قتل کیا گیا اس لئے کہ اس کی لاش سب لاشوں کے نیچے تھی ۔ اب دیکھئے کہ اس ایک گستاخی نے اس شخص کو کہاں پہنچا دیا اور وہ کثرت عبادت اور ریاضت اس کی کس کام پر آئی ۔ جس کی تصریح اس حدیث میں ہے **عن أبی برزۃ قال أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بدنانیر فجعل یقسمھا و عندہ رجل اسود مطموم الشعر علیہ ثوبان ابیضان بین عینیہ اثر السجود و کان یتعرض لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فلم یعطہ فأتاہ فعرض من قبل وجھہ فلم یعطہ واتاہ من قبل یمینہ فلم یعطہ شیئاً ثم اتاہ من قبل شمالہ فلم یعطہ شیئا ثم اتاہ من خلفہ فلم یعطہ**

شیئاً ، فقال یامحمد ما عدلت منذ الیوم فی القسمة ، فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم غضبا شدیداً ثم قال واللہ لاتجدون احداً أعدل علیکم منی ثلاث مرات ثم قال یخرج علیکم رجال من قبل المشرق کان ھذا، منھم ھکذایقرؤون القراٰن لایجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیّة ، ثم لایعودون الیہ ووضع یدہ علی صدرہ سیما ھم التحلیق لایزالون یخرجون اٰخر ھم مع المسیح الدجال فاذا رأیتموھم فاقتلوھم . ثلاثا . ھم شرالخلق والخلیقة یقول لھاثلاثا . حم ن وابن جریر طب ک کذافی کنزالعمال۔

ترجمہ: روایت ہے ابی برزہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہیں سے دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے تھے اس کو تقسیم فرمانا شروع کیا اور حضرتؐ کے پاس ایک شخص سیہ فام تھا سر کے بال کترایا ہوا اور سفید کپڑے پہنا ہوا جس کے دونوں آنکھوں کے بیچ میں اثر سجدہ کا نمایاں تھا، چاہتا تھا کہ حضرتؐ کچھ عنایت فرمادیں مگر کچھ نہ دیا۔ روبرو آ کر سوال کیا کچھ عنایت نہ فرمایا، داہنے طرف سے آ کر سوال کیا جب بھی کچھ نہ ملا، بائیں طرف سے آ کر مانگا کچھ نہ ملا، پیچھے سے آ کر سوال کیا جب بھی کچھ نہ پایا، کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج آپ نے تقسیم میں عدل نہ کیا۔ حضرتؐ اس بات پر بہت خفا ہوئے اور شدت غضب سے تین بار فرمایا خدا کی قسم مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا تم کسی کو نہ پاؤ گے، پھر فرمایا: یہ ان لوگوں سے ہے جو تم پر مشرق کے طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پھر نہ لوٹیں گے دین کی طرف اور دست مبارک سینہ پر رکھ کر فرمایا نشانی اُن کی یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کریں گے۔ ہمیشہ وہ لوگ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ آخر دجال کے ساتھ ہوں گے پھر تین بار فرمایا کہ جب تم ان کو دیکھو تو قتل کر ڈالو وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔ یہ جملہ تین بار فرمایا، روایت کیا اس کو امام احمد اور نسائی اور ابن جریر اور طبرانی اور حاکم نے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوۃ سے پیشانی میں اس کے گھٹا پڑ گیا تھا، غرض کہ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال جو واجب القتل اور بدترین مخلوقات ٹھہرے وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور گستاخ طبعی کے اور کوئی نہ نکلے گی۔

خوارج کی بے ادبی اوران کا حال

اب اس قوم کا حال سنئے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے ادب کے اصحاب فرمایا ہے۔ ابن اثیرؒ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ابتداء اس گروہ یعنی خوارج کی یہ ہوئی کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں تو طرفین سے ہزارہا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین شہید ہوئے آخر یہ ٹھہرا کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد قرار پائیں جو موافق کتاب وسنت کے کوئی ایسی تدبیر نکالیں کہ لڑائی موقوف ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں، چنانچہ علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا۔ پھر اشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لے کر ہر ہر قبیلہ میں سنانا اور اس کا اشتہار دینا شروع کیا، جب قبیلہ بنی تمیم میں پہنچے عروہ بن اویہ تمیمی نے سنکر کہا کہ اللہ کے امر میں آدمیوں کو حکم بناتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حکم نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر اشعث بن قیس کے سواری کے جانور کو تلوار ماری اور اس پر سخت جھگڑا ہوا، جب علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی فرمایا بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے اگر وہ لوگ سکوت کریں تو ہم ان پر مصیبت ڈالیں گے اور اگر گفتگو کریں تو ان پر دلیل قائم کریں گے اور اگر مقابل ہوں تو ہم ان سے لڑیں گے، یہ سنتے ہی یزید بن عاصم محاربی اٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: حمد اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے جس سے ہم مستغنی نہیں ہوسکتے، یا اللہ پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے کہ اپنے دین میں دنائت اور کم ہمتی کو عمل میں لائیں، کیونکہ اس میں مداہنت ہے اللہ کے امر میں اور ذلت

ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اے علی رضی اللہ عنہ کیا ڈراتے ہو تم ہم کو قتل سے، آ گاہ رہو قسم ہے اللہ کی میں امید رکھتا ہوں کہ ماریں گے ہم تم کو تلواروں کی دھار سے، تب تم جانو گے کہ ہم میں سے کون مستحق عذاب ہے، پھر اس کے بھائی نکلے اور خوارج کے ساتھ مل گئے اسی طرح روز بروز جمعیت ان کی بڑھتی چلی، ایک روز سب عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر میں جمع ہوئے اور اس نے خطبہ پڑھا جس میں دنیا کے بے ثباتی اور خواہش دنیا کی خرابیاں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت بیان کی۔ پھر کہا کہ اس شہر کے لوگ ظالم ہیں ہمیں ضروری ہے کہ پہاڑوں یا دوسرے شہروں کے طرف نکل جائیں، تا کہ ان گمراہ کرنے والی بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے، اس کے بعد حرقوص ابن زبیر کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ لوگو متاع اس دنیا کی بہت تھوڑی ہے اور جدائی اس سے قریب ہے، کہیں زینت اور تازگی اس کی تمہیں اسی میں مقام کرنے پر آمادہ نہ کرے اور طلب حق اور انکار ظلم سے نہ پھیرے اور یہ آیت پڑھی ﴿**إن الله مع الذين اتقوا و الذين هم محسنون**﴾ یعنی اللہ تعالیٰ متقیوں کیساتھ ہے، اس خطبہ کے بعد حمزہ بن سنان اسدی نے کہا اے قوم رائے وہی ہے جو تم نے سوچی ہے، مگر اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک شخص مقرر ہو جو متولی تمامی امور کا ہو سکے، سب نے زید بن حصین طائی پر اتفاق کیا مگر اس نے امارت کو قبول نہ کیا۔ پھر حرقوص ابن زبیر پر سب کی رائے قرار پائی اس نے بھی انکار کیا، اسی طرح حمزہ بن سنان اور شریح ابن اوفی عبسی نے بھی انکار کیا۔ پھر سب نے عبداللہ بن وہب کی طرف رجوع کیا جب اس نے دیکھا کہ کوئی قبول ہی نہیں کرتا بجبوری قبول کیا اور کہا خدا کی قسم مجھے اس امارت کے قبول کرنے میں مطلقاً خواہش دنیوی نہیں اور نہ موت سے خوف ہے کہ اس سے باز رہوں، غرض کہ میں نے صرف اللہ کے واسطے قبول کیا ہے اگر اس میں مر جاؤں تو کچھ پروا نہیں۔ پھر سب شریح ابن اوفی عبسی کے گھر جمع ہوئے۔ اس مجلس میں ابن وہب نے کہا اب کوئی شہر ایسا دیکھنا چاہئے کہ ہم سب اسی میں جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کریں۔ کیونکہ اہل حق اب تمہیں

لوگ ہو، سب نے بالاتفاق نہروان کو پسند کیا اور روانہ ہوگئے، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو نامہ لکھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم طرف سے عبداللہ علی امیر المؤمنین کے زید بن حصین اور عبداللہ بن وہب اور ان کے اتباع کو، معلوم ہو کہ وہ دو حکم جن کے فیصلہ پر ہم راضی ہوئے تھے انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا اور بغیر اللہ کی ہدایت کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی جب انہوں نے قرآن وسنت پر عمل نہیں کیا تو اللہ اور اللہ کے رسول اور سب اہل ایمان ان سے بری ہوگئے۔ تم لوگ اس خط کے دیکھتے ہی ہماری طرف چلے آؤ تا کہ ہم اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف نکلیں اور اب ہم اپنی اسی پہلی بات پر ہیں انتہیٰ۔

اس نامہ کے جواب میں انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اب تمہارا غضب خدا کے واسطے نہیں ہے، اس میں نفسانیت شریک ہے۔ اب بھی اگر اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا ورنہ ہم نے تم کو دور کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا انتہیٰ۔

اب دیکھئے کہ وہ لوگ کیسے بڑے موحد تھے کہ جن کے نزدیک آدمی کو حکم بنانا شرک تھا اور بدعت سے انھیں کس قدر تنفر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہر کو اس خیال سے کہ بدعتیوں کا شہر ہے چھوڑ دیا اور دنیا کی بے ثباتی اور زہد وتقویٰ کی ترغیب وتحریص اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام اور امارت کے قبول کرنے میں ہر ایک کا عذر وحیلہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو شخص سُنے کمال دینداری پر اس گروہ کے گواہی دینے کو مستعد ہو جائے، اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خود صحابہؓ کو ان کی حقانیت کا دھوکا ہوتا تھا جیسا کہ جندب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ **عن جندب قال لما فارقت الخوارج علیا خرج فی طلبهم و خرجنا معه فانتهینا الی عسکر القوم فاذالهم دوی کدوی النحل من قراء ة القرآن واذافیهم اصحاب**

النقیات و اصحاب البرانس ، فلما رأیتهم دخلنی من ذلک شدة فتنحیت فرکزت رمحی و نزلت عن فرسی و وضعت برنسی فنشرت علیه درعی و اخذت بمقود فرسی ، فقمت اصلی الی رمحی و انا اقول فی صلاتی اللهم ان کان قتال هؤلاء القوم لک طاعة فأذن لی فیه وان کان معصیة فأرنی برأیک فأنا کذلک إذ أقبل علی بن ابی طالب علی بغلة رسول الله صلی الله علیه و سلم ، فلما جاء الی قال نعوذبالله یا جندب من شر السخط فجئت اسعی الیه و نزل فقام یصلی، إذ أقبل رجل فقال یاامیر المؤمنین ألک حاجة فی القوم ؟ قال وماذاک ؟ قال قطعوا النهر فذهبوا قال ماقطعوه ، قال سبحان الله ، ثم جاء اٰخر فقال قطعوا النهر فذهبو اقال ماقطعوه قال سبحان الله ، ثم جاء آخر فقال قد قطعوا النهر فذهبوا قال علی ماقطعوه ثم جاء اٰخر فقال قطعوا النهر فذهبوا فقال علی ما قطعوه ولایقطعوه ولیقتلن دونه عهد من الله و رسوله ، ثم رکب فقال لی یا جندب اما انا فابعث الیهم رجلا یقرأ المصحف یدعوالی کتاب ربهم و سنة نبیهم ، فلایقبل علینا بوجه حتی یرشقوه بالنبل ، یا جندب امانه لایقتل مناعشرة ولا ینجو منهم عشرة . ثم قال من یأخذ هذا المصحف فیمشی به الی هؤلاء القوم فیدعوهم الی کتاب الله و سنة نبیهم و هومقتول وله الجنة ، فلم یجبه إلاشاب من عامر بن صعصعة ، فقال له علی: خذهذا المصحف أمانک مقتول و لست مقبلا علینا بوجهک حتی یر شقوک بالنبل ، فخرج الشاب بالمصحف الی القوم فلما دنامنهم حیث یسمعوا قاموا ونشبوا الفتی قبل ان یرجع فرماه انسان فأقبل علینا بوجه فقعد فقال علی : دونکم القوم ، قال جندب فقتلت بکفی هذه ثمانیة قبل أن أصلی الظهر و ماقتل مناعشرة ولا نجامنهم عشرة کماقال . طس کذافی کنزالعمال۔

ترجمہ: روایت ہے جندب رضی اللہ عنہ سے کہ جب خوارج علیحدہ ہوگئے علی رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور ہم بھی ساتھ تھے جب ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے تو ایک شور قرآن شریف پڑھنے کا سنا گیا اور حالت ان کی یہ کہ تہمد بندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجہ کے زاہد و عابد نظر آتے تھے، ان کا یہ حال دیکھنے سے تو ان کا قتال مجھ پر نہایت شاق ہوا اور ایک طرف نیزہ گاڑھ کر ٹوپی اور زرہ اس پر لگا دیا اور گھوڑے سے اتر کر نیزہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا۔ اور اس میں یہ دعا تھی کہ الٰہی اگر اس قوم کا قتل کرنا تیری طاعت ہے تو مجھے اجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو مجھے اس رائے پر اطلاع ہو، ہنوز اس سے فارغ ہوا نہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا اے جندب رضی اللہ عنہ شّرِ نا رضامندی سے پناہ مانگو، میں یہ سنتے ہی ان کی طرف دوڑا اور وہ اتر کر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا یا امیر المؤمنین کیا آپ کو ان لوگوں سے کچھ حاجت ہے۔ فرمایا کیا بات، کہا وہ سب نہر سے پار ہو گئے یعنی اب ان کا تعقب مشکل ہے، فرمایا پار نہیں ہوئے اس نے کہا سبحان اللہ پھر دوسرا شخص آیا اور کہا کہ وہ لوگ نہر کے پار اتر گئے فرمایا نہیں، کہا سبحان اللہ پھر تیسرا شخص آیا ویسا ہی کہا اور وہی جواب پایا، پھر چوتھا شخص آیا اور وہی کہا اور فرمایا نہ وہ پار اترے اور نہ اتریں گے، اسی طرف سب قتل کئے جائیں گے۔ خدا و رسول کی طرف سے یہ بات ٹھہری ہوئی ہے۔ پھر سوار ہوئے اور فرمایا اے جندب میں ایک شخص ان کی طرف بھیجتا ہوں جو قرآن پڑھ کے ان کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت کی طرف بلائے دیکھ لینا کہ وہ شخص ہماری طرف متوجہ ہونے نہ پائے گا کہ اس کو تیروں سے ماریں گے۔ اب جندب ہم میں سے دس شخص نہ مارے جائیں گے اور ان میں سے دس آدمی نہ بچیں گے ۔ پھر فرمایا کوئی ہے کہ یہ مصحف اس قوم کی طرف لے جائے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت کی طرف بلائے اور مارا جائے پھر اس کے لئے جنت ہو۔ کسی نے جواب نہ دیا سوائے ایک جوان کے جو بنی عامر سے تھا فرمایا کہ یہ مصحف لے جاؤ اور تم لوٹ کے نہ آؤ گے۔ وہ جوان

قرآن لے کران کی طرف روانہ ہوا جب ایسے موقع پر پہنچا کہ اس کی آواز ان تک پہنچنے لگی وہ لوگ کھڑے ہوگئے اور تیر مارنا شروع کیا۔ قبل اس کے کہ وہ لوٹے ایک شخص کا تیر اس کے لگا، وہ جوان تیر کے لگتے ہی ہمارے لشکر کی طرف منہ کیا اور بیٹھ گیا، اس وقت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ اب اس قوم کو لو۔ جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قبل نماز ظہر اس ہاتھ سے آٹھ آدمیوں کو قتل کیا اور جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا کہ ہمارے دس آدمی شہید نہ ہوئے اور ان کے دس آدمی نہ بچے روایت کیا اس کو طبرانی نے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے جندب رضی اللہ عنہ پر اُن کے زہد و عبادت کا کس قدر اثر پڑا اُن کے ساتھ جنگ کرنے میں ان کو تردد ہوگیا تھا۔ اگر وہ تمام پیشین گوئیاں علی کرم اللہ وجہہ کی وقوع میں نہ آتیں معلوم نہیں کہ ملال اس کا کیوں کر رفع ہوتا۔ باوجود اس کے قتل کے بعد پھر اُن کے حالات کا سب کو خیال آیا۔ اور یہ فکر ہوئی کہ کہیں بہترین مردم ہمارے ہاتھ سے قتل نہ ہوئے ہوں، اور اس فکر نے یہاں تک اثر ڈالا کہ سب کے سب رونے لگے **كمافي كنزالعمال عن طارق بن زياد قال خرجنا مع علي الى الخوارج فقتلهم قال أطلبوا فان نبى الله صلى الله عليه و سلم قال انه يخرج قوم يتكلمون بكلمة الحق لايجاوزحلوقهم يخرجون من الحق كما يخرج السهم من الرمية سيماهم ان فيهم رجلاً اسود مخدج في يده شعرات أسود فانظروا ان كان هو فقد قتلتم شرالناس وإن لم يكن فقد قتلتم خيرالناس فبكينا ، فقال اطلبوا فطلبنا فوجدنا المخدج فخررنا سجودا وخرعليّ معنا. الدورقي و ابن جرير ۔**

ترجمہ روایت ہے طارق بن زیاد سے کہ نکلے ہم علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خوارج کی طرف اور ان کو قتل کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قریب ہے کہ ایک قوم نکلے گی جن کی بات حق ہوگی لیکن ان کے حلق کے نیچے سے وہ بات نہ اترے گی، نکل جائیں گے وہ لوگ حق سے جیسا کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ علامت ان کی یہ ہے کہ ان میں ایک

شخص سیہ فام ہوگا جس کا ہاتھ ناقص اوراس پر سیاہ بال ہوں گے اس کو ڈھونڈو اگر وہ شخص ان میں ہے تو سمجھ جاؤ کہ تم نے سب آدمیوں سے بدتر لوگوں کو مارا اور اگر وہ نہ ملا تو سمجھو کہ سب سے اچھے لوگوں کو تم نے قتل کیا، یہ سن کر سخت پریشانی ہوئی اور سب رونے لگے فرمایا ڈھونڈو تو سہی، جب خوب تلاش کی گئی تو اس شخص کی لاش مل گئی تمام اہل لشکر مارے خوشی کے سجدۂ شکر میں گرے اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ سجدۂ شکر بجالایا۔ انتہیٰ۔

اب خیال کرنا چاہئے کہ اُس قوم کا تقویٰ اور تورّع اور عبادت و زہد کس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بعد قتل کے ان حضرات کو اس قدر خوف ہوا، ورنہ یہی حضرات لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر قتل کرتے رہے جن میں ہزارہا صحابہ و تابعین شریک تھے، پھر کسی روایت میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ ان کے قتل میں ایسے متردد ہوئے ہوں، اس قوم کی عبادت کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے سے شخص کہتے ہیں کہ ایسے زاہد و عابد میں نے کبھی نہیں دیکھے' جیسا کہ اس حدیث میں مصرح ہے جس کو امام نسائیؒ نے خصائص علی کرم اللہ وجہہ میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے:

عن ابی زمیل سماک الحنفی قال حدثنا عبداللہ بن عباس قال لماخرجت الحرورية اجتمعوا فی دارهم ستة آلاف أتيت عليا عليه السلام فقلت يا أمير المؤمنين أبرد الظهرلعلی آتی هؤلاء القوم فأكلمهم ، قال انی اخاف عليک قلت : كلا قال فخرجت إليهم و لبست أحسن ما يكون من حلل اليمن ، قال ابوزميل كان ابن عباس جميلا جهيراً ، قال ابن عباس فاٰتيتهم وهم مجتمعون فی دار هم قائلون ، فسلمت عليهم فقالوا مرحبا بک يا ابن عباس فماهذه الحلة ؟ قال قلت ما تعيبون علیّ لقدرأيت علی رسول اللہ صلی اللہ عليه و سلم أحسن مايكون من الحلل و نزل " قل من حرم زينة اللہ التی اخرج لعباده والطيبٰت من الرزق " قالو ا فما حالک ؟ قلت اتيتكم من عند صحابة النبی صلی اللہ عليه و سلم من

المهاجرين والأنصار لأبلغكم ما يقولون و تخبرون بما تقولون ، فعليهم نزل القرآن وهم اعلم بمايوحى منكم و فيهم انزل و ليس فيكم منهم أحد فقال بعضهم لاتخاصموا قريشافان الله تعالىٰ يقول هم قوم خصمون قال ابن عباس و أتيت قوماً لم أُرقوماً قط أشداجتهادا منهم منهمة وجوههم من السهر كان ايديهم و ركبهم تنثنى ، عليهم قمص مرخصة فقال بعضهم لنكلمنه و لننظرن مايقول ، قلت : اخبرونى ماذا نقمتم على ابن عم رسول الله صلى الله عليه و سلم و صهره والمهاجرين و الانصار؟ قالواثلاثا قلت ما هن ؟ قالوا إمااحداهن فانه حكم الرجال فى أمر الله تعالىٰ و قال الله تعالىٰ "ان الحكم الالله " و ماللرجل ، وما للحكم وما للرجل ، فقلت هذه واحدة وأماالأخرة فانه قاتل ولم يسب و لم يغنم فلئن كان الذى قاتل كفاراً لقدحل سبيهم و غنيمتهم ولئن كانوا مؤمنين ما حل قتالهم ، قلت هذه ثنتان ، فما الثالثة ؟ قالواانه محى اسمه من اميرالمؤمنين فهو أميرالكافرين ، قلت اعندكم سوى هذا قالو احسبنا هذا ، فقلت بهم ارايتم ان قرأت عليكم من كتاب الله و من سنة نبيه صلى الله عليه و سلم مايردبه قولكم أترضون ؟ قالوا نعم ، فقلت لهم اماقولكم حكم الرجال فى امرالله تعالىٰ فأنااقرا عليكم ما قدر و حكمه الى الرجال فى ثمن ربع درهم فى ارنب و نحوها من الصيد ، فقال . " يآ يهاالذين اٰمنوا لاتقتلواالصيد وأنتم حرم . الى قوله تعالىٰ يحكم به ذواعدل منكم " فنشدتكم بالله أ حكم الرجال فى ارنب و نحوها من الصيد افضل ام حكمهم فى دمائهم و صلاح ذات بينهم ، وان تعلموا أن الله تعالىٰ لوشاء لحكم و لم يضرذلك الى الرجال ، و فى المرأة وزوجها قال الله عزوجل " و ان خفتم شقاق بينهما فابعثواحكما من اهله و حكما من اهلها ان يريدا اصلاحاً يوفق الله بينهما "

فجعل اللہ تعالیٰ حکم الرجال سنة ماضية ۔ أخرجت من هذه ، قالوا نعم قلت واما قولكم قاتل ولم يسب ولم يغنم أ تسبون امكم عائشة رضی اللہ عنها ثم تستحلون منها مايستحل من غيرها ، فلئن فعلتم فقد كفرتم وهی أمكم ، وإن قلتم ليست بأمنا لقد كفر تم ان اللہ تعالیٰ يقول "النبی اولی بالمؤمنين من انفسهم و ازواجه امهٰتم " فانتم تدورون بين ضلالتين أيهما صرتم إليها صرتم الی ضلالة ، فنظر بعضم الی بعض ، قلت أخرجت من هذه قالوا نعم . قلت اماقولكم محی اسمه من اميرالمؤمنين فأنا انبئكم بمن ترضون وأراكم قدسمعتم ان النبی صلی اللہ عليه و سلم يوم الحديبية كاتب سهل بن عمرو و اباسفيان بن حرب فقال رسول اللہ صلی اللہ عليه و سلم لأميرالمؤمنين اكتب يا علی هذاما اصطلح عليه محمد رسول اللہ فقال المشركون لا واللہ ما نعلم انک رسول اللہ لونعلم انک رسول اللہ ماقاتلناک فقال رسول اللہ صلی اللہ عليه و سلم اللهم انک تعلم أنی رسول اللہ اكتب يا علی "هذا مااصطلح عليه محمد بن عبداللہ " فواللہ لرسول اللہ خيرمن علیّ وماخرجه من النبوة حين محی نفسه ، قال عبداللہ بن عباس فرجع من القوم ألفان و قتل سائرهم علی ضلالة .انتهیٰ . قال الحاكم هذا حديث صحيح علی شرط مسلم ۔

ترجمہ: روایت ہے ابو زمیل سماک حنفی سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب نکلے حروریہ اور جمع ہوئے چھ ہزار شخص اپنے مقام میں ، علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ یا امیرالمومنین نماز ظہر میں کسی قدر توقف کیجئے میں چاہتا ہوں کہ اس قوم میں جاؤں اور ان سے کچھ گفتگو کروں ۔ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ تمہیں کہیں ضرر نہ پہنچائیں ، میں نے کہا کچھ خوف نہ کیجئے ، پھر میں عمدہ حلہ یمنی پہن کر نکلا ۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بہت خوبصورت اور بلند آواز تھے ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اس قوم میں گیا جہاں وہ سب جمع تھے اور ان پر

سلام کیا انہوں نے اس کے جواب میں کہا مرحبا اے ابن عباس اور یہ حلہ کیسا؟ میں نے کہا مجھ پر کیا عیب دھرتے ہو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے عمدہ سے عمدہ حلہ دیکھا ہے اور یہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے **قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق** یعنی کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کیا اپنے بندوں کے لئے، پھر میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس سے جن میں مہاجرین انصار موجود ہیں اس غرض سے آیا ہوں کہ تمہیں ان کے اقوال پہنچادوں، وہ لوگ وہ ہیں جن پر قرآن نازل ہوا اور وہ تم سے زیادہ وحی کو جانتے ہیں انہیں کے معاملات میں قرآن نازل ہوا اور ان میں سے تم میں کوئی نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو بعضوں نے کہا قریش سے مباحثہ مت کرو کیونکہ حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے۔ **ھم قوم خصمون** یعنی وہ لوگ جھگڑنے والے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایسی قوم میں گیا کہ عبادت میں کوشش کرنے والے ان سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا تھا چہرے ان کے زیادہ جگنے سے سوکھے سوکھے، ہاتھ پاؤں تیڑھے تیڑھے سفید کپڑے پہنے ہوئے غرض بعضوں نے مباحثہ سے انکار کیا اور بعضوں نے کہا کہ ہم مباحثہ کرتے ہیں دیکھیں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، میں نے کہا یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور داماد میں اور مہاجرین وانصار میں تم نے کیا عیب دیکھا ہے؟ کہا تین عیب، میں نے کہا وہ کیا؟ کہا ایک تو یہ کہ انہوں نے اللہ کے کام میں لوگوں کو حکم بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** یعنی نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ آدمی کو حکم سے کیا علاقہ؟ کہا دوسرا یہ کہ انہوں نے جنگ کیا پھر نہ ان لوگوں کو قید کیا نہ ان کا مال لوٹا اگر وہ لوگ کافر تھے تو ان کا مال حلال اور غنیمت تھا اور اگر مسلمان تھے تو ان کے ساتھ لڑنا ہی درست نہ تھا۔ کہا میں: دو ہوئے تیسری بات کیا ہے کہا انہوں نے اپنے نام سے لفظ امیر المؤمنین کو مٹادیا تو اب وہ امیر الکافرین ہیں۔ میں نے کہا اس کے سوائے بھی کچھ اور الزامات ہیں۔ کہا یہی بس ہیں۔ میں نے کہا اگر ان اعتراضات کے جواب میں قرآن کی آیتیں

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پڑھوں تو کیا تم راضی ہوگے؟ کہا ہاں ۔ میں نے کہا کہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے امر میں انہوں نے ان آدمیوں کو حکم بنایا سو یہ آیت سنو کہ حق تعالیٰ نے ربع درہم کے معاملہ کو آدمیوں کی رائے پر رکھا یعنی محرم اگر خرگوش برابر جانور کو شکار کرے تو اس کی جزاء میں جس کا اندازہ ربع درہم ہوگا دو شخص عدل کے حکم کی ضرورت ہے **کما قال تعالیٰ یآیھا الذین امنوا لا تقتلو الصید و انتم حرم الی قولہ تعالیٰ یحکم بہ ذوا عدل منکم** اب میں قسم دیکر تم سے پوچھتا ہوں کہ آدمیوں کا حکم ہونا خرگوش کے باب میں افضل ہے یا مسلمانوں کے خون اور ان کے اصلاح کے معاملہ میں ۔ اور تم جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس معاملہ میں خود ہی حکم فرماتا اور اسی طرح عورت اور مرد کے مقدمہ میں حکم بنانے کی اجازت اس آیۃ شریفہ سے ثابت ہے **قال تعالیٰ و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما** اس سے معلوم ہوا کہ آدمیوں کو حکم بنانا سنت جاریہ ہے کیا اس اعتراض کا جواب ہوگیا؟ کہا ہاں ، پھر میں نے کہا تم جو کہتے ہو کہ انہوں نے جنگ کیا مگر کسی کو قیدی نہ بنایا اور نہ غنیمت لی ، سو میں پوچھتا ہوں کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنالو گے اور ان سے حلال سمجھو گے جو اوروں سے حلال سمجھتے ہو؟ اگر اس کے قائل ہوئے تو کافر ہوگئے کیونکہ وہ تمہاری ماں ہیں ۔ اور اگر تم نے کہا کہ ماں نہیں ہیں تب بھی کافر ہوگئے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھٰتھم** اس صورت میں تم دو گمراہیوں میں سرگرداں رہوگے جس کو اختیار کیا گمراہ ہوئے ۔ یہ سنتے ہی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ، میں کہا اس اعتراض کا بھی جواب ہوگیا؟ کہا ہاں ، پھر میں نے کہا تم جو کہتے ہو کہ لفظ امیر المومنین کو مٹا دیا سو میں ان کے حال سے خبر دیتا ہوں جس سے تم راضی ہو جاؤ گے اور میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے بھی سنا ہوگا کہ جب حدیبیہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو اور ابوسفیان بن حرب کے ساتھ مصالحت کی اور صلحنامہ امیر المؤمنین کے ہاتھ لکھوایا ۔ فرمایا اے علیؓ **لکھو ھذا ما**

اصطلح علیه محمد رسول اللہ ان لوگوں نے کہا یہ نہ ہوگا، وہ نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ورنہ جنگ ہی نہ کرتے، حضرت ﷺ نے فرمایا یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں لکھو اے علی رضی اللہ عنہ **هذاما اصطلح علیه محمد بن عبداللہ** خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر ہیں علی رضی اللہ عنہ سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لفظ رسول اللہ کو مٹانے سے رسالت سے ہرگز نہیں نکلے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ تقریر سن کر دو ہزار شخصوں نے توبہ کی اور باقی اسی گمراہی پر مارے گئے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث سے ان کے عبادات اور خیالات کا حال معلوم ہوا، احتیاط کا یہ حال تھا کہ بات بات پر قرآن و حدیث سے دلیل طلب کی جاتی تھی اور رائے سے بالکل احتراز تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے **عن علی بن ابی ربیعة قال سمعت علیا علی المنبر و أتاه رجل فقال یاامیرالمؤمنین مالی اراک تستحل الناس استحالة الرجل ابله أبعهد من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم اوشیئا رأیته ، قال واللہ ماکذبت ولاکذبت و لاضللت ولاضل بی ، بل عهد من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم عهده الیّ وقدخاب من افتری عهدا الی النبی صلی اللہ علیه و سلم ان أقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین . البزارع کذافی کنزالعمال .** ترجمہ: روایت ہے علی ابن ابی ربیعہ سے کہ علی کرم اللہ وجہہ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا اے امیرالمؤمنینؓ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ آدمیوں کی خونریزی ایسی حلال سمجھ رہے ہیں جیسے کوئی اپنے اونٹوں کو ذبح کرتا ہے کیا کوئی وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس باب میں آپ کو ہوئی ہے یا آپ اپنی رائے سے یہ کام کرتے ہو؟ فرمایا قسم ہے اللہ کی کہ نہ میں جھوٹ کہا اور نہ مجھ کو جھوٹ خبر دی گئی اور نہ گمراہ ہوا نہ گمراہ کیا گیا اور بے نصیب ہے جو افتراء کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت کی کہ جو لوگ عہد شکنی کریں اور حق بات سے عدول کریں اور خروج کریں تو ان کے ساتھ جنگ کروں۔ انتہیٰ۔

اسی طرح دوسری روایت میں وارد ہے **عن الحسن قال لما قدم علی البصرۃ فی امر طلحۃ و اصحابہ قام عبداللہ بن الکوا و ابن عباد فقالا یا امیر المؤمنین اخبرنا عن مسیرک ھذا أوصیۃ اوصاک بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ام عھد عھدہ أم رأی رائیتہ. الحدیث رواہ ابن راھویہ و صحح کذافی کنزالعمال** ۔ترجمہ: روایت ہے حسن بصریؒ سے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے بارہ میں بصرہ کو تشریف لائے عبداللہ بن کوا اور ابن عباد کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے امیر المؤمنین خبر دیجئے کہ یہ آپ کا جانا کیسا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے یا اقرار لیا ہے یا صرف آپ کی رائے ہے۔انتہیٰ ۔

مقصود یہ کہ اگر رائے ہو تو ہم اتباع نہ کریں گے ۔ ان لوگوں کو رائے سے کچھ ایسا احتراز تھا کہ اس کو بالکل بے کار ہی کر دیا تھا، اسی وجہ سے بھانجے اور بھتیجوں کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح جائز رکھتے تھے اس لئے کہ قرآن شریف میں صرف لڑکیوں اور بھانجی بھتیجوں کی حرمت کا ذکر ہے ان کی اولاد کا ذکر نہیں ۔ یہ بات عبدالکریم شہرستانی نے الملل و النحل میں لکھی ہے، اور قرآن شریف پر عمل کرنے میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ جب تک نص قطعی سے کوئی بات ثابت نہ ہو کسی کی نہ مانیں یہاں تک کہ زانی کے رجم کے قائل نہ تھے اور نہ اس حدقذف کے قائل تھے جو محصن مرد کو کوئی گالی دے اس لئے کہ ان دونوں مسئلوں کا حکم صرف حدیث سے ثابت ہے صراحۃً قرآن شریف میں مذکور نہیں، کذا فی الملل والنحل ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ بات بات پر قرآن سے دلیل طلب کرتے ہیں تو تنگ ہو کر ایک بار قرآن منگوایا اور کہنے لگے اے قرآن ان لوگوں سے تو ہی بات کر **کما ورد عن عبداللہ بن عیاض بن عمرو الفارسی قال جاء عبداللہ بن شداد فدخل علی عائشۃ و نحن عندھا جلوس مرجعہ من العراق لیالی قتل علی ، فقالت لہ یا عبداللہ بن شداد ھل أنت صادق عما اسألک عنہ ، حدثنی عن ھولاء القوم الذین قتلھم علی ، قال**

ان علیا لما کاتب معاویة و حکم الحکمین علیه خرج علیه ثمانیة آلاف من قراء الناس فنزلوا ارضایقال لها حر ورا من اجانب الکوفة وانهم عتبوا علیه ، فقالوا انسلخت من قمیص البسک الله واسم سماک الله به ثم انطلقت فحکمت فی دین الله ولاحکم الاالله ، فلما بلغ علیا ما عتبوا علیه و فارقوه امر مؤذنا فاذن لایدخل علی امیرالمومنین الارجل قدحمل القرآن ، فلما ان امتلأت الدار من قراء الناس ، دعا بمصحف امام عظیم فوضعه بین یدیه فجعل یصکه بیده و یقول أیها المصحف حدث الناس فقالوا یا امیرالمؤمنین انسأل عنه فانما هومداد فی ورق و نحن نتکلم بمارویناعنه فماترید ؟ قال اصحابکم هؤلاء الذین خرجوابینی و بینهم کتاب الله . الحدیث حم والعدنی ع ک کر ص کذافی کنزالعمال ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عیاض سے کہ ایک بار عبداللہ بن شداد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے پوچھیں اے عبداللہ سچ بتاؤ کہ علی رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو قتل کیا ان کا حال کیا تھا کہا جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے صلحنامہ لکھا اور دو شخصوں کو حکم قرار دیا، آٹھ ہزار قاری قرآن علیحدہ ہوگئے اور حرورا میں جو ایک مقام ہے کوفہ کے گرد و نواح میں جا ٹھہرے اور علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ جو قمیص اللہ نے تمہیں پہنایا تھا اس کو تم نے نکالدیا اور جو لقب کہ اللہ کی طرف سے تمہیں ملا تھا اس کو تم نے مٹادیا اور اپنے ہاتھ سے آپ ہی معزول ہوگئے ، اور اللہ کے دین میں تم نے حکم بنایا حالانکہ حکم خاص اللہ کے لئے ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اعلان دیا کہ جو شخص امیرالمؤمنین کے پاس آئے قرآن ساتھ لیتے آئے ، جب دارالحکومت قاریوں سے بھر گیا مصحف امام کو منگوا کر روبرو رکھا اور اس کو مار مار کہنے لگے اے مصحف ان لوگوں سے بات کر۔ انہوں نے کہا اے امیرالمومنین ہم قرآن سے نہیں پوچھتے وہ تو سیاہی ہے کاغذوں میں ، ہم اس میں کلام کرتے ہیں جو ہم سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟ فرمایا یہ لوگ تمہارے ساتھ والے جو علیحدہ ہوگئے ہیں ان

کے اور میرے بیچ میں کتاب اللہ ہے۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور عدنی اور ابوالعلی اور حاکم اور ابن عسا کر نے۔انتہیٰ۔

قیاس کرنا چاہئے ان لوگوں نے دلائل پوچھ پوچھ کر علی رضی اللہ عنہ کو کس قدر دق کیا ہوگا کہ یہ حرکت ان سے صادر ہوئی۔ اور تنزیہ جناب باری میں ان لوگوں کو اس بلا کا احتیاط تھا کہ سورہ یوسف کو قرآن شریف سے اس لحاظ سے خارج کردیا کہ خدائے تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ عشق کا قصہ بیان کرے۔ اور عمل میں انکو اس قدر اہتمام تھا کہ مرتکب کبیرہ کو کافر اور مخلد فی النار اور صغیرہ پر اصرار کرنے والوں کو مشرک کہتے تھے، صاحب ملل ونحل نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ نماز کو ترک کرنے والا کافر ہے، نہ اس وجہ سے کہ نماز کو ترک کیا بلکہ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کو نہیں جانا کیونکہ اگر جانتا اور اعتقاد رکھتا کہ حق تعالیٰ تمام احوال پر مطلع اور طاعت پر جزا اور معصیت پر سزا دینے والا ہے تو اس گناہ پر جرأت نہ کرتا، اس جرأت سے معلوم ہوا کہ اس نے جانا ہی نہیں اور اگر جانا ہے تو تکلیف کی کچھ پروا نہ کی۔ اس بات میں تارک صلواۃ اور ہر مرتکب کبیرہ کافر ہونے میں برابر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابلیس صرف کبیرہ کے مرتکب ہونے سے کافر ہوا کہ باوجود حکم کے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا ورنہ اس کی توحید میں کسی قسم کا شک نہیں، اور یہ بھی اعتقاد ہے کہ اجنبی عورت کو دیکھ لینا یا چھوٹی جھوٹ کہنا صغیرہ ہے اور جب اس پر اصرار ہو تو شرک ہو جاتا ہے۔ خیال کرنے کی جائے ہے کہ جن لوگوں نے یہ اصول مان لئے ہوں گے ان کے اعمال کا کیا حال ہوگا۔ جتنے ذریعے نجات کے آدمی خیال کرسکتا ہے وہاں سب منقطع ہیں۔ دوزخ ہر وقت پیش نظر ہے کہ جہاں امر الٰہی کے امتثال میں سستی ہوئی یا کوئی حرام فعل صادر ہوگیا قطعاً دوزخی بن گئے، اب نہ کسی کی شفاعت سے کام چلتا ہے نہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے، کیونکہ کفار کا رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونا نص قطعی سے ثابت ہے، اس خیال شبانہ روزی نے ان کے چہروں پر کیسا رنگ خضوع جمایا ہوگا اور اعضاء پر کیسی کیفیت انکسار طاری ہوگی۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان کی سی

حالت کسی قوم کی میں نے نہیں دیکھی اور ظاہر بھی یہی ہے اس لئے صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ صرف عمل سے کبھی نجات نہیں مل سکتی پھر ان حضرات پر ان کی سی مصیبت ہی کیوں آتی جو ویسی حالت بنتی ۔غرض کہ توحید عبادت زہد تقویٰ وغیرہ وغیرہ امور جن کا حال بتفصیل معلوم ہوا اُن لوگوں میں نہایت درجہ بڑے ہوئے تھے ۔ اگر یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہ ہوتے تو بادی النظر میں اولیاء اللہ سمجھے جاتے ۔ اور ان کے مخالف کو نہیں معلوم لوگ کیا سمجھتے ۔ مگر الحمدللہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کارروائیوں اور احادیث صحیحہ کی تصریحات سے تمامی اہل اسلام پر ان کی قلعیٔ کھل گئی ۔اور بے دین اور دوزخی ہونا ان کا ثابت ہوگیا۔

ترکِ تقلید عین مادہ گمراہی ہے

اب دیکھنا چاہئے کہ وہ کونسی بات تھی جس نے باوجود ان اوصاف کمال کے ان پر بے دینی کا حکم صادر کردیا، اصل منشا اگر دیکھا جائے تو صرف بیبا کی اور بے ادبی ان کی پیش نظر ہوجائے گی جس سے پہلی خرابی یہ ہوئی کہ بزرگان دین کی عظمت نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت میں تقلید کی صلاحیت نہ رہی ، اور ہمسری کا دعویٰ کرکے خود مجتہد بن بیٹھے ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا جب ان کے نزدیک کچھ اعتبار نہ تھا اور ہر بات میں ان سے دلیل طلب کرتے تھے تو اور کسی بزرگ کے قول کو وہ کب مانتے تھے ، حالانکہ علی رضی اللہ عنہ کا قول وفعل خود واجب القبول اور بجائے خود دلیل تھا۔ آخر یہی ترک تقلید جس کو انہوں نے تحقیق سمجھا تھا عین مادہ گمراہی ہوا۔ دیکھ لیجئے جب مسئلہ حکم ان کے سمجھ میں نہ آیا اور اس میں تقلید بھی نہ کی ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شرک وکفر کا الزام لگادیا اور خود کافر بنے نعوذ باللہ من ذلک' اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی اور بے ادبی ہوگی کہ کیسے کیسے جلیل القدر صحابہ کی انہوں نے تکفیر کی جس کا حال معلوم ہوگا ، اور مخبر صادق ﷺ کی بشارتوں کا کچھ خیال نہ کیا۔

ملل ونحل میں لکھا ہے کہ زیاد بن امیہ نے عروہ ابن ادبیہ سے جو خارجی تھا پوچھا کہ ابوبکر اور عمر

رضی اللہ عنہما کا کیا حال تھا؟ کہا اچھے تھے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا، کہا ابتداء میں چھ سال تک ان کو میں بہت دوست رکھتا تھا پھر جب انہوں نے نئی نئی باتیں اور بدعتیں شروع کیں ان سے علیحدہ ہوگیا اس لئے کہ وہ آخر میں نعوذ باللہ کافر ہوگئے تھے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا کہا وہ بھی اوائل میں اچھے تھے، جب حکم بنایا نعوذ باللہ کافر ہوگئے، اس لئے ان سے بھی علیحدہ ہوگیا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا کہ ان کو ایک سخت گالی دی، پھر زیاد بن امیہ نے اپنا حال پوچھا کہا تمہارا اول حال زینت تھا اور آخر گزندگی اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تم اپنے رب کے نافرمان ہو، زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے غلام کو بلا کر کہا کہ اس کا مختصر سا حال بیان کر، کہا میں جب اس کے پاس کھانا لے جاتا یا بچھونا کرنے کو جاتا غرض ہر حال میں یہی اعتقاد اور اجتہاد اس کا دیکھتا تھا۔ لکھا ہے کہ طلحہ زبیر عائشہ عبداللہ بن زبیر اور تمام اہل اسلام جو ان کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم اجمعین سب کی تکفیر کیا کرتے اور سب کو مخلد فی النار کہتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اور اُن کا یہ بھی قول تھا کہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ ایک ایسا نبی بھیجے کہ بعد نبوت کے کافر ہوجائے یا قبل نبوت کے کافر رہا ہو، اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نئی ملت صابیہ سے پیدا کرے گا اور اس پر ایک کتاب وقت واحد میں نازل ہوگی جو آسمان پر لکھی جا چکی ہے اور وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ دے گا۔ ملل ونحل میں سوائے اس کے اور کئی اعتقاد اُن کے نقل کئے ہیں بخوف تطویل اسی پر اکتفا کیا گیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ کسر شان نبوت بھی ان کو مقصود تھی چنانچہ اس حدیث سے یہ بھی بات معلوم ہوتی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ **عن ابی یحییٰ قال سمع رجلا من الخوارج و ھو یصلی صلوۃ الفجر یقول "ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک و لتکونن من الخسٰرین" قال فترک سورته التی کان فیھا قال وقرأ "فاصبران وعداللہ حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون"** روایت ہے ابی یحیٰی سے کہ ایک

خارجی نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی **ولقد اوحی الیک** یعنی آپ کی طرف اور اگلے نبیوں کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر شرک کروگے تم تو تمہارے عمل اکارت ہوجائیں گے اور بنوگے تم نقصان پانے والوں سے انتہیٰ۔ پھر اس سورہ کو چھوڑ کر دوسرے سورہ کی یہ آیت پڑھی **فاصبر ان وعداللہ حق الآیۃ** یعنی صبر کرو یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ ہلکا کریں آپ کو وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے۔

اس قسم کی آیتیں چن چن کے پڑھنے سے مقصود اُس شخص کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں کے دلوں سے کم ہوجائے کیونکہ اگر اس کو قراءت ہی مقصود ہوتی تو مرتب آیتیں پڑھتا، راوی کو بھی حیرت ہوئی پھر وہ سمجھ گئے کہ یہ بات مسلمان سے ہو نہیں سکتی، بعد تحقیق کے پہلے تصریح اس امر کی کردی کہ وہ شخص خارجی تھا پھر وہ قصہ بیان کیا اگر اس شخص کی برائی بیان کرنا راوی کو مقصود نہ ہوتا تو اس قصہ کے بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ قرآن ہر شخص نماز میں پڑھتا ہے۔

ان تمام احادیث وغیرہ سے اس قوم کا طریقہ اور طرز رفتار معلوم ہوگیا کہ جب اپنی سمجھ کے کوئی بات خلاف پائے اس پر اعتراض کر بیٹھے اور ادب کو پاس آنے نہ دیتے۔ توحید کی حفاظت اور شرک و بدعت کے مٹانے کو اپنا فرض منصبی ٹھہرایا تھا۔ پھر اس ٹٹی کے آڑ میں ہزارہا مسلمانوں کی تکفیر کردی، جو آیتیں کفار کی شان میں نازل ہوئیں مسلمانوں کو ان کا مصداق بنایا جیسا کہ **ھم قوم خصمون** کو جو کفار قریش کی شان میں ہے صحابہ کے مقابل پڑھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کی آیتیں ڈھونڈا کرتے وغیر ذلک۔

الحاصل گستاخیوں اور بے ادبیوں میں وہ لوگ ہر زمانہ کے بے ادبوں کے پیشوا اور مقتدا تھے۔ جس مسئلہ و مقام میں انہوں نے کچھ کلام کیا ان کے پیرووں میں وہ مسئلہ معرکۃ الآراء بنا جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قریب معلوم ہوگا۔ پھر ان بے دینیوں پر ان کو وثوق تھا کہ اپنے مخالفوں کو کافر اور ان کے مال کو غنیمت سمجھے تھے۔ کمافی الملل والنحل، ظاہراً اس بات پر وہ لوگ دلیل بھی رکھتے تھے کہ نہ ان کا سا کوئی

عابد وزاہد اس وقت تھا نہ صاف صاف کہنے والا ، دینی امور میں کسی کی رورعایت نہیں خواہ ولی ہو یا صحابی یا نبی جہاں خلاف بات دیکھی فوراً کہدیا۔ ہر چند یہ دلیل ظاہراً قوی معلوم ہوتی ہے مگر انجام کار کے معلوم ہونے سے ہمیں تو یقین ہوگیا کہ واقع میں وہ دلیل بالکل باطل اور سیدھی دوزخ میں لے جانے والی تھی۔

اب ان کے انجام کار کا حال سنئے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: **عن سعید بن جمهان قال كانت الخوارج قددعونی حتی كدت ان ادخل فيهم فرأيت اخت ابی بلال فی المنام كأ نهارات ابا بلال قالت فقلت يا اخی مأشأنک قال فقال جعلنا بعدكم كلاب اهل النار** روایت ہے سعید بن جمہان سے وہ کہتے ہیں کہ خوارج مجھے اپنے طرف بلاتے اور ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ میں ان میں مل جاؤں ایک رات ابی بلال کی بہن کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہا کہ ہم لوگ تمہارے بعد دوزخ کے کتے بنائے گئے۔انتہیٰ۔

یہ خواب تصدیق اس حدیث شریف کی ہے جو کنز العمال میں ہے۔ **عن أبی غالب قال كنت فی مسجد دمشق فجاؤا بسبعين رأسا من رأس الحرورية فنصبت علی درج المسجد فجاء اُبوامامة فنظر اليهم فقال كلاب جهنم شر قتلٰی قتلوا تحت ظل السماء ومن قتلوا خير قتلی تحت ظل السماء ، و بكی قال يا ابا غالب تقرء آل عمران قلت نعم قال منهن '' ايت محكمٰت هن ام الكتب و اخر متشٰبهٰت فاما الذين فی قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله '' و قال تعالی '' يوم تبيض وجوه و تسود وجوه فاماالذين اسودت وجوههم اكفر تم بعد ايمانكم فذوقوا العذاب بماكنتم تكفرون '' قلت : ياابا امامة انی رايتک تهريق عبرتک ؟ قال نعم رحمة لهم انهم كانوا من اهل الاسلام ، قال افترقت بنو اسرائيل علی واحدة وسبعين فرقة و تزيد هذه الاُمة فرقة واحدة كلهافی**

النار إلاالسواد الأعظم عليهم ما حملو وعليكم ماحملتم وان تطيعوه تهتدوا السمع والطاعة خيرمن الفرقة والمعصية ، فقاله رجل يا أبا امامة امن رأيک تقول هذا ام شئ سمعته من رسول الله صلى الله عليه و سلم قال انى اِذالجدئ بل سمعته من رسول الله صلى الله عليه و سلم غير مرة ولا مرتين ولاثلاثه حتى ذكر سبعاً ش و ابن جرير ترجمہ۔روایت ہے ابو غالب سے کہ خارجیوں کے ستر سر دمشق میں مسجد کی سیڑھیوں پر نصب کئے گئے ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ جہنم کے کتے ہیں اور بدتر ہیں تمام روئے زمین کے مقتولوں سے، اوران کے قاتلوں سے جوشہید ہوئے وہ تمام روئے زمین کے مقتولوں سے بہتر ہیں ۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں اور کہا کہ جتنے فرقہ سواداعظم کے سوا ہیں سب دوزخی ہیں ، کسی نے کہا اے ابوامامہ یہ باتیں کیا آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں؟ کہا اگر میں اپنی رائے سے ایسی باتیں کہوں تو مجھ میں بڑی جرأت ہوگئی ، یہ باتیں ایک دوبارنہیں سنیں سات بار سے زیادہ سنی ہیں روایت کیا اس کوابن شیبہ اورابن جریر نے ۔انتہیٰ ملخصا ۔

اوریہی روایت بأ دنی اختلاف مستدرک حاکم میں دوطریقوں سے مروی ہے، ایک میں اُن کا کلاب النار ہونا مصرح ہے ۔غرض کہ اس قوم کا دوزخی بلکہ دوزخ کے کتّے ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار کے ارشاد سے ثابت ہے اور تصدیق بھی اس خواب سے ہوگئی ۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ باوجود ان فضائل کے دوزخ میں آدمی بھی نہیں کتّے بنے اس کی کیا وجہ ہوگی ؟ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان میں کتوں کی صفت غالب تھی کہ بزرگان کی شان میں زبان درازی کرنا اور ہرکسی پر بیبا کانہ حملہ کرجانا گویا ان کا شعار ہوگیا تھا ۔ چونکہ یہ صفت راسخ تھی اُس عالم میں اس کا یہ اثر ہوا کہ صورت ظاہری بھی اس کے تابع کردی گئی ۔نعوذ باللہ من ذلک ۔

اس قوم کی ایک ظاہرنکبت یہ تھی کہ جس کے دل میں ان کی محبت آئی ۔ آثار برکت کے اس سے جاتے رہے چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے **عن ابى الطفيل ان رجلا ولد له غلام على**

عهد النبی صلی اللہ علیه و سلم فدعا له و اخذ ببشرة جبهته فقال بها هکذا و غمز جبهته و دعا له بالبرکة ، قال فنبت شعره فی جبهته کأنها هلب فرس فشب الغلام فلما کان زمن الخوارج احبهم فسقطت الشعر عن جبهته فأخذ ابوه یقیده مخافة ان یلحق فیهم ، قال فدخلناعلیه فوعظناه و قلنا له فیما نقول الم تران برکة دعوة الرسول صلی اللہ علیه و سلم قدوقعت من جبهتک ، فما زلنا به حتی رجع عن رأیهم فرد اللہ الیه الشعر بعد فی جبهته و تاب وا ، صلح . کذافی مصنف ابن ابی شیبة . ترجمہ: روایت ہے ابوالطفیل سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا حضرت نے اس کو دعا دی اوراس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور دبایا۔ اثر اس کا یہ ہوا کہ پیشانی پر اس کی خاص طور پر بال اُگے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے وہ لڑکا جوان ہوااور خوارج کا زمانہ پہنچا اوران سے اس کو محبت ہوئی ساتھ ہی وہ بال جو دست مبارک کا اثر تھا جھڑ گئے اس کے باپ نے جو یہ حال دیکھا تو اس کو قید کردیا کہ کہیں ان میں مل نہ جائے ، ابوالطفیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس کے پاس گئے اور وعظ ونصیحت کی اور کہے دیکھو تم جوان لوگوں کی طرف مائل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی ،غرض جب تک وہ شخص ان کی رائے سے رجوع نہ کیا ہم اس کے پاس سے ہٹے نہیں ، پھر جب ان کی محبت اس کے دل سے جاتی رہی حق تعالیٰ نے وہی نشانی دست مبارک کی اُس کی پیشانی میں پھر پیدا کردی ، پھر تو اس نے بالکلیہ ان کے عقائد سے توبہ کی اوراچھی حالت پر ہوگیا۔ انتہیٰ ۔

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہوگئی ، پھر کبھی تو حق تعالیٰ نے اس کے آثار ظاہر بھی فرمادیا اور اگر کبھی ظاہر نہ فرمایا تو اس مقام میں برکت ضرور رکھی ، اسی وجہ سے بخاری شریف وغیرہ کتب صحاح

سے ثابت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ حضرت ﷺ کے مآثر کو تلاش کرنے میں نہایت اہتمام کیا کرتے تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی مقام میں یہ بحث بھی مفصل آ جائے گی۔

دوسرا یہ کہ اُن آثار کے ظہور کے لئے وہ مقامات خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں، پھر جہاں کسی قسم کی ان میں خرابی آ گئی وہ آثار اور صلاحیت وہاں سے جاتی رہی، تا کہ طالبان حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔

تیسرا یہ کہ اُن آثار کے اثر کے لئے بھی وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو اہل حق ہوں یعنی اس برکت کے قابل اہل ایمان ہی ہوا کرتے تھے اہل باطل کو اسطرف توجہ نہ تھی۔

چوتھا یہ کہ جس کو حضرت ﷺ نے براہ شفقت دست مبارک لگا دیا عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں ہونے نہ پایا۔

دیکھ لیجئے اگر اس شخص کے دل میں اول عقائد کا پورا اثر ہو جاتا تو پھر اس کے رجوع کی امید نہ تھی جیسا کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی معلوم ہو گا کہ اس فرقہ کے عقائد کا پورا اثر جس کے دل میں ہو جاتا ہے تو کبھی وہ راست پر نہیں آتا۔ احادیث و آثار جو خوارج کے باب میں ہیں اس کثرت سے وارد ہیں کہ ان کی نقل کے لئے کئی جز چاہئے، جن لوگوں کو حق تعالیٰ نے فہم سلیم دیا ہے اتنا بھی اُن کے لئے کافی ہے، ہر چند یہ فرقہ خاص ان عقیدوں کے ساتھ جس پر بانئ مذہب نے بِنا کیا معلوم نہیں اب تک موجود ہے یا نہیں مگر اتنا تو یقین ہے کہ اس رفتار پر چلنے والوں سے کوئی زمانہ خالی نہ ہو گا اس لئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ مسلمانوں کو گمراہ اور مردود بنانے کے باب میں شیطان کے پاس بے ادبی اور بیباکی سے بہتر کوئی طریقہ نہیں، جس کا تجربہ خود اس کی ذات پر ہو چکا ہے اور بیباکیاں اور بے ادبیاں اس فرقہ کے اصول میں داخل ہیں۔

وہابیان نجد کا حال

اور سوائے اس کے اس حدیث شریف سے یہ بات بھی ظاہر ہے **عن أبی جعفر الفراء مولٰی علیؓ** قال شهدت مع علی رضی الله عنه النهر فلما فرغ من قتلهم قال اطلبوا

المخدج ! فطلبوه فوجدوه فی وهدة رجل أسود منتن الريح فی موضع يده كهئية الشدی عليه شعرات ، فلما نظراليه قال صدق الله و رسوله ، فسمع احد ابنيه إماالحسن أوالحسين يقول الحمد لله الذی اراها امة محمد صلی الله عليه و سلم من هذه الاصابة ، فقال علی : لولم يبقیٰ من امة محمد صلی الله عليه و سلم الاثلاثة لكان احد هم علی رأی هولاء انهم لفی اصلاب الرجال وارحام النساء . كذافی كنزالعمال ۔ترجمہ: ابوجعفر فراء کہتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہر کی لڑائی میں شریک تھا جب علی رضی اللہ عنہ ان کے قتل سے فارغ ہوئے فرمایا اس شخص کو ڈھونڈو جس کا ہاتھ ناقص ہے چنانچہ اس شخص کی لاش ملی وہ شخص سیاہ فام تھا اور اس سے بدبو آتی تھی اور اس کے ہاتھ کی جگہ بشکل پستان ایک گوشت پارہ تھا جس پر چند بال تھے ۔علی رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا سچ کہا خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ، امام حسن یا امام حسین علیہما السلام نے خدائے تعالیٰ کا شکر بجالایا ،علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے صرف تین ہی شخص رہ جائیں ان میں بھی ایک شخص اس فرقہ کی رائے اور طریقہ پر ہوگا وہ لوگ ہنوز مردوں کی پیٹھ اور عورتوں کی رحم میں ہیں ، روایت کیا اس کو طبرانی نے اوسط میں ۔انتہیٰ ۔

اور اس حدیث شریف سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ فرقہ کئی بار ظہور کرے گا: **عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله عليه و سلم يخرج ناس من المشرق يقرؤن القراٰن لايجاوز تراقيهم كلما قطع قرن نشأ قرن حتیٰ يكون آخرهم يخرج مع المسيح الدجال حم طب ك حل** ۔ترجمہ: روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کئی لوگ مشرق کے طرف سے نکلیں گے پڑھیں گے وہ قرآن مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا جب ایک سینگھ کاٹا جائے گا تو دوسرا نکلے گا ۔یعنی جب ایک فرقہ کا استیصال کیا جائے گا تو دوسرا ظہور کرے گا یہاں تک کہ وہ آخر میں دجال کے ساتھ رہیں گے ، روایت کی اس کو امام احمد اور طبرانی اور حاکم وغیرہ نے انتہیٰ ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کے طرف سے نکلے اور وہابی بھی جن کا فتنہ مدتوں ملک عرب میں رہا غالباً یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے: **عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم اللهم بارک لنافی شامنا و فی یمننا قال قالوا: وفی نجدنا فقال قال اللهم بارک لنا فی شامنا و فی یمننا قال قالوا وفی نجدنا قال قال هنا لک الزلازل والفتن وبهایطلع قرن الشیطان رواه البخاری** ترجمہ: روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اور ہمارے نجد میں مقصود یہ کہ نجد کو بھی حضرت دعا میں شریک فرمالیں ، پھر وہی دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجئے پھر صحابہ نے نجد کے لئے ، عرض کی حضرت نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں شیطان کا سینگھ نکلے گا۔ روایت کی اس کو بخاری نے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث شریف سے بتصریح معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگر چہ شرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے شرق ہی میں واقع ہے مگر مدینہ طیبہ کے عام وخاص لوگ نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد میں ہے، پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور ایک یہ کہ بات نہایت عمدہ کہیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یخرج فی آخر الزمان سفهاء الاحلام یقولون من قول خیر البریة یقرؤن القران لایجاوز تراقیهم ، من لقیهم فلیقتلهم فان فیه أجرا لمن قتلهم . الحکیم کذافی کنز العمال . ترجمہ: روایت ہے ابن مسعودؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نکلیں گے آخر زمانہ میں بیوقوف لوگ

بات نہایت اچھے لوگوں کی سی کہیں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا جو شخص ان سے ملے چاہئے کہ ان کو قتل کر ڈالے کیونکہ ان کے قتل میں ثواب ہے۔ انتہیٰ۔

ظاہر ہے کہ ان کا دعویٰ یہی تھا کہ شرک و بدعت کو مٹاتے ہیں، اور ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یخرج من امتی قوم یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرهم یقتلون أهل الاسلام فاذاخرجوافاقتلوهم فطوبی لمن قتلهم و طوبیٰ لمن قتلوه کلما طلع منهم قرن قطعه الله عزوجل ۔حم کذافی کنزالعمال** ترجمہ: روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نکلے گی ایک قوم میری امت سے کہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا، قتل کریں گے وہ اہل اسلام کو، خوشخبری ہے اس کو جس نے انہیں قتل کیا اور جس کو انہوں نے شہید کیا، جب کوئی شاخ ان کی نکلے گی حق تعالیٰ اس کو قطع کر دے گا، روایت کی اس کو امام احمد نے۔ انتہیٰ۔

یہ بات ثابت ہے کہ ہزارہا مسلمانوں کو ان لوگوں نے قتل کر کے حرمین شریفین اور تمامی ملک عرب پر تسلط کر لیا تھا اب بے باکی کو ان کی دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ **ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم** ﴾ یعنی جو شخص مسجد حرام میں شرارت سے کجروی کرنا چاہے چکھائیں گے ہم اس کو عذاب دردناک انتہیٰ۔ حافظ محی السنہ بغویؒ تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں **ان تقتل فیه من لایقتلک أو تظلم من لایظلمک** یعنی الحاد بظلم یہ ہے کہ قتل کرے تو اس شخص کو جو تجھ کو نہ مارے یا ظلم کرے تو اس پر جو تجھ پر ظلم نہ کرے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے: **لو ان رجلا همّ بخطیئة لم تکتب علیه مالم یعملها ولو ان رجلا هم بقتل رجل بمکة وهو بعدن او ببلد آخر أذاقه الله من عذاب الیم** ۔ اگر کوئی کہیں گناہ کا قصد کرے تو جب تک اس کا وقوع نہ ہوگا گناہ لکھا نہ

جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو اس کے قتل کے قصد پر عذاب الیم چکھایا جائے گا اگرچہ قصد کرنے والا عدن میں ہو یا دوسرے شہر میں۔

اور مدینہ طیبہ کی نسبت ارشاد ہے: **عن عائشة رضی الله عنها قالت سمعت سعداً قال سمعت النبی صلی الله علیه و سلم یقول لایکید أهل المدینة أحدإلاانما ع كماینما ع الملح فی الماء رواه البخاری** یعنی بخاری شریف میں روایت ہے سعد رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ مکر وحیلہ کرے تو ایسا گلے گا جیسا نمک پانی میں پگلتا ہے۔ ابن حجرؒ فتح باری میں اس حدیث کے تحت میں مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ **قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لایریدأحد أهل المدینة بسوء إلا أذابه الله فی النار ذوب الرصاص أوذوب الملح فی الماء** یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مدینہ والوں کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرے، گلائے گا اس کو حق تعالیٰ دوزخ میں مثل سیسہ کے یا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔ انتہیٰ۔

جب مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں قتل اور بُرائی کے ارادہ پر یہ سزائیں ہوں تو جنہوں نے وہاں قتل عام کیا اور وہ وہ اذیتیں پہنچائیں جس سے ہزارہا لوگ جلا وطن ہوگئے ان کا کیا حال ہوگا۔ اور ایک علامت اس قوم کی یہ کہ قرآن پڑھے گی جیسا کہ کئی حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوچکی۔ قرآن شریف پڑھنے کا اس قوم میں اس قدر اہتمام تھا کہ دلائل الخیرات کے صدہا نسخے جلادیئے تا کہ اس کا وقت بھی تلاوت قرآن ہی میں صرف ہو جیسا کہ درر السنیہ میں مذکور ہے۔ ایک علامت یہ ہے کہ اس قوم میں جو کوئی داخل ہو اس کے پھرنے کی توقع نہیں **عن أبی بردة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یخرج فی آخر الزمان قوم كان هذا منهم یقرؤن من القران لایجاوز تراقیهم یمرقون من الاسلام كمایمرق السهم من الرمیة ثم لا یرجعون الیه سیماهم التحلیق لایزالون یخرجون حتی یخرج آخرهم مع المسیح الدجال فاذا**

لقيتموهم فاقتلوهم هم شر الخلق و الخليقة،ش حم ن طب ك كذافي كنز العمال۔

ترجمہ: روایت ہے ابی بردہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نہ اترے گا اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پھر نہ پھریں گے اسلام کی طرف علامت ان کی یہ ہے کہ سرمنڈایا کریں گے یہ قوم ہمیشہ خروج کرتی رہے گی یہاں تک کہ آخر دجال کے ساتھ ہوں گے، جب کبھی تم ان سے ملو ان کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کل آدمیوں اور جانوروں سے بدتر ہیں۔ روایت کی اس کو ابن ابی شیبہ اور امام احمد نسائی طبرانی اور حاکم نے انتہیٰ۔

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی نکبت اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ دین میں نہ آئیں گے، مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں محبوبان بارگاہ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ مثل اصول دین کے تعلیم و تعلم میں اس کو داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیرت الٰہی ان کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور ایک علامت یہ کہ بنی تمیم سے ہونا جیسا کہ درر السنیہ میں کتاب جلاء الظلام سے نقل کیا ہے کہ ظن غالب ہے کہ محمد بن عبدالوہاب، ذوالخویصرہ تمیمی کی اولاد سے ہوگا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے: **عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه و سلم قال ان من ضئضئ هذا أوفی عقب هذا قوماً یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کمایمرق السهم من الرمیة یقتلون اهل الاسلام ویدعون أهل الاوثان ، لئن أدرکتهم لأقتلنهم قتل عاد رواه البخاری .**

ترجمہ: روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس شخص کے خاندان یا نسل میں ایک قوم ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا، دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ

دیں گے، اگر میں ان کو پاتا تو قتل کرتا مثل قوم عاد۔ انتہیٰ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ انتہیٰ۔

اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ **عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال بینا نحن عند رسول الله صلی الله علیه و سلم وهو یقسم قسما أتاه ذوالخویصرة و هو رجل من بنی تمیم فقال یا رسول الله اعدل قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ویلک ومن یعدل اذالم اعدل قد خبت و خسرت ان لم أعدل ؟ فقال عمر بن الخطاب : یا رسول الله ائذن لی فیه أضرب عنقه ! قال رسول الله صلی الله علیه و سلم دعه فان له أصحابا یحقر أحدکم صلوته مع صلوتهم وصیامه مع صیامهم یقرؤن القرآن لایجاوزتراقیهم یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة ، الحدیث**۔ ترجمہ: روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے حضرت ﷺ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ والا ایک شخص آیا جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اور کہا یا رسول اللہ عدل کیجئے ، فرمایا حضرتؐ نے خرابی ہو تیری اگر میں نہ عدل کروں تو پھر کون کرے گا ؟ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کی گردن ماردوں ! فرمایا جانے دو۔ اس کے ساتھ والے ایسے لوگ ہوں گے کہ تم اپنی نماز و روزہ کو ان کی نماز و روزہ کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے ، وہ قرآن پڑھیں گے مگر حلق سے آگے نہ بڑھے گا ، اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے۔ روایت کی اس کو مسلمؒ نے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ذوالخویصرہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور ابن عبدالوہاب بھی تمیمی ہے، تعجب نہیں کہ اس کی نسل سے ہو اور اگر نہ بھی ہو تو ہم خاندان ہونے میں شک نہیں۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کریں گے جیسا کے کئی حدیثوں سے ابھی معلوم ہو چکا **عن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یخرج قوم من المشرق حلقان**

الرؤس یقرؤن القرآن لایجاوز حنا جرهم طوبیٰ لمن قتلوه و طوبیٰ لمن قتلهم ابونصر السنجری فی الابانة والخطیب و ابن عساکر کذافی کنز العمال۔ ترجمہ: روایت ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم مشرق سے نکلے گی جو سر منڈوائے ہوئے ہوگی، پڑھیں گے وہ قرآن مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا خوشخبری ہے اس کو جو ان کے ہاتھ سے شہید ہوا اور جس نے ان کو قتل کیا۔ انتہیٰ۔

دررسنیہ میں بخاری اور مسلم سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یخرج ناس من المشرق ویقرؤن القراٰن لایجاوز تراقیهم یمرقون من الدین کمایمرق السهم من الرمیة لایعودون فیه حتی یعود السهم الی فوقه سیما هم التحلیق جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک فرقہ نکلے گا کہ قرآن پڑھیں گے مگر نکل جائیں گے دین سے پھر نہ لوٹیں گے جیسے تیر شکار سے نکل کر لوٹتا نہیں، علامت ان کی یہ ہے کہ سر منڈوایا کریں گے انتہیٰ۔ پھر قول عبدالرحمٰن اہدل مفتی زَبید کا نقل کیا کہ ابن عبدالوہاب کے رد میں کوئی کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں صرف یہ نشانی کافی ہے جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ (سر منڈوایا کریں گے) کیونکہ اس شخص نے جیسا سر منڈوانے میں اہتمام کیا تھا کسی فرقہ میں نہ ہوا، اس نے دستور ٹھہرا دیا تھا کہ جو شخص اپنی ملت میں داخل ہوا اس کو سر منڈوانا ضروری ہے یہاں تک کہ عورتوں میں بھی یہ حکم جاری کردیا تھا، ایک روز کسی عورت نو گرفتار سے بحسب عادات سر منڈوانے کو کہا، اس نے جواب دیا کہ عورتوں کے سر کے بال اور مردوں کی داڑھیاں برابر ہیں اگر مردوں کی داڑھیاں منڈوائی جائیں تو عورتوں کے سر کے بال منڈوانا بجا ہوگا، یہ سن کر مبہوت ہوگیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ الحاصل علامات مذکورۂ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ و سلم فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں بیان فرمائیں سب اس میں پائی گئیں اور سوائے احادیث مذکورۂ بالا کے دررسفیہ میں کئی حدیثیں نقل کئے جن میں علامتیں اس گروہ کی مذکور

ہیں اور وہ سب ان میں پائی گئیں، احادیث مذکور سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ فرقۂ خوارج کی وہ ایک شاخ ہے مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور اس کے بانی کی طرف منسوب کیا گیا، اسی وجہ سے یہ لوگ محمدی کہلاتے ہیں مگر محتاط علما نے جب دیکھا کہ عوام الناس ان کو ضرور گالیاں دیں گے اور اس میں توہین لفظ نام مبارک کی ہوگی اس لئے محمد بن عبدالوہاب کے نام سے جزء دوم کی طرف منسوب کرکے باختصار لفظ وہابی مقرر کیا۔ غرض وہابی اور محمدی کے یہاں ایک معنی ہیں۔ محمد ابن عبدالوہاب کا مجملاً حال یہ ہے ۱۱۱۱ھ گیارہ سو گیارہ میں وہ پیدا ہوا اور بعد کسی قدر تحصیل علم کے ۱۱۴۳ھ گیارہ سو تریالیس میں اپنے خیالات فاسد کو رواج دینے کے واسطے خطۂ نجد میں گیا، پہلے صرف اسی بات پر زور دیا کہ اس زمانہ میں شرک ہر طرف پھیل گیا ہے اور اسلام کی حالت روز بروز گھٹتی جارہی ہے، اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ توحید کو رواج دینے اور شرک کو مٹانے کی فکر کرے، چونکہ یہ دعویٰ قابل تسلیم تھا لوگ اس کے دام میں پھنسنے لگے چنانچہ ۱۱۵۰ھ گیارہ سو پچاس میں اس کی شہرت ہوئی اور درعیہ، اس کے اطراف و جوانب کے لوگ اس کے تابع ہوگئے اور روز بروز ترقی ہونے لگی، جب کسی قدر مجمع ہوگیا جہاد پر آمادہ ہوا اور اپنے ہوا خواہوں کو جمع کرکے لکچر دیا کہ سوائے اس خطہ کے اس وقت کل روئے زمین پر شرک پھیلا ہوا ہے اور سوائے تم چند شخصوں کے جتنے لوگ آسمان کے تلے ہیں سب مشرک ہیں اب ہم کو ضروری ہے کہ جہاد کرکے مشرکوں کو قتل کریں، تمہیں یاد رہے جو کوئی مشرک کو قتل کرتا ہے اس کے لئے جنت ہے، پھر سب سے بیعت لیکر جہاد کا حکم دیا۔ یہ فتنہ ایک مدت تک رہا اس قوم نے ہزارہا مسلمانوں کو شہید اور جلاوطن کردیا اور حرمین شریفین پر قبضہ کرکے کئی سال بالاستقلال حکم رانی کی، آخر ۱۲۲۷ھ بارہ سو ستائیس میں بحکم سلطان محمود حرمین وغیرہ سے نکالے گئے مادہ تاریخ ان کے اخراج کا ''قطع دابر الخوارج'' ہے۔ اس فتنہ کی کسی قدر تفصیل اور حال ان مصیبتوں کا جو اہل حرمین شریفین پر گذریں شیخ دحلان مکیؒ نے الدرر السنیہ میں لکھا ہے: اس فرقہ کو بھی مثل خوارج کے

عمل میں نہایت اہتمام تھا یہاں تک کہ تارک فرض کو کافر حلال الدم سمجھتے اور توحید میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ ''یا رسول اللہ'' کہنے والے، بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو کافر سمجھتے، ابن عبدالوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی ؐ کا توسل کرے وہ کافر ہے، اور زیارت قبور ناجائز سمجھی جاتی تھی چنانچہ لکھا ہے کہ ایک قافلہ احساء سے مدینہ طیبہ کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے گیا تھا واپسی کے وقت جب درعیہ پہنچا جہاں وہ تھا اس نے ان کی یہ سزاء ٹھہرائی کہ داڑھیاں سب کی منڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ سوار کئے جائیں کہ دُم کی طرف منہ ہو اور یہی حالت احساء تک رہے جہاں ان کا گھر ہے تا تشہیر ہو جائے کہ جو شخص آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جائے اس کی یہ سزاء ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر احتراز تھا کہ صدہا دلائل الخیرات اور دوسرے علوم کی کتابیں جلا دی گئیں، اس میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نابینا اذان کے بعد منارہ پر بآواز بلند درود شریف پڑھا کرتے تھے ابن الوہاب نے اس کو منع کیا، جب انہوں نے نہ مانا قتل کر ڈالا اور کہا کسی عورت کے گھر سے رباب کی آواز درود کی آواز سے بہتر ہے جو مناروں پر پڑھا جائے، اور مولود شریف کسی کو پڑھنے نہ دیتا، صرف ونحو وفقہ وغیرہ علوم کے مطالعہ سے منع کرتا، اس کا قول تھا کہ اصل شریعت ایک تھی ان لوگوں کو کیا ہوا جو اس میں چار مذہب کر دیئے، کبھی کہتا کہ قول ائمہ اربعہ بالکل قابل اعتبار نہیں اور کبھی کہتا وہ تو حق پر تھے مگر ان کے اتباع کتابیں تصنیف کر کے خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا، شیخ سلیمان بن سحیم حنبلی نے جو معاصر ابن عبدالوہاب کے ہیں ایک استفتاء کیا جس کا جواب علامہ احمد بن علی قبیتانی نے دیا ہے، استفتاء میں لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نے یہاں اقسام کی بدعتیں نکالیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر کمر باندھی ہے، منجملہ ان کے چند یہ ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر جمعہ کے دن اور رات میں درود پڑھنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسی بدعت ہے کہ اس سے آدمی دوزخی بن جاتا ہے، دلائل الخیرات اور روض الریاحین کے کئی نسخے اس نے جلا دیئے،

اس کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر لفظ سیدنا کہنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کبھی جو قدرت ہوگی قبہ شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھادے گا۔ زید بن خطاب اوران کے ساتھ والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ غرض کہ اس کے بیبا کیاں اور گستاخیاں کوئی شمار وحساب نہیں رکھتے، اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کمال بے ادبی کے الفاظ کہتا ہے اور سن کر چپ رہتا ہے، چنانچہ رسول کے معنی طارش کہتا ہے، جو ان لوگوں کی زبان میں ہرکارہ کو کہتے تھے، اور اس کی اتباع کہتے تھے کہ جو اس عصا سے کام نکلتا ہے وہ بھی ان سے نہیں نکلتا، اور وہ ایسی باتیں سن کر خوش ہوتا اور سوائے اس کے صدہا خرافات ان لوگوں کے زبان زد تھے، یہ فرقہ نجد میں اب تک موجود ہے اہل انصاف غور کرسکتے ہیں کہ کون مسلمان ایسا ہوگا کہ ان اعتقادوں کو پسند کرے گا، مگر ہمارے حضرات زیادتی کرکے ادنیٰ احتمال پر کسی کو بھی وہابی کہہ دیتے ہیں جو قطع نظر فتنہ وفساد کے شرعاً جائز بھی نہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متن انوار احمدی

شکر حق اس نظم میں ہیں وہ مضامیں دلپذیر جس سے ایماں تازہ ہو اور ہوں دلِ اعدا پہ تیر
ہے حدیثوں کا جو یہ مضمون بلاریب ونکیر جو محدث ہیں وہ اس کو مان لیں گے ناگزیر
گرچہ یہ اشعار ہیں پر شاعری اس میں نہیں
ترجمہ منقول کا ہے خودسری اس میں نہیں

لکھا اس کو نظم میں ہرچند میں شاعر نہیں کیونکہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہِ دیں
تھا یہی لم جو مُمد حسّان کے تھے روح الامیں کعب اور ابن رواحہ کو اسی کا تھا یقیں
ذکرِ ختم المرسلینؐ اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

حضرت عباسؓ نے جب نعت میں اس شاہ کی اک قصیدہ لکھا جس سے ہو خجل سُحبان بھی
سن کے فرمایا صلہ شاعر کو دیتے ہیں سبھی ہم نے دی اس کے صلہ میں سلطنت اسلام کی
مل گیا پروانہ با مہر قضا اک بات میں
سلطنت کی کنجیاں دیں خانداں کے ہاتھ میں

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکرِ اولیا اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیاءؑ
پھر ہو ذکر سرورِ عالمؐ کا کیسا مرتبا جن کا ذکرِ پاک ہے گویا کہ ذکرِ کبریا
رفعِ ذکرِ پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکرِ شہِ لولاہ سے

ذکرِ نامِ پاک سے نارِ جہنم سرد ہو اور سمی حضرتؐ کا دوزخ میں نجائے گا کبھو
بوالبشرؑ نے کی وصیت وقت آخر شیثؑ کو کہ قرین ذکر حقِ ذکرِ محمد کیجؤ

وحشتِ آدم گئی نام شہ لولاکؐ سے
مردہ زندہ ہوگئے تاثیر نام پاک سے

حضرتِ آدمؑ نے اس فرزند سے یہ بھی کہا میں تفرح کے لئے جب آسمانوں پر گیا
دیکھا ذکر احمدی میں ہر ملک مصروف تھا اور ہر اک پتہ پہ جنت کے نام ان کا لکھا

سینے حوروں کے ملائک کی جبینیں تابعرش
ہر جگہ اس نام کا ہے عالمِ علوی میں نقش

ہے درودِ پاک ہی ذکر شہِ عالیؐ مقام ہرطرح سے جس کا ہے خالق کومنظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخرِ عالمؐ پر مدام اور فرشتے دائما مشغول ہیں جس میں تمام

کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جوطاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

کیا فضیلت ہے پڑھے یکبار گر کوئی درود بھیجتا ہے اس پہ ستر رحمتیں ربّ ودود
اور ملائک کے درود اس پر کریں پیہم وُرود ہو مدام اس کی ترقیٔ مدارج زُود زُود

دیکھ لے گا قبلِ موت اپنا وہ جنت میں مقام
اور ہم رتبہ شہیدوں کا رہے بااحترام

محوہوتے ہیں گنہ پڑھنے سے اس کے لاکلام دفع ہوں سب ہّم وغم جوکوئی پڑھتا ہو مدام
نکلیں اس کی وجہ سے دونوں جہاں کے سارے کام جو پڑھے دائم رہے منصور ومحبوبِ انام

ذکرِ خالق اور دعا ذکر نبیؐ کے ساتھ ہے
کیا صلوۃ احمدیؐ بھی افضلُ الطاعات ہے

جو وضو کے وقت حضرتؐ پر نہ پڑھتا ہو صلات ہے طہارت اس کی ناقص اس میں ہیں کیا کیا نکات

بے صلاتِ احمدیؐ کامل نہ ہو ہرگز صلوات التحیات اس کی ہوجاتی ہے بالکل واہیات

اور جو نام شاہِ دیںؐ سن کر نہ پڑھتا ہو درود

جائے رغماً نار میں وہ ابخل الناس عنود

حضرت آدمؑ کو پہلے میل طبعی جب ہوا عرض کی خاتوں نے حضرت مہر ہو اول ادا

بولے یارب مہر کیا دوں حق تعالیٰ نے کہا صاحبِ لولاہؐ پر پڑھ لو درود باصفا

یعنی استحلال چاہیے درودِ پاک سے

تا کھلیں گل رشک افلاک و ملائک خاک سے

جتنا کل اہلِ زمیں پاویں عمل کرکے ثواب لیجئے اتنا پڑھ کے دم بھر میں درودِ مستطاب

لکھی جائیں نیکیاں اس کی بدولت بے حساب ساتھ اس کے جو دعا کیجئے ہو بیشک مستجاب

ہے فضیلت میں زیادہ تر وہ سب طاعات سے

حج سے اور صدقات سے اعتاق سے غزوات سے

جو کہ پڑھتا ہو درود اُس کو شفاعت ہو نصیب راضی ہوگا حق گواہی دیں گے جب اس کے حبیبؐ

عرش کا سایہ ملے گا ہوگا حضرتؐ کے قریب ہووے روزِ عید اس کو حشر کا روزِ مہیب

اور اس کثرت سے ہوگا نور اُس دن اُس کے ساتھ

جس کی وسعت میں سماسکتی ہو ساری کائنات

ہے بہت سارے فرشتوں کی عبادت بس یہی کہ کریں دائم تلاش شخص ہمنامِ نبیؐ

پھر جو پائیں ٹھہریں اس کے گھر پہ باصدق دلی دیکھئے کس طرح ہے تعظیم نامِ پاک کی

صرف نامِ پاک جب ہوئے ملائک کا مطاف

کیوں نہ در ان کا ہو روحوں کا محل اعتکاف

جس مکان میں ہو سمی حضرتؐ کا وہ گھر دائما　　رزق و برکت سے رہے مملو بصد نشو و نما
توبہ حضرت صفی اللہ قبول اس دم ہوا　　کہ وسیلہ شاہ دیںؐ کے نام اطہر کو کیا

خاتم حضرت سلیمانؑ میں جو وہ تسخیر تھی
نقش نامِ شاہِؐ جن و انس کی تاثیر تھی

گرچہ ان کی مدح میں قرآن ہے ناطق سربسر　　وصف ان کی کر سکے کیا کوئی بے چارہ بشر
رتبہ ان کا کوئی کیا جانے جو دیوے کچھ خبر　　عقل حیران ہے یہاں اور وہم کے جلتے ہیں پر

ہر مسلمان چھوڑے کیوں کر نعت کو بالکلیہ
لیس یترک کل ما لایدرک بالکلیہ

خود خدا نے کی ثنائے رحمۃ للعالمینؐ　　انبیاء دائم رہے مداح ختم المرسلیںؐ
اور جماد و جانور بھی نعت سے چھوٹے نہیں　　بت زبان قال سے کرتے تھے وصف شاہ دیںؐ

ہاں مگر شیطان کو شاید ہو تو ہو اس میں کلام
ما سویٰ کی اس نے جب تعظیم سمجھی ہے حرام

نعت وہ ہے جس کا حضرتؐ نے کیا خود اہتمام　　حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوںؑ سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اس کا ناتمام　　اور جو دشمن ہو تو اسکے کفر میں پھر کیا کلام

کی بذاتِ خود خدا نے نعت جب محبوبؐ کی
پھر ثنا دل سے کریں کیوں کر نہ سب محبوبؐ کی

کیوں کہ دل میں جب کسی کی ہو محبت جاگزیں　　اس کو بے ذکر و ثنائے دوست چین آتا نہیں
جس طرح ہوتا ہے دل میں جب کسی سے بغض و کیں　　اس کی بدگوئی میں رہتا ہے سدا وہ عیب چیں

قلب کی کیفیتیں اظہار پاتی ہیں ضرور
دل کی موجیں لب پہ جوش اپنا دکھاتی ہیں ضرور

بہرِ خطبہ جب ہوا منبر کا مستحکم اساس اورستوں نے جانِ عالم کو نہ پایا اپنے پاس
عاشقِ صادق تھا جب دیکھا کہ ہے قربت سے یاس گریہ و زاری لگا کرنے وہ غمگیں بے قیاس

تھا تو چوب خشک پر عشق نبیؐ میں تازہ تھا
زمرہ عشاق میں نادر بلند آوازہ تھا

ہے جو خالق کو محبت ان سے اس کا ذکر کیا ہو جو تابع اُن کا اس کو دوست اپنا کہدیا
جس کو اُن سے ہو محبت ہے وہ محبوب خدا رتبہ اس کا پا نہیں سکتی کبھی عقلِ رسا

ہوگا روز حشر خود خیرالوریٰؐ کے ساتھ وہ
پائے عالی مرتبہ بے کثرت طاعات وہ

حق نے جب اولیاء اللہ میں دیکھو کیا کہا کہ میں ہوجاتا ہوں ان کی چشم و گوش و دست و پا
جب محبت ہو طفیلیوں سے یہ بے انتہاء جب شاہِ مرسلیںؐ ہو کس قدر سوچو ذرا

انتہاء اس حب کی عقلوں سے ہماری دور ہے
ما رمیتَ کی حقیقت جس طرح مستور ہے

الغرض یہ حمد ہے اور نعتِ محبوبِؐ خدا لب پہ ہو صل علیٰ اور قلب میں جل و علا
ہو زباں پر نام احمدؐ کا احد دل میں چھپا چاہیۓ اب ہوں سراپا چشم و گوش اہل صفا

جلوہ نور خدا از خود عیاں ہونے کو ہے
راز جو مخفی تھا خود صرف بیان ہونے کو ہے

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
فیض بخش کُن فکاں گنجینۂ اسرار ہو کنج تاریک عدم جولانگہ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمدؐ اس کا رکھا نام حمداً لایزال

گر چہ حضرت ہیں محمدؐ پر ستودہ ہے خدا　　کیونکہ جملہ حمد راجع ہیں سو رب العلا
لیک جب خود حق تعالیٰ نے محمدؐ کہدیا　　پھر محمدؐ ہم نے گر ان کو کہا تو کیا ہوا

عقدہ یہ کھلتا نہیں کہ کون ہیں اور کیا ہیں وہ
ہاں سمجھتے ہیں بس اتنا برزخ کبریٰ ہیں وہ

حمد ہے اس خالق کون و مکاں کو بے عدد　　جس نے اُن کو کردیا ذاتِ محمدؐ تا ابد
اور مقام اُن کا کیا محمود با صد شد و مد　　پھر بنایا ان کو حامد اپنا وہ رب صمد

تھی جو اصل خلق بس لائق انہیں کے تھا یہ کام
تا ہو ان کا حمد سب کے حمد کے قائم مقام

الغرض اس نور سے پیدا کیا عالم تمام　　لکھا پھر ہر جائے اپنے نام کے ساتھ اُن کا نام
نام ان کا لے کے نبیوںؑ نے نکالے اپنے کام　　دی یہ شہرت اُن کو تا جانیں انہیں سب خاص و عام

وہ نبی اس وقت تھے کہ آدمؑ آب و گل میں تھے
جاں جب آئی ان میں وہ جان میں زبان پر دل میں تھے

پھر کیا یک شان سے آدمؑ میں اس کو جلوہ گر　　رکھا پیشانی میں تا ہو سجدہ گاہ بوالبشرؑ
پھر ملائک سے کرائے سجدے با صد کر و فر　　اور لیا اقرار سب پیغمبروںؑ سے معتبر

کہ وہ ختمؐ الانبیاء اور خیر خلق اللہ ہیں
ہیں وہ شمس الانبیا گر انبیا سب ماہ ہیں

تھا جو منظورِ خدا ہو مستقل اس کا ظہور　　منتقل ہونے لگا اولادِ آدم میں وہ نور
جو کہ قابل تھا ہوا اُس نور کا اُس میں مرور　　جس میں آیا وہ ہوا اُس جا کرامت کا وفور

اُس کی ٹھنڈک سے کہیں گلزار بن جاتی تھی نار
حُسن کی گرمی کہیں کرتی دلوں کو بیقرار

الغرض بہرِ ظہورِ نور عین جان و دیں ٹھہرے عالم میں عرب منظور رب العالمیں
تا کہ ہوویں مطلع اس رمز سے اہل یقیں کہ ہے جسمانی تعین کا عبور اور کچھ نہیں

گو مقر اس کا عرب ہے پر وہ کل کا شاہ ہے
سایہ گستر دو جہاں پر ایک ظل اللہ ہے

رفتہ رفتہ صلب عبداللہ میں آیا وہ نور جلوہ گر ان میں ہوا جس وقت مثلِ شمعِ طور
عشق سے ہونے لگے دل قابلوں کے چور چور یعنی شیدا ہوتی تھیں ان پر زنانِ رشکِ حور

پر ہر اک عورت قرین ہر شرف ہوتی نہیں
قابل یک دانہ گوہر ہر صدف ہوتی نہیں

اس امانت کے لئے تھیں آمنہ خاتوں بنی آمنہ تھیں ہر طرح سے جو کہ وہ امِ نبی
رکھا ایمان کا مادہ ان میں تھا پہلے سے ہی پھر تو پھیلی امن و ایماں کی انہیں سے روشنی

جس کے ہوں فرزند وہ اس کو شرف کیوں کر نہ ہو
گوہر نایاب سے فخر صدف کیوں کر نہ ہو

گرچہ رسم جاہلیت ان دنوں تھا بیشتر لیک تھا حافظ خدا اس خانداں کا سربسر
اس لئے سب تھے بری اس رسم سے تا بوالبشر پس نکاح ان کا ہوا دین خلیل اللہ پر

تھی یہ وہ شادی کہ جس کی آسماں پر دھوم تھی
تہنیت کی ہر طرف کون و مکان میں دھوم تھی

تھا فقط منظور کہلانا بشر ورنہ وہ نور جس کی دولت آدم و جملہ جہاں کا ہو ظہور
اس کو رحم مادر و صلب پدر تھے کیا ضرور عقل عاجز ہے یہاں اور فہم ہے جفت قصور

جب خدا قدرت نمائی کا کوئی ساماں کرے
کیا ہو جز تسلیم مقدور اور جو انساں کرے

میں ہوں ابن دو ذبیح ارشاد حضرتؐ نے کیا　　یعنی اسمٰعیل جو جد عرب ہیں بر ملا
اور عبداللہ جو ہیں والد خیرؐ الوریٰ　　ذبح کرنے کے لئے تھا باعث الہام کیا

اس میں یک نکتہ ہے یعنی جس کے ہو ایسا پسر
باپ دادا چاہئے قرباں ہوں اس پر سربسر

الغرض وہ نور پاک حضرت خیرالورٰیؐ　　شمس کے مانند جب برجِ حمل میں آ گیا
شام مثل صبح گھر سے آپ کے روشن ہوا　　بلکہ تھی ساری زمیں اس وقت واں چہرہ نما

ہو نہ کیوں کر روشنی تھی آمدِ عالی جناب
صبح صادق چاہئے قبلِ طلوعِ آفتاب

پھر تو ہر جانب سے عالم میں بشارت کی تھی دھوم　　پڑھتے تھے اشعار ہاتف تہنیت کے جھوم جھوم
اور تھے یوں نغمہ سرا سب نکتہ سنجانِ علوم　　کہ مٹے جاتے ہیں اب ساری نحوست کے رقوم

ہاں رہیں ہشیار ظاہر حق ہوا چھَتا ہے اب
ہے یہ قطعاً صدر باطل شق ہوا چھَتا ہے اب

تھے جہاں بت خانے بت واں سب نگوں سر ہوگئے　　الٹے اورنگ جہاں باناں خود سر ہوگئے
سبزے لہرانے لگے دن قحط کے سر ہوگئے　　قلعہ ہائے دولت و اقبال سب سر ہوگئے

کشت عالم سبز ہے باد بہاری آتی ہے
صاحب انا فتحنا کی سواری آتی ہے

صرف اہل عقل ہی میں تھا نہ اس کا اہتمام　　وحشیوں میں بھی مبارکباد کی تھی دھوم دھام
کوئی تو کہدے سنا ہے اس طرح کا جشن عام　　ابتدائے عالم تکویں سے تا یوم القیام

ہوگی خلّاق جہاں کو ان دنوں کیسی خوشی
جس کے پر تو سے عیاں تھی ہر طرف ایسی خوشی

جب ولادت کا زمان باسعادت آ گیا　　پہنچیں خدمت کے لئے جلدی سے مریم آسیا
باندھیں حوروں نے پرے جس سے تھا سارا گھر بھرا　　اور ملائک آفتابے لے کھڑے تھے جابجا

شبِ برات و قدر ہو جس پر فدا کیا رات تھی
تھا نمایاں جلوۂ شانِ خدا کیا رات تھی

پس وہ نور پاک رب العالمیں پیدا ہوئے　　مبدأ کونین و ختم المرسلیں پیدا ہوئے
جان عالم قبلۂ اہل یقیں پیدا ہوئے　　شکر ایزد رحمۃ للعالمیں پیدا ہوئے

دھوم تھی عالم میں خورشیدِ کرم طالعِ ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نورِ قدمؐ طالعِ ہوا

پھر تو سب اصنام سر کے بل زمیں پر گر گئے　　اور گرے ایوانِ کسریٰ کے بھی کتنے کنگرے
اٹھ گئیں ناریں پڑے بیکار سب آتشکدے　　واسطے تعظیم کے تارے بھی سارے جھک گئے

تھا غرض تعظیم کا ارض و سما میں اہتمام
کوئی راکع کوئی ساجد کوئی تھا صرف قیام

سامعیں سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا　　تھا ذبیح اللہ کا جو فرحت فزا جو واقعہ
وہ معین روز روز عید ٹھہر گیا　　تہنیت کے سب رسوم اُس روز ہوتے ہیں ادا

روز میلاد نبیؐ جس میں تھا وہ کچھ اہتمام
ہو نہ کیوں کر واجب التعظیم پیش حق مدام

مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی　　جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی
پھر بھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبیؐ　　ہو خلاف مرضی حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کراوے سجدے با صد عزوشاں
اور کھڑا رہنا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گماں

مژدۂ میلاد حضرتؐ جب ثویبہ سے سنا بولہب جس کی ہے ذم میں سورۂ تبت یدا
ساتھ اس کہنے کے اس کا ہاتھ بھی کچھ ہل گیا ہو کے شاداں انت حُرہ اذہبی اس کو کہا

عین آتش میں ہے جاری آب اس کے ہاتھ سے
جس کے پینے سے ہے تسکیں پیاس کے صدمات سے

کفر و دوزخ میں ہو جس کی آب یاری برملا یہ اثر اللہ اکبر مجلس میلاد کا
مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا پھر جو ایمان بھی ہو ساتھ اس جشن کے سوچو ذرا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں
یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

چھپ گئے سردار عالم اس میں مثل آفتاب پھر ہوا ظاہر مکاں میں ایک نورانی سحاب
جلوہ گر سارے عوالم میں انہیں کر دے شتاب اور منادی نے کیا پھر غیب سے اس کو خطاب

تا خدائی جملہ ان کو دیکھ لے پہچان لے
یعنی ہر ایک اپنے آقا کو بخوبی جان لے

تا کہ حیوانات بر و بحر کو دیں افتخار پس ہوئے حضرتؐ روانہ جانب بر و بحار
تا کہ ارواح ملائک کو بھی کرلیویں شکار پھر ہوئے روحانیوں کی سمت شاہ دیں سوار

پھر تو ہر ایک کی زباں پر تھا کہ لو معراج ہے
رویت نور خدا ہم کو میسّر آج ہے

آئیں خدمت میں تو دیکھا ان کو شہ نے مسکرا پھر حلیمہ وہ کہ جن کا خاندان تک سعد تھا
جانب چپ ان کے بچے کے لئے رکھی بچا داہنی جانب کا ان کے دودھ نوش جاں کیا

طفل بھی گر تھے تو دانش تھی طفیل ان کے رسا
عدل و احسان و کرم تھے جلوہ گر صبح و مسا

شاہ دیںؐ کو پھر سواری کے جو لائیں متصل　　تین سجدے شکر کے اس نے کئے باصدق دل
پھر بڑھی سب سے اگرچہ تھی بہت ہی مضمحل　　یہ عجائب دیکھ کر سب ہوگئے تھے پا بگل
بولی تم کچھ جانتے ہو میرا راکب کون ہے
آج میں وہ ہوں کہ مجھ پر شاہؐ ہر دو کون ہے

جب شہ ارض و سما کو لائیں خاتون اپنے گھر　　تھے پئے گھوارہ جنبانی ملک باندھے کمر
دل کے بہلانے کو تھا حلقہ بگوشانہ قمر　　جس طرف کرتے اشارہ ساتھ ہی جھکتا ادھر
مہد میں بھی ہیں تو سیرِ عالمِ ملکوت ہے
فکر تمہیدِ مہادِ رونقِ ناسوت ہے

جب ہوا رفتار کا عزم اک تماشا تھا بپا　　خاک کی پابوسیاں تھیں دم بدم رشک سما
دھوپ میں رہتا تھا سر پر ابر رحمت چتر سا　　یا چھپا لیتا تھا منہ خورشید از فرط حیا
تابش خور خنکی رحمت سے ہو کیوں کر قریں
زیب خاور عرش کی زینت سے ہو کیوں کر قریں

پھر تو شاہؐ بحر و بر کا جس طرف ہوتا گذر　　سجدۂ تعظیم کرتے جھاڑ ، پتھر ، جانور
تھے جو مرفوع القلم کرلیتے سجدے بے خطر　　بلکہ تھا کچھ حکم خالق ہی انہیں اس طور پر
ورنہ یاں تو تھا تواضع کا کچھ ایسا اہتمام
کر نہیں سکتا تھا کوئی دست بوسی یا قیام

پھر جو چاہا حق نے اظہارِ نبوت برملا　　حالتیں پھر وہ کہاں نقشہ دِگرگوں ہوگیا
عالِمِ اسباب کی تاثیر کا خاکہ کھنچا　　اور دبستاں عبدیت کے رسم و آئیں کا کھلا
آفتابِ حسن پر ابرِ تعصب چھا گیا
دیدۂ خفاش کا پردہ دلوں پر آ گیا

یعنی اہلِ کفر کی ہر سمت سے یورش ہوئی درپئے آزارِ ختم المرسلینؐ تھا ہر شقی
کافروں نے کوتہی ایذا رسانی میں نہ کی جس سے ایذا خود خدائے پاک کو ہونے لگی

پھر تحمل آپؐ کا قدرت خدا کی تھی عیاں
صبر تھا یا سربسر رحمت خدا کی تھی عیاں

اک اشارہ سے بھلا شق القمر جس نے کیا اس کے آگے لشکرِ کفار کا کیا حوصلہ
پر فقط اِخفائے اسرارِ خدا منظور تھا دیکھ لو الحرب خدعہ سے اشارہ کردیا

پھر پہاڑوں سے بھلا تائید لیتے کس طرح
اور ملائک کو مدد کا حکم دیتے کس طرح

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدمے اس قدر تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا یک بشر
ورنہ جو مسجود اک عالم کا ہووے سربسر اہلِ دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے
پھر بھی لست مثلکم فرمادیا اخیار سے

اولیں و آخریں کا علم گو موجود تھا پر بحسبِ مصلحت کرتے تجاہل بارہا
تھی غرض تعلیم گو کرتے تھے شوریٰ سے ظاہرا حق نے لما یعلمِ اللہ گر کہا تو کیا ہوا

حوصلہ چاہئے عالی چشم پوشی کے لئے
چاہئے ہو شرحِ صدر ایسی خموشی کے لئے

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقیں کہ ہیں واقف موت سے ہر یک بشر کے شاہ دیںؐ
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقّت نہیں جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرتا وہیں

اہلِ خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقشِ مقدر ہاتھ میں

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں   کیوں کہ دستِ عقل خود پہنچا نہیں اب تک وہاں
کل خزانوں کی انہیں ہاتھوں میں ہیں سب کنجیاں   اور اُنہیں ہاتھوں سے ہوگی فتح ابوابِ جناں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اس ہاتھ کا اکوان میں
جس کو خالق نے یداللہ کہدیا قرآن میں

تھا نظر سے شاہ دیں کے قدرتِ حق کا ظہور   یعنی تھا پیشِ نظر یک طور پر نزدیک و دُور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور   ایکساں تھی چشمِ نورانی کو تاریکی و نور

دیکھتے تھے واقعے روزِ قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائماً احوال امت کے عیاں

حضرت موسیٰؑ نے جب دیکھی تجلی طور پر   گو نہ دیکھا حق کو تُس پر بڑھ گئی ایسی نظر
کہ شبِ یلدا میں دس فرسخ پہ چیونٹی ہو اگر   دیکھ لیتے طور کی رویت کا تھا یہ کچھ اثر

پھر جو خود اللہ کو دیکھا شہِ دیں نے دوبار
کونسی شئے ہے جو حضرتؐ پر نہ ہوتی آشکار

غزل

حبّذا اے چشم کز تو دیدنیہا دیدہ ام
مرحبا اے گوش کز تو مژدہا بشنیدہ ام

اے نگاہم تا بطوف گنبد خضراستی
دل بصد جانست مصروف طواف دیدہ ام

اے مشامم جملہ اجزائے دماغم محوتست
بوئے انس از خاک پائے تا بتو بوئیدہ ام

اے دلِ رہبر فدایت باد سر تا پائے من
کز طفیلت دیدہ ام لطفیکہ اینجا دیدہ ام

زیرِ بارِ منت او گردنِ من ہست خم
تا بریں درگہ فرود آمد سر شوریدہ ام

ازپئے بوسہ لبم خم می شود بر پائے من
زانکہ از سعیش رسید اینجا تنِ کاہیدہ ام

خندہ ام بادا فدائے مقدمت اے گریہ ام
زآبیاری تو من برخویشتن بالیدہ ام

کے تواند چشم گریانم ادائے شکر تو
اے دہان ! اینجا بتو من شادماں خندیدہ ام

اے لبانم جانِ من مرہون احسانِ شماست
زانکہ از وجہ شما ایں عتبہ را بوسیدہ ام

چشمِ من فرشِ قدومت اے خیالِ یار من
کز تو شد بیدار بخت روزہا خوابیدہ ام

مردم چشمم ز دست من بجاں منت کش اند
گرد کوئے یار تا بر روئے شاں مالیدہ ام

قامتم گشتہ دو تا از بار احسان سرم
جبہہ را تا بر سرِ خاک درش سائیدہ ام

ہست ممنونت سراپایم کہ از تو بر درش
ایستادم با ادب اے قامت بگزیدہ ام

انؔورا اینجا فدائے خود خودم در بیخودی
سخت حیراں بودہ ام از حالت پیچیدہ ام

❁❁❁

غزل

تشنہ کاماں در جوارِ آبِ حیواں آمدیم
پیش عیسیٰ استخوانے چند بیجاں آمدیم

گرچہ از روز ازل خود زیرِ فرماں آمدیم
حالیا از فیض لطفت زیرِ داماں آمدیم

خواہ بخشی خواہ بکشی ما بصد شوق و ہراس
با امید و بیمِ تو خنداں و گریاں آمدیم

ہر کسے را میکشد میلش بخوبی درجہاں
ما بحمد اللہ پیشِ شاہِ خوباں آمدیم

رحمتے بر حالِ زارِ ما کہ از دور و دراز
زیرِ بارِ معصیت اُفتاں و خیزاں آمدیم

بر مساکیں ہم نگاہے تا شود دفعِ علل
اے دوائے دردمنداں ! بہرِ درماں آمدیم

گریہ بر خود کردنی چوں بود حالِ زار ما
بیخودانہ زیں سبب چوں اشکِ غلطاں آمدیم

ما کجا و ذات پاک تو کجا لیکن ز دور
ذرہ آسا در ہوائے شمس رقصاں آمدیم

سرخ رو آمد ہر آنکو درمدینہ آمدہ است
ما ہم انورؔ آمدیم اما پشیماں آمدیم

❁❁❁

غزل

ہر کسے را با تو رازے دیگرے
ناز و انداز و نیازے دیگرے

شمع آسا دم بدم عشاق را
میرسد سوز و گدازے دیگرے

عاشقاں را تا بخلوت گاہِ دوست
ہست پنہاں ترک تازے دیگرے

میرسد در راہِ پیچا پیچِ عشق
ہر زماں شیب و فرازے دیگرے

ہست صناعے کہ صنعش می دہد
ہر عدم را امتیازے دیگرے

عاشقاں را در بیاں رازہاست
ہر حقیقت را مجازے دیگرے

انوؔرِ افتادہ را اے دستگیر
نیست جز تو چارہ سازے دیگرے

❁❁❁

غزل

بجسم پاکیزہ تر زجانی بجاں چہ گویم کہ جانِ جانی
مرا چہ یارا کہ گویم آنے بروں زتخمینِ ہرگمانی

کلیم مدہوشِ لن ترانی حبیب مامورِ من رآنی
بمرتبہ فرق درمیانی ازانست ظاہر چنانکہ دانی

بیکدم از لطفِ کبریائی جمیع افلاک طے نمائی
عجب ترانکہ ز عرش آئی بکاخِ چوبیں اُم ہانی

تو اولیں نورِ کبریائی باحمدی نیز دلربائی
ہرآنچہ وصفت کنم سزائی کہ مبدأ امرِ کن فکانی

بکرسی حق تو باشی آندم کہ نفسی نفسی بگوید آدم
ترا چہ نسبت بود بہ عالم مگر پیٔے مصلحت ازانی

فلک حبابیِ ز بحرِ جودت نمی بحار از یم وجودت
جناں گل از گلشن نمودت تو اصلِ ایجادِ دو جہانی

زمین و افلاک فرش راہت مقامِ محمود جائگاہت
ملائک و انس و جاں سپاہت تو در عوالم شہِ شہانی

بکوئے تو اوفتادہ انورؔ ز کار ماندہ بحال ابتر
بخش اے شاہ بندہ پرور ہر آنچہ میخواہی میتوانی

❁❁❁

غزل

الٰہیٰ آنکہ نامش را بنامِ خویش ضم کردی
مرا سویش نمودی رہ چہا بر من کرم کردی

جزاک اللہ خیرا گر جفا کردی ستم کردی
ہزاراں جور بر عشاق کردی باز کم کردی

ہلال ایں خم کہ میداری بدیں حسن ازچہ رو باشد
مگر ابروے یارم دیدۂ تا پشت خم کردی

دلا تسلیم زلفی شو کہ صد چیں است تسخیرش
سراپا آہوت خوانم اگر زیں دام رم کردی

بیک تیر نگاہت یافت تسکینی زبیتابی
ہزاراں لطف و احساں بر دل بیچارہ ام کردی

ثنائے تیغ ابرویت بود اینہا کہ می گویم
کہ سر ہرگز نہ پیچم گر جدا از تن سرم کردی

رواں تا ساحل مقصود کردی کشتی ما را
بسے لطف و کرم بر جانم اے چشمِ ترم کردی

بشادی می تواں مردن بکوئے یار اے انورؔ
نباشی لانقش گر بار دیگر چشم نم کردی

غزل

اے آنکہ تجلی نخستین خدائی
باحسن کہ داری بکسے رو نہ نمائی

حلم تو چہ حلمے کہ بآں فوج ملائک
مجروحی و از بہر جزا لب نکشائی

گردید ہمہ سر نہفتہ زِ تو مکشوف
آئینہ روشن گر اسرارِ خدائی

آرام گہت را نرسد و ہم فلک ہم
ہر چند کہ در خیمہ گہ ارض و سمائی

زاں وجہ کہ دوری نتواں یافت بعقلت
دیں طرفہ کہ با ایں ہمہ نزدیک بمائی

بودی کہ بما ہست نشاں میدہد از تو
از ما نشدی دور کہ گوئیم کجائی

باز آئے و نگاہی بکن از لطف بر انوؔر
رفتی نہ چناں دور کزاں باز نیائی

غزل

یا الٰہی دل ز دستم می برد ایں بوئے کیست
دیں روا روہاے جانہائے عزیزاں سوئے کیست

یارب ایں آشوب صد شامِ غریباں موئے کیست
فتنۂ روز قیامت قامت دلجوئے کیست

والضحیٰ را وجہ می یابی کہ قصد روئے کیست
معنئ و الیّل میدانی کہ آں گیسوئے کیست

کیست آنکہ روضہ اش کرّوبیاں را شد مطاف
سجدہ گاہ آسمانہا بر زمیں مشکوئے کیست

با کہ مانی اے قمر تا منظرت شد دلپذیر
دیں حکایت اے ہلال عید از ابروئے کیست

آنکہ خواندش رحمۃ للعالمیں رب العلیٰ
سرّ معنی را ازاں دریاب تاہم خوئے کیست

ہرکہ می جوید احد گویش محمدؐ را بجوئے
تاکشاید بر وے ایں معنی کہ جست وجوئے کیست

ناصحا گوئی کہ تسکین دل آوارہ کن
آنکہ دل گویش باشد لیک در قابوئے کیست

از فسردہ وضع تسکین دلم ہرگز مجوئے
از نفس ہر دم نمیدانی کہ ہائے و ہوئے کیست

انورؔا قصدِ تقرب با سگِ کویش کنی
ہیچ میدانی کہ آں سگ پاسبانِ کوئے کیست

❁❁❁

غزل

شکر ایزد کہ سرم بر در کاشانۂ تست
جان آتش زدۂ ہجر تو پروانۂ تست

دید تا روئے تو مدہوش فتادہ است زمین
رقص افلاک بیک جرعۂ پیمانۂ تست

موقف جن و ملک بارگہِ عام تو ہست
دخل کس نیست بجائیکہ نہاں خانہ تست

دل عشاق فقط حجلہ گہ یاد تو نیست
در عوالم ہمگی شہرۂ افسانۂ تست

رو کسے را ننمائی و دلش صید کنی
دلبری شیوۂ انداز جداگانۂ تست

عاشقا ہیچ مترس از سخن دانشمند
عقل خود حلقہ بگوش دل دیوانۂ تست

سد راہت نشود جور حسود و ناصح
لطف حق پیش رو ہمت مردانۂ تست

در دمی قلع مرضہائے درونیت شود
انورا کوئے مدینہ چون شفاخانۂ تست

❁❁❁

قصیدۂ نعتیہ

محتاج گدا جود کند اہلِ کرم را
از سکہ بود دام دل آویز درم را

از مہر فزا سعی کند ہم تگ کافور
خورشید بکف مشعلۂ نورِ ظلم را

کے جز بہ عرق ریزی اجرام تواں شد
آرائش انواع حلل خاک دژم را

از فیضِ دل نطق سرا منبعِ الہام
منقار نوا سنج بود چوبِ قلم را

افراشت ز پامردی روح ملک اسپاہ
برخاک فتادہ تن افسردہ علم را

استادہ ازل محض پے تربیت شاں
آرد بدبستاں وجود اہلِ عدم را

بنیِ طبقِ چرخ پر از انجم رخشاں
ہر صبح نثاریست چنیں خاک دژم را

خورشید پئے آنکہ دہد نور بسایہ
در راہ تعقب نہ کند سست قدم را

در کام جسد نفس بصد حیلہ بریزد
بے منّ و اذا لذت اصناف نعم را

گر طفل ز مادر سپرد راہ تغافل
از شیر بمہرش کند آمادہ سقم را

رو تابد دہم سرکشد از مہر مہ تو
لیک او بعطارد ندہد کاہش کم را

زاں ساں کہ ز آرام گہش رحمتِ عالم
کردہ پے بہبود جہاں رنجہ قدم را

مطلع دوم

اے نیرِ برجِ شرف اسرارِ قدمِ را
سوزندہ بیک دم زدن اظلامِ عدم را

مہر شرفت را ز شرف نیست ہبوطے
گو چند خساں قدر ندارند خدم را

زان سان کہ محاقِ است بدرے زو بفلک کانے
دائم کند انگشت نما بدرے اتم را

سر باز بماندہ است کہ تا بدو ثنی سر
زاں در کہ برآں سر بسجود است صنم را

نام تو بمالش چو زند دست بکوشش
زہرہ ہمہ تن آب شود شیر اجم را

عزمت چو قمر زہرۂ شیران بشگافد
انست برد از آہوئے وحشت زدہ رم را

عشاق درت شاںِ نظر انداز نمانید
حورانے کہ بیارند بجلوہ خم و چم را

کیف عجبش را بدر آرد ز تناہی
کمیکہ باضعاف رسیدہ ز تو کم را

طبعت چو شود ملتفت خاطرِ اصلاح
از تغذیہ چارہ نبود قوتِ سم را

زان بحرِ سخاوت کہ محیط است بعالم
نم سرزدہ و نام پدید آمدۂ یم را

آن روز کہ حق مسند اقبال تو آراست
افراشت پئے ظلگیش ہفت خیم را

آں کیست کہ گوئے سبق از تو بر باید
گو طے بکند اشتر رقصاں رہ سم را

از فیض گدایاں تو گردد شہِ شاہاں
ہم پہلو خاک آنکہ کند مسندِ جم را

مدحے کہ زند دم باصابت ز رہ فخر
از فکر و نظر دور بیفراشت علم را

واں مدح کہ نازند حریفاں بادالیش
نسبت بجناب تو شبیہ آمدہ ذم را

بر نعت نہ ہر خیرہ سرے چیرہ تواں شد
منطق نہ تواں کرد بفن جذر اصم را

پا لغز ِہست ایں نتواں رفت گراں سر
زیبد کہ ز سر باز تراشند قدم را

نے ہمچو کسانیکہ سپردند ہمیں راہ
لیکن ز سر فخر عصا کردہ منم را

زانرو کہ خطا سرزدہ زانہا بفزونی
آنجا کہ خجالت بود افزونی ہم را

بل از سر محویکہ زہستی بدر آرد
دستی نبود نیز بران محض عدم را

تا بیخود و باخود ہمہ تن نعت تواں شد
در پرتوش انوار دہد دست ظلم را

نعتت چو یم و مدح سرائیم ازان نم
از بے سر و پائے کہ خرد صورت نم را

با فعلیت حسن تہی کار من از رہن
دادیم من و کار بہر تہلکہ ہم را

درنعت تو بافکر ردیف است خیالم
زاں سانکہ بجستم زپئے قافیہ غم را

ورنہ چہ سروکار رہی را بچنین ھا
آقا تو رہائی ز غم و فکرِ امم را

عمریست کہ از عشقِ تو دم میزند انوؔر
قربان تو درکار کن ایں تیغ دو دم را

قطعہ تاریخ طبع کتاب انوار احمدیؒ از محمد مظفر الدین معلےؒ

قطعہ اردو

حضرت انوار اللہ نے جو لکھی یہ کتاب
ہیں مضامیں اس کے پُر گنجینۂ اسرار سے
مصرعۂ تاریخ طبع اس کا معلیٰ نے لکھا
پر تقدس ہے دو عالم احمدیؐ انوار سے

۱۳۲۳ھ

قطعہ فارسی بہ صنعت تخرجہ

مضمون ایں کتاب ز ارشاد بارشاد
مملو زفیض اقدس لمعات سرمدیست
مالیدہ چشم اعمش (۱) جاہل ببین منش
پرنور دل ز جلوۂ انوار احمدؐیست

۱۳۲۴ھ

۱۳۲۳

قطعۂ فارسی بصنعت تدخلہ از محمد اکرام علی بودھنی

کرد ایں کتاب حضرت استادِ من رقم
از انتخاب دفتر اخبارِ احمدیؐ
از غور وقت صحت کاپی شد ایں یقیں
ہر حرف اوست گوہرِ شاہوارِ احمدیؐ
اکرآم سالِ طبع بگو از زبانِ جان
زیبا کتاب روشن انوار احمدیؐ

۱۳۲۰

۳

۱۳۲۳

تمام شد

اعلان

شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ العزیز نے ۱۲۹۲ھ میں علوم اسلامیہ کی اشاعت و دین مبین کی حفاظت کے لئے جامعہ نظامیہ کو قائم فرمایا۔ الحمد للہ اپنے قیام سے تا حال جامعہ نظامیہ علم دین کی تعلیم و اشاعت میں مصروف ہے۔ اس مرکزی علمی درسگاہ سے لاکھوں طالبان علم فیض یاب ہوئے اور انشاء اللہ العزیز تا قیام قیامت اس کا علمی فیض جاری رہے گا۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے جامعہ نظامیہ کے قیام کے بعد ۱۳۳۰ھ میں علوم اسلامیہ کی مفید و نادر تحقیقی اصلاحی اور معلومات آفریں کتب کی اشاعت کے لئے ایک ادارہ بنام ''مجلس اشاعت العلوم'' قائم فرمایا۔ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، فلسفہ اسلام، تاریخ و سیرت، اخلاق و فضائل، معجزات و کرامات، استعانت، رد وہابیت، رد قادیانیت، زیارت قبور، علم غیب، طبقات اولیاء، میلاد مبارک، رویت الہی، وحی، عشق و محبت، سماع موتی، ندا، جواز قیام، وسیلہ، معراج مبارک وغیرہ جیسے اہم مسائل پر شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ و دیگر علمائے اعلام کی مدلل و معرکہ تصانیف شائع کی ہیں جن کا مطالعہ ایمان و یقین اور عمل میں پختگی کا باعث ہے۔ نیز شعبہ تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ سے تنقیح و تصحیح کے بعد نصاب اہل خدمات شرعیہ کو شائع کیا گیا۔ جو معتبر فقہی کتب سے ماخوذ اور عقائد اہل سنت و الجماعت کے مطابق ہے۔ اس کتاب کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ علماء اعلام کی مفید تحقیقی تصانیف شائع کرتی ہے۔

اطلاع

مجلس اشاعت العلوم کے طباعتی پروگرام ارکان کی امداد اور اہل خیر اصحاب کے عطیات سے تکمیل پاتے ہیں علم دوست اصحاب سے خواہش کی جاتی ہے کہ مجلس اشاعت العلوم کی ایک ہزار روپے کی رکنیت قبول فرمائیں۔ اراکین کو مجلس اشاعت العلوم کی جدید مطبوعات اصل لاگت پر اور قدیم مطبوعات ۳۳ فیصد رعایت کے ساتھ دی جاتی ہیں۔ مجلس اشاعت العلوم کی تمام مطبوعات دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ شبلی گنج حیدرآباد سے 10 تا 4 ساعت دن حاصل کی جا سکتی ہیں۔ نیز دکن ٹریڈرس مغلپورہ، چار مینار، چوک، گلزار حوض اور مکتبہ رفاہ عام گلبرگہ سے بھی کتب حاصل کی جا سکتی ہیں مزید تفصیلات مولانا حافظ محمد عبید اللہ فہیم صاحب قادری الملتانی شریک معتمد مجلس اشاعت العلوم سے فون نمبر 24416847 پر حاصل کی جا سکتی ہیں۔

المعلن

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ و معتمد مجلس اشاعت العلوم، رجسٹر ۱۰۵۹

Printed at : Abul Wafa Al-Afghani Offset Printing Press JAMIA NIZAMIA, Hyd-Ph : 24416847